از "سلسلہ دین بھلائی ہے"

﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ﴾ الأحزاب: ٤٠

مقالاتِ مکیہ

در

مطالعۂ قادیانیت

مقدمہ

از: ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن الترکی

سیکرٹری جنرل رابطۂ عالمِ اسلامی

تقریظ

از: معالی الشیخ عبد الرحمٰن بن عبد العزیز السدیس

رئیس عام برائے امور مسجدِ حرام و مسجدِ نبوی، امام و خطیب مسجدِ حرام

حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی

صدر دار العلوم کراچی و مفتی اعظم پاکستان

مرتب

ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ

مدرس مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

ناشر: مکتبہ امدادیہ مكة المكرمه

عرضِ ناشر

الحمد لله وحده، والصّلاة والسّلام علٰی من لا نبی بعده،

وعلٰی آله واصحابه اجمعین

امّا بعد!

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ختمِ نبوّت کا عقیدہ رکھنا اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوصِ سنت اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع سے اسلام کے عہدِ اوّل، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے لے کر آج تک ثابت ہے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبیٔ رحمت نے خود ایسے جھوٹے مدعیانِ نبوّت سے اُمت کو خبردار کیا ہے، جن میں سے ہر ایک اپنے لئے نبوّت کا دعویٰ کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تیس کے قریب کذّاب اور دجال لوگ ظاہر نہ ہوں، اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔''

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بعض جھوٹے مدعیٔ نبوّت ظاہر ہوئے، جن کی

خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تکذیب فرمائی، اور اُمت کو ان کے دجل سے آگاہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہ کے زمانے میں مسیلمہ کذّاب کا فتنہ دعویٔ نبوّت ظاہر ہوا تو صدیق اکبرؓ نے سختی سے اس فتنے کی سرکوبی فرمائی اور اُمت کو اس کے دجل سے محفوظ فرمایا۔ اس معرکۂ حق و باطل میں تقریباً بارہ سو صحابہ کرام...رضی اللّٰہ عنہم...نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اسی سے حضرت ابوبکر صدیق اور صحابہ کرام رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین کے نزدیک عقیدۂ ختمِ نبوّت کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

اس عہد سے اُمتِ مسلمہ کا اس اَمر پر اِجماع رہا ہے کہ ہمارے آقا اور نبی حضرت محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں، اللّٰہ تعالیٰ نے ان پر نبوّتِ ربانی کا سلسلہ ختم فرمایا، آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے بعد مدعیٔ نبوّت جھوٹا اور دجال ہے، اور جو شخص بھی ایسا دعویٰ کرے، اور جو اس کا پیروکار بنے، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

تاریخِ اسلام میں جب کبھی کوئی مدعیٔ نبوّت ظاہر ہوا تو مسلمانوں کے حکام اور علماء نے ان کے ساتھ، اسی مذکورہ شرعی ضابطے کے ساتھ معاملہ کیا۔

اسلامی خلافت جب زوال پذیر ہوئی اور استعمار نے ان علاقوں میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کئے تو ہندوستان میں پنجاب کی سرزمین ضلع گورداسپور کے ایک قصبے ''قادیان'' میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوّت کا دعویٰ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی تقریباً ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا۔ برطانوی استعمار نے اپنے مقاصد اور اَہداف کے حصول کی خاطر اسے استعمال کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی ابتدائی طور پر ایک داعی، مبلغِ اسلام اور مسیحیت اور دیگر اہلِ کفر کے خلاف ایک مسلم مناظر کے طور پر ظاہر ہوا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے دعوے ظاہر ہوتے گئے اور ان میں اضافہ ہوتا

رہا۔ ابتدا میں اس نے ''مجدّد'' ہونے کا دعویٰ کیا، اور اس کے بعد ''ملہم'' ہونے کا، پھر ''مہدیٔ منتظر'' اور ''مسیحِ موعود'' ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ اس کے دعوے یہاں تک ختم نہ ہوئے، بلکہ چلتے چلتے اس نے جناب نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ظل و بروز ہونے، اور پھر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح صاحبِ وحی نبی ہونے کا دعویٰ تک کر دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی سب سے پہلی تکفیر علمائے لدھیانہ نے کی، کیونکہ وہ اس کے علاقے سے قریب ہونے کے وجہ سے اس کے مقاصد واَہداف اور اس کے کذب ودجل اور کفریات کو سب سے پہلے جان چکے تھے۔ انہوں نے اس کے کفریہ اور باطل عقائد کو مسلمانوں کے سامنے کھل کر بیان کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے دیگر علاقوں کے علمائے کرام تک مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ عقائد پہنچے، جنہیں جان کر انہوں نے بھی اس کی تکفیر کے فتاویٰ صادر کیے۔ علمائے کرام، مرزا غلام احمد قادیانی کے استعمار سے تعلقات اور اس فتنے کے پیچھے استعمار کے خفیہ ہاتھوں کو بھی پہچان گئے۔ اُمتِ مسلمہ کے جن اکابر علماء نے اس فتنے کی سرکوبی میں قابلِ قدر سعی فرمائی، ان میں سے برصغیر کے معروف فقیہ ومحدث مولانا رشید احمد گنگوہی، علامہ سیّد مہر علی شاہ گولڑوی، علامہ شیخ سعد اللّٰہ، مشہور محدث مولانا محمد حسین بٹالوی، مشہور محدث علامہ محمد انور شاہ کشمیری، علامہ ثناء اللّٰہ امرتسری وغیرہم (رحمہم اللّٰہ اجمعین) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ پھر جن اسلامی تنظیموں نے بڑھ چڑھ کر اس فتنے کے خلاف میدانِ عمل میں حصہ لیا، اس میں ''مجلس احرار الاسلام'' تھی جو اَمیرِ شریعت مولانا سیّد عطاء اللّٰہ شاہ بخاری اور ان کے رُفقاء کار حضرات کی قیادت میں قادیانیت کے عظیم فتنے کے رَدّ میں خصوصی طور پر برسرِ پیکار رہی۔ اس جماعت کے خطباء نے عوام اور خواص میں قادیانیت کو آشکارا کیا، ان کے کفریہ عقائد، مُسلّماتِ دِین میں ان

کے شبہات اور دِینِ اسلام کے ساتھ ان کی خیانتوں کو بیان کیا۔

برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے دِینی اور علمی اداروں کے اہلِ افتاء اور اہلِ علم وفضل حضرات نے علمی و تحقیقی عمل سے اُمت پر قادیانیت کے کفر کو واضح کرنے کے لئے خصوصی محنت کی۔

۱۳۹۴ھ میں مسلمانوں کی عظیم عالمی تنظیم ''رابطہ عالم اسلامی'' نے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی، جس میں پورے عالم کی اسلامی تنظیموں اور جماعتوں کے کئی نمائندے شریک ہوئے، سب نے متفقہ طور پر قادیانیت کے کفر پر مہرِ تصدیق ثبت کردی۔

''رابطہ عالم اسلامی'' کی ذیلی تنظیم ''مجمع الفقہ الاسلامی'' نے بھی رابطہ کانفرنس کی تائید اور قادیانیت کے کفر میں اپنی قرارداد صادر کی۔ اس طرح مملکت سعودی عرب کی دائمی کمیٹی برائے علمی بحوث و افتاء نے بھی قادیانیت کے کفر کا فتویٰ دیا۔

مملکت سعودی عرب کی ''هيئة كبار العلماء''، اور ''مؤتمر عالم اسلامی'' کی فقہی کمیٹی، اور مصر کی جامعہ ازہر کے ادارہ ''اسلامک ریسرچ سینٹر'' نے بھی ان کے خلاف فتویٰ دیا۔

۱۹۷۴ء میں پاکستانی پارلیمنٹ میں تمام اراکینِ پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قرارداد کے ذریعے قادیانی فرقے کو خارج اَز اِسلام قرار دیا، اور یہ فیصلہ صادر کیا کہ قادیانیت کا تشخص اس سرزمینِ پاکستان میں مسلمانوں سے جداگانہ غیر مسلم اقلیت سے ہے۔

یاد رہے کہ یہ قرارداد اس وقت کے قادیانی جماعت کے صدر مرزا ناصر احمد کے تمام اراکینِ پارلیمنٹ کی ساتھ بحث ومباحثے کے بعد منظور ہوئی، جب تمام اراکینِ پارلیمنٹ کے سامنے حق واضح اور قادیانیت کا کفر عیاں ہوگیا۔ اس طرح حق تعالیٰ شانہٗ نے اس فرقے کو تمام میدانوں میں ذِلت ورُسوائی سے دوچار کردیا۔

علمائے اُمت،منظّماتِ اسلامیہ،ان کے علمی مراکز، رابطہ عالم اسلامی، اسلامی کانفرنسز،اور دیگر جملہ اداروں کے بالاجماع قادیانیت کے کفر پر فتاویٰ کے باوجود،آج قادیانی پوری دُنیا میں اپنے مسلمان ہونے اور دیگر مسلمانوں کے کفر پر مُصر ہیں،اور اس کا کھلم کھلا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔

قادیانیت نے اپنے باطل مشن کی نشر واشاعت کی خاطر "MTA" (مسلم ٹی.وی احمدیہ) کے نام سے اپنے تین ٹی وی اسٹیشن مختلف زبانوں میں قائم کر رکھے ہیں۔جن میں سے ایک ایشیائی زبان،ایک مغربی اور ایک عربی زبان میں رات دن بغیر کسی وقفے کے،اپنے کفریہ نظریات ''اسلام'' کے نام پر پھیلا رہے ہیں۔وہ اپنے کفریہ عقائد کو بنام ''تحقیقی اسلامی عقائد'' اور مسلمانوں کے مُسلّمہ عقائد کو'' تقلیدی عقائد'' کا نام دے کر کھلے عام ان کا رَدّ کر رہے ہیں۔ وہ اُمت کے مُسلّمات کے خلاف برملا اپنے میڈیا کو استعمال میں لا رہے ہیں۔قادیانیت انتہائی مکر ومہارت سے اسلام اور اس کی مصطلحات کو استعمال کر رہی ہے،حالانکہ حکومتِ پاکستان نے واضح طور پر ان کے لئے ان اسلامی مصطلحات کے استعمال پر قانونی پابندی نافذ کی ہوئی ہے،اور اس کے لئے ''امتناعِ قادیانیت آرڈیننس'' جاری کر دیا ہے۔ در اصل قادیانیت نے اس آرڈیننس کے بعد مغرب کا رُخ کر لیا تھا اور وہاں پر جا کر عالمی کفر کی مدد سے اپنے تین ٹی وی چینل قائم کر لئے۔

مسلم اُمت کے اہلِ علم وفکر اور اہلِ ثروت کے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے!ان کا فرض ہے کہ وہ قادیانیت کے اصل چہرے کو بے نقاب کریں،ان کے مکر ودجل کو آشکارا کریں۔علمائے اُمت نے اس اَمر میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی ہے۔

آج بھی الحمدللہ!ہمارے محترم ومکرم مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ نے قادیانیت کے

مغالطات اور ان کے دجل کو بڑی حکمت وبصیرت اور انتہائی مدلل طور پر حجت وبرہان اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ ان کے افصاح وتبیین کا کام کیا ہے، جس سے خواص وعوام پر قادیانیت کی حقیقت خوب کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔ ان کا اسلامی عقائد سے اِنحراف اور اُصولِ دِین کے اِنکار کرنے کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ سے خروج اور کفر، ہر کس وناکس پر واضح ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے فضل وکرم سے نہ صرف اُمت کے خواص بلکہ عوام بھی فتنۂ قادیانیت کے خطرناک اثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں، بلکہ اگر قادیانی حضرات تعصب کی پٹی اُتار کر ان کے مقالات کا مطالعہ کریں تو کوئی بعید نہیں کہ انہیں ہدایت نصیب ہو۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے مقالات متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں، جس کی تین جلدیں ''المقالات المكيّة في دراسة القاديانيّة'' کے نام سے عربی میں اور ''مقالاتِ مکیہ در مطالعۂ قادیانیت'' اُردو میں طباعت سے آراستہ ہو رہی ہیں۔

ان مقالات کا مقدمہ مشاہیر مسلم اہلِ علم کی تقاریظ سے مزین ہے، جن میں سے ''رابطہ عالم اسلامی'' کے جنرل سیکرٹری عزت مآب ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی نے مفصل تقدیم سے کتاب کی خوبصورتی میں اضافہ فرمایا۔ اِمامِ حرم وصدر ریاسۃ عامہ برائے اُمورِ مسجدِ حرام ومسجدِ نبوی ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس نے اپنے نیک خیالات سے کتاب کو رونق بخشی۔ مشہور عالم ڈاکٹر یوسف عبداللہ قرضاوی نے بھی اپنے کلمات میں اس اہم موضوع پر تفصیل سے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا۔ ان کے علاوہ علامہ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، صدر جامعہ دارالعلوم کراچی نائب صدر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، ڈاکٹر یوسف عبداللہ الوابل، اسسٹنٹ سیکرٹری برائے خدمات، جنرل پریزیڈنسی اُمور مسجدِ حرام ومسجدِ نبوی اور دیگر علمائے کرام اور دانشورانِ ملت نے اس کتاب کو اپنی تقاریظ سے مزین کر کے اس کتاب کے حسن میں اضافہ فرمایا۔

ہماری دُعاہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُمتِ مسلمہ کے ان قائدین اور زعماء کو اَجرِ عظیم عطا فرمائے جنہوں نے اپنی علمی مصروفیات کے باوجود اس مسئلے کی اہمیت کو جانتے ہوئے، اس کتاب کے لئے اپنے کلمات لکھنا، اپنا فریضہ سمجھا۔ان کا یہ عمل یقیناً مسئلے کی اہمیت، اس تالیف کی وقعت، اور اس کے مؤلف کی حوصلہ افزائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائیں، جنہوں نے جانفشانی سے کام کرکے بہت خوبصورت اور ناصحانہ انداز میں یہ مقالات تیار فرما کر، قادیانیت کے پیدا کردہ شبہات اور ان کے دجل کو آشکارا کیا۔اور ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ اس عمل کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے اور اپنے بندوں کے لئے اس کے نفع کو عام اور آسان فرمائے اور اسے ہدایت کا ذریعہ بنائے، اس سے لوگوں کے دل پلٹ جائیں اور سینے کھل جائیں۔بےشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وصلی اللّٰہ علٰی خیر خلقہ وسیّد رسلہ وخاتم انبیاۂ سیّدنا
وحبیبنا ونبیّنا محمّد وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین
وبارک وسلّم تسلیما کثیرًا

عبدالحفیظ عبدالحق المکی
مالک مکتبہ امدادیہ، مکہ مکرمہ
اَمیر انٹرنیشنل ختمِ نبوّت موومنٹ

تقدیم

از

ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی

جنرل سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی

الحمد للّٰه رَبّ العالمين وصلى اللّٰه وسلّم على نبيّنا محمّد
وعلى آله الطّيبين الطّاهرين وصحبه الغر الميامين

امّا بعد!

یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء ورُسل علیہم السلام کو حق مبین کے ساتھ مبعوث فرمایا، باری تعالیٰ نے انہیں حق ودلائل کے ساتھ گفتگو کرنا سکھلایا۔ اس نے ان کے ہاتھوں پہ واضح معجزات بھی ظاہر فرمائے۔ تاکہ لوگ ان پر اور ان کی تعلیمات پر حجت وبرہان کے ساتھ ایمان لائیں، وہ ان کی لائی ہوئی ہدایت کی بصیرت کے ساتھ اتباع کریں، جس میں اندھا پن اور جہالت نہ ہو۔ کیونکہ جہالت تو لامحالہ گمراہی تک پہنچانے والی ہی ہوتی ہے۔

انسانی معاشرے کتنے ہی جھوٹوں کے باطل دعووں میں مبتلا ہوئے، جن کا زَعم ہوتا کہ ان کے پاس وحی آتی ہے، حالانکہ ان کے پاس کوئی وحی نہیں آتی تھی۔ وہ سمجھتے کہ انہیں اللہ کے انبیاء جیسی آیات اور نازل شدہ کلام ملا۔ اس باب میں ان کذابوں کی مثال یوں ہے، جیسے پانی کے آگے کوئی ہاتھ پھیلائے اس خیال سے کہ وہ اس کے منہ میں آجائے، حالانکہ ایسا نہیں

ہوسکتا...! پھر اللہ کی حجت نے ہی انہیں آلیا، وہ حجتِ ربانی ان کے کذب پر غالب آ گئی اور ان کے جھوٹے دعوے بھی ناکام ہوگئے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

''فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾'' (الاعراف)

''حق غالب رہا اور ان کے عمل باطل ہوگئے۔''

نیز اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

''بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ''

(الانبیاء:۱۸)

''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں، پس سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ نابود ہوجاتا ہے۔''

ایک اور مقام پر اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

''لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾''

(الانفال)

''تاکہ وہ سچا (غالب) کرے حق کو اور ناکام کردے باطل کو چاہے مجرمین لوگ اسے ناپسند کریں۔''

پھر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

''فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ؕ'' (الرعد)

''پس جھاگ تو ناکارہ ہوکر چلا جاتا ہے، لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی

چیز ہے وہی زمین میں ٹھہری رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس نے اُمتوں کی ہر نسل میں علمائے کرام کو حق کہنے والی زبانیں عطا فرمائیں، جو ربانی حجتوں کے ساتھ بولنے والی تھیں۔ یہ علمائے کرام اللہ کے دِین کا، اس کے بارے ہر جھوٹے قول اور دِین کے نام پر باطل دعووں سے تحفظ کرتے رہے۔ جبکہ اہل باطل کی غرض ہی قطعی اور واضح نصوصِ شریعت میں اِلحادی تفسیرات اور باطل تاویلات کے ذریعے لوگوں کو حقیقی دِین سے دُور کرنا رہا۔ ان کی تفسیروں کی شریعت یا لغت سے بھی کوئی تائید نہ تھی۔ اسی قسم کی باطل اور اِسلام سے خارج کردینے والی، نیز سبیلِ مؤمنین سے ہٹانے والی ان دعوتوں میں سے، جس نے اسلامی مُسلَّمات اور مسلم اُمت کے ہاں ثابت شدہ ان واضح حقائق کا انکار کر دیا، جو روزِ روشن اور آسمان میں طلوعِ آفتاب کی طرح واضح ہیں۔ ان اہلِ دعوت نے ایسے بے دلیل دعوے کئے جن کا اللہ اور رسول سے قطعی تعلق نہیں۔

ایسی باطل دعوتیں جنہوں نے ''تجدیدِ دِین'' کے نام پر خودساختہ عقائد وضع کر کے، انہیں اسلام کی طرف منسوب کر دیا، ان میں سے ایک وہ دعوت ہے جسے پنجاب میں مرزا غلام احمد قادیانی (مولود ۱۲۵۵ھ، متوفی ۱۳۲۶ھ، بمطابق ۱۸۳۹ء-۱۹۰۸ء) نے اُنیسویں صدی کے اَواخر میں اس وقت پیش کیا، جب برصغیر میں انگریزی استعمار اپنا رُسوخ قائم کر چکا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی وفات کے بعد اس کے وفا شعار دوست ''حکیم نورالدین بھیروی'' نے قادیانیت کی باگ ڈور سنبھالی۔ یہ شخص اپنی کثیر دِینی معلومات اور اس زمانے کی مسلم سوسائٹی کے حالات سے بخوبی واقفیت میں معروف تھا۔ حکیم نورالدین ہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں قادیانیت پر تحقیق کرنے والوں کی رائے ہے کہ مرزا غلام احمد کی تصنیفات

کے مضامین، اسی شخص کی فکری کاوِش کا نتیجہ ہیں۔ اسی نے مرزا کو دھوکا دیا کہ وہ دِین کا مجدّد، مہدئ منتظر اور مسیحِ موعود ہے، بلکہ اسے دعوئ نبوّت پر بھی اسی نے اُکسایا۔

جب مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' لکھی تو ''لیکھ رام'' نامی ایک ہندو شخص نے اس کی تردید میں ''تکذیب براہین احمدیہ'' لکھی۔ حکیم نورالدین نے لیکھ رام کی تردید میں ''تصدیق براہین احمدیہ'' لکھ ڈالی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد ''سیرت المہدی'' کے صفحہ:۹۹ پر لکھتا ہے کہ: بھیروی نے کہا کہ اگر یہ شخص (مرزا) یہ دعویٰ کرے کہ وہ صاحبِ شریعت نبی ہے اور اس نے قرآن کی شریعت منسوخ کردی ہے، تو میں اس کا انکار نہ کروں گا۔

''براہین احمدیہ'' میں مرزا قادیانی کے اِلہامات، خوابوں، خرقِ عادت اُمور، کشوف، خدائی مکالمات، پیش گوئیاں، اس کے دعووں اور چیلنجز کی بھرمار ہے۔ اس کتاب سے مرزا غلام احمد نے خوب شہرت پائی۔ اور بعض لوگ اس کتاب کی وجہ سے ہی مرزا کے بارے میں فتنے میں پڑ گئے۔ اسی نے اس میں اس امر کی تخم ریزی کی کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہی آخری زمانے میں آنے والا مسیحِ موعود ہے۔ اس کتاب نے مرزا میں انگریزی استعمار کے لئے نرم گوشہ رکھنے کی دعوت پھونکی اور انگریزی حکومت کے لئے وفاداری اور اِخلاص کا جذبہ پیدا کیا۔ پھر اس نے انہیں وہاں سے نکالنے کی خاطر جہاد کی حرمت کا فتویٰ صادر کیا۔

مرزا قادیانی کی دعوت اور اس کے نتیجے میں آنے والی اس کی کتب، رسائل اور خطوط اور اس کے خطابات کا ماحصل اسلامی عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور انگریزی استعمار کی سیاست کی تائید ونصرت ہے۔ اسی دعوت کے عظماء اور پیروکاروں کا استعماری عہدِ حکومت میں، حتیٰ کہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد تک بھی خصوصی مقام ومنزلت اور اَثر ورُسوخ رہا۔

لہٰذا مرزا قادیانی کی یہ دعوت درحقیقت نبوّت و رسالتِ محمدیہ ...علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام...اور دینِ اسلام کے خلاف بغاوت اور ایسی مذہبی اور سیاسی سازش تھی کہ دینِ اسلام اور اُمتِ محمدیہ پر اس جیسے مضر اثرات اور خطرات کی اسلامی تاریخ میں دیگر نظیر نہیں ملتی۔ ہاں! اسی طرح کی باطنی تحریک اسماعیل عبیداللہ بن میمون القداح کے ہاتھوں تیسری صدی ہجری میں بھی اُبھری تھی۔ یہ فتنہ سراسر اندھا اور اِنتہائی خطرناک تھا، جس کے پنپنے اور ہندوستان میں پھلنے اور پھولنے کے لئے کئی سیاسی، معاشرتی اور فکری عوامل اس کے ظہور کے زمانے میں متوفر کر دیئے گئے۔ خصوصاً پنجاب میں جہاں کہ اس فتنے کا ظہور ہوا، علاوہ ازیں اس وقت کے عمومی ہند میں بھی انگریزی استعمار کے قبضے اور ۱۸۵۸ء میں مغلیہ سلطنت کے خاتمے سے عوام میں دِینی نزاعات، فکری اور نفسی اِضطرابات پیدا ہو چکے تھے۔ ان تمام عوامل کی وجہ سے اس دعوت کو پنپنے کے مواقع میسر آئے۔

مرزا غلام احمد کے دعووں کا خلاصہ ایسی تین چیزوں میں ہے جو باہم ربط رکھتی ہیں، اور اِنہیں کی بنیاد پر وہ اُمتِ مسلمہ کے دائرے سے خارج ہو گیا۔ چاہے قادیانیت کا یہ دعویٰ بھی ہو کہ وہ ملتِ اسلام پر ہی قائم ہے، اور اس کے بعض گروہ ان اُمور میں بصراحت اس کے برخلاف تاویل بھی کریں۔ وہ تین دعوے مندرجہ ذیل ہیں:

۱- قادیانیت کا، نبیٔ خاتم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر نبوّتِ ربانی اور وحیٔ اِلٰہی کے سلسلے کے خاتمے کا اِنکار کرنا، اور سورۂ اَحزاب کی آیت نمبر ۴۰ میں وارد لفظ ''وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ ط'' کی عجیب و غریب تاویل کرنا۔

۲- قادیانیت کا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور آخری زمانے میں ان کے نزول کا انکار کرنا، پھر اس سلسلے میں وارِد شرعی نصوص کی یہ تاویل کہ اس سے مراد شبیہ عیسیٰ یا مثیلِ عیسیٰ

ہیں۔

۳۔ قادیانیت کا اپنے مؤسس مرزا غلام احمد کے بارے یہ دعویٰ کرنا کہ وہی مہدی ہے جس کے آخری زمانے میں ظہور کا حدیثِ نبوی میں ذکر آیا ہے۔

مرزا غلام احمد نے اپنے آخری مراحل کے دعوؤں کی تمہید ہی اس عقیدۂ ختمِ نبوّت کے انکار کو بنایا جس سے اس کے وحی کے منقطع ہونے کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ وحی، نبوّت کے لوازمات میں سے ہے، پھر اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے، اور اس کا رَبّ اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔

رہا اس کا اِدّعائے مسیحیت اور اس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار! تو ایسا اس نے اس لئے کیا تا کہ اس کا مسیحِ موعود ہونے کا دعویٰ تسلیم کیا جا سکے، پھر اس نے نزولِ مسیح والی احادیث میں انتہائی تکلف کرتے ہوئے یہ تاویل کی کہ اس سے تو شبیہ اور مثیلِ مسیح مراد ہے، اور وہ خود مثیلِ مسیح ہے۔ (اس نے اپنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کئی وجوہِ مشابہت بھی اسی خاطر بیان کیں)۔

شہرِ دمشق جسے احادیث شریفہ میں نزولِ مسیح کا مقام بتایا گیا ہے، اس نے اس کی ''قادیان'' سے تاویل کی، پھر اس کے لئے ویسی ہی حرمت اور عظمت کا دعویٰ بھی کر دیا جو مکہ اور مدینہ کے لئے ثابت ہے۔

اس گمراہ جماعت، اس کے بانی اور رُفقاء کار نے اپنی کتب، رسائل اور اپنے اخبارات کے ذریعے جن باطل نظریات کو شائع کر کے ضعیف الاعتقاد لوگوں کے اعتقادات میں تشکیک اور ان کے افکار میں تشویش پیدا کرنے کی سعی کی، اس کے رَدّ کے لئے علمائے کرام میدان میں اُترے۔ علمائے پاک و ہند اس باب میں ان کے مقدمے میں تھے جنہوں نے رَدّ کے جملہ

اسالیب، وہ براہ راست مناظرے ہوں یا لیکچرز، دُروس ہوں یا مقالات، کتب ہوں یا پمفلٹ، انہیں تحریر کرکے شائع کرنا، ہر طریق کار کو علماء اسلام نے اختیار کیا۔قادیانیت کے رَدّ میں اُردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں اتنا کچھ لکھا گیا کہ اس پر ایک مکمل کتب خانے کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

وہ برگزیدہ اہلِ علم جنہوں نے قادیانیت کے مسئلے میں بہت زیادہ دلچسپی لی اور قادیانیت پر شدید رَدّ کرتے رہے، ان میں سے علامہ شیخ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ ہیں جو ہند میں جمعیت اہلِ حدیث کے بانی تھے، ان کی رَدِّ قادیانیت پر بہت سی تالیفات اور تصنیفات ہیں، وہ مرزا غلام احمد کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے اس سے مناظرے بھی کئے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر غلبہ عطا فرمایا۔ پھر مرزا غلام احمد نے ان سے مباہلہ کرتے ہوئے کہا کہ دونوں میں سے جھوٹے پر موت پہلے آئے گی۔ مرزا غلام احمد اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد عبرتناک موت مرا۔ اور مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ، تو اللہ کے فضل وکرم سے اس کے بعد چالیس سال تک زندہ وسلامت رہے۔

انہی علماء میں سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی ہیں، جنہوں نے ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' تصنیف کی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قادیانیت کے رَدّ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ وہ اس گمراہ فرقے کے رَدّ کے لئے ہمیشہ فکرمند رہے، ان کا دل اس بارے میں دائمی طور پر مضطرب رہتا، وہ ہمیشہ ان اسالیب کے ایجاد کی سعی میں رہے کہ کس طرح اس گمراہی کا خاتمہ ہوجائے۔ ان کی یہ فکر ان کے رُفقاء اور تلامذہ میں بھی منتقل ہوگئی، جنہوں نے مختلف زبانوں میں قادیانیت کے رَدّ میں کتابیں اور رسالے تحریر کئے۔[۱]

---

(۱) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح صفحہ ۴۹ کے حاشیہ میں اس موضوع پر کتب کی فہرست ہے (القادیانی والقادیانیۃ، از ابوالحسن ندوی ص ۹)

اسلام کے اس باغی گروہ کے رَدّ میں جن تنظیموں اور جماعتوں نے پُر جوش کام کیا، ان میں ''مجلس احرار'' سرفہرست ہے، جس کے سربراہ معروف خطیب سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسری رحمہ اللہ تھے۔ دیگر اسلامی تنظیمیں بھی قادیانیت کے بارے فکر مند رہیں، جنہوں نے اس گروہ سے متعارف بھی کرایا اور اس کے فتنے کے بارے آگہی بھی کی اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے اس کے مخاطر کو بھی بیان کیا۔

رابطہ عالم اسلامی نے ۱۳۹۴ھ میں مکہ مکرمہ میں اس سلسلے میں ایک بڑی کانفرنس منعقد کی، جس میں بین الاقوامی تنظیموں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس نے کھلے طور پر یہ اعلان کیا کہ یہ جماعت اسلام سے خارج ہے۔ اس نے مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کا رَدّ کریں اور اس کے پیروکاروں سے معاملہ نہ کریں۔

''رابطہ'' کی ذیلی مجلس ''مجمع فقہی اسلامی'' نے ایک قرارداد صادر کی جس میں اس گروہ کی حقیقت اور اس کی طرف منسوب لوگوں اور ان جیسا اعتقاد رکھنے والوں کی تکفیر کی، اور مملکت سعودی عرب میں علمی بحوث اور افتاء کی دائمی کمیٹی اور ہیئت کبار العلماء اور اسلامی کانفرنس کی ذیلی مجلس ''مجمع فقہی اسلامی'' اور ازہر کی ''مجمع بحوث علمیہ'' نے بھی اس طرح کی قراردادیں صادر کیں۔

جب قادیانیوں کا پاکستان کے بڑے بڑے مناصب پر رُسوخ ہو چکا، یہ ایک نئی مملکت تھی، وہاں کی اسلامی تنظیموں اور شخصیات کو اس اَمر کا خوب اِدراک ہوگیا تو پاکستانی پارلیمنٹ نے ۱۹۷۴ء میں ایک قرارداد صادر کی، جس کے ذریعے قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

اس گروہ کے جھوٹے عقائد کے واضح بطلان اور اس کے باطل اور غلط عقائد کے دفاع

میں دیئے گئے ان کے دلائل کا قلع قمع ہوجانے کے باوجود قادیانیت اپنے ان عقائد کی نشر واشاعت میں مصروفِ عمل ہے۔اس کے پیروکار ہیں،عبادت گاہیں ہیں، تنظیمیں ہیں، قیادتیں ہیں، ذرائع ابلاغِ عامہ ہیں،جن کے ذریعے قادیانی اپنی گمراہی کو پھیلا رہے ہیں۔

یہ صورتِ حال اس امر کی مقتضی ہے کہ قادیانیت کے رَدّ کا سلسلہ جاری رہے اور کم علم اور ضعیف الاعتقاد لوگوں میں تشویش پیدا کرنے والی قادیانیت کے شبہات کا اِبطال کیا جائے۔

یہ مجموعۂ مقالات جس کا ہم ان الفاظ میں مقدمہ تحریر کررہے ہیں، یہ اس فرقے کے رَدّ میں بالواسطہ علمی اُسلوب سے مکالمہ ہے۔ان مقالات میں ہر مقالہ ایک دوسرے سے منفصل، مستقل عنوان رکھتا ہے،جن میں سے بعض ۹ صفحات پر جبکہ بعض ۲۸ صفحات یا اس سے زائد پر مشتمل ہیں۔

ان مقالات کے مؤلف نے انہیں ایک کتاب کی شکل میں یکجا کردیا ہے، پھر اس کا بہت خوبصورت نام رکھا جو اس کے اور اس کی اس تالیف کے وطن کی طرف اشارہ کررہا ہے۔اور وہ عنوان ہے:''المقالات المکیۃ فی دراسۃ القادیانیۃ''۔

ان مقالات کے مؤلف ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ عرصہ ۴۳ سال سے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں مدرّس ہیں۔وہ اُردو زبان کو اچھی طرح سے جانتے ہیں،قادیانیوں کی اکثر کتب اور رسائل اسی زبان میں ہیں۔اس مجموعے کی امتیازی شان یہ ہے کہ مؤلف نے اس میں مرزا غلام احمد قادیانی، اس کے رُفقاء اور اس کے پیروکاروں کے مقالات سے ان کی اصلی نصوص کو نقل کیا ہے جنہیں ان کی تعریب کے بعد ذکر بھی کیا گیا ہے، تاکہ موضوع کی توثیق بھی ہوسکے،اور جسے اصل عبارت کو دیکھنا ہو،اس کی بھی مدد ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کے اجر وثواب میں اضافہ فرمائیں کہ انہوں نے ان مقالات کی

نقاہت کے بعد مزید یہ کیا کہ اس علمی مواد کو ریکارڈ کر کے ''یوٹیوب'' پر بھی پیش کر دیا کہ:

اوّلاً:- یہ مضامین قادیانیت تک پہنچیں، اگر ان میں ہمت ہو تو وہ ان کا رَدّ پیش کریں، ورنہ حق کی اتباع کرتے ہوئے پھر سے اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔

ثانیاً:- یہ علمی مواد ان حضرات تک زیادہ سے زیادہ حد تک پہنچ سکے جو اِسلام کے دفاع، اور باطل اور منحرف فرقوں کے خلاف شبہات کے رَدّ کے میدان میں اہتمام سے مصروفِ عمل ہیں۔

حق تعالیٰ ان مقالات میں برکت نصیب فرمائے، اس کے مؤلف کو ان کی اس علمی کاوِش پر، جو انہوں نے اسلام کے دفاع اور حق مبین کی نصرت میں اور منحرفین کی ہدایت کی سعی میں صَرف کی، اس پر اَجرِ جزیل عطا فرمائے۔

والحمد للّٰہ رب العالمین

✡✡✡

عزت مآب ڈاکٹر

شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس

رئیس عام برائے اُمور مسجدِ حرام و مسجدِ نبوی، اِمام وخطیبِ مسجدِ حرام

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل اَز قیامت بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ انہوں نے ہمیں ایسی واضح اور روشن شریعت عطا فرمائی جس کی رات، دن کی مانند ہے۔ اس سے کوئی ہٹنے والا نہیں سوائے اس کے جو ہلاک ہونے والا ہے۔ انہوں نے ہمیں کتاب وسنت سے حجت و برہان کے ساتھ مدلل بیان شافی عطا فرمایا۔ کوئی ایسی خیر نہیں جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما کر اُمت کی رہنمائی نہ فرمائی ہو، اور کوئی ایسا شر نہیں جس سے انہوں نے اُمت کو خبردار نہ کیا ہو۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء اور تمام رسولوں کے خاتم ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝۴۰'' (الاحزاب)

''حضرت محمد ... صلی اللہ علیہ وسلم ... تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ رسول اللہ اور خاتم النّبیین ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معجزات، دلائل، روشن براہین اور پختہ ادلہ کے

ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جو ائمۂ ہدایت اور روشن ستارے ہیں، وہ آپ ہی کے منہج پر گامزن رہے، انہوں نے صاف ستھرا دِین اخذ کیا، اور اپنے سے بعد والوں کو پہنچایا۔ جسے ان کے بعد والوں نے نسل درنسل نقل فرمایا، حتیٰ کہ اسی طرح صاف ستھرا دِین ہم تک پہنچایا جیسا کہ وہ اُترا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

''اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹'' (الحجر)

''یقیناً ہم نے ہی ذکر کو اُتارا، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

نیز ارشاد فرمایا:

''هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ۝۳۳'' (التوبہ)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دِینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ تمام ادیان پر اسے غالب کردے، چاہے مشرکوں کو ناپسند لگے۔''

ہر زمانہ اور ہر شہر میں علمائے کرام لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ملنے والی شریعت کو بیان کرتے رہے، وہ اہلِ مخالفت اور دِین میں بدعات پیدا کرنے والوں کا مقابلہ کرتے رہے، وہ شریعت کے حوضوں کا دِفاع کرتے رہے اور اہلِ غلو کی تحریف، اہلِ باطل کی بے دِینی اور جاہلوں کی تاویلوں سے اس کی حفاظت کرتے رہے۔

تیرہویں صدی کے نصف اور انیسویں میلادی کے آخر میں قادیانیت کے نام سے ایک ایسی ہی گمراہ نظریات پر مشتمل جماعت کا ظہور ہوا، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کی

منکر ہے۔

علمائے کرام، دینی تنظیموں اور فقہی اداروں نے اس کے رَدّ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انہوں نے اس فرقے کی قرآنِ کریم اور سنتِ مطہرہ کی کھلم کھلا مخالفت کو بیان کیا، اس موضوع پر کتب تالیف کیں اور اس فرقے کے رُدود اور اس کی کج روی کے بیان اور اِجماعِ اُمت سے خروج میں بیانات صادر کیئے۔

اس فرقے پر رَدّ کا اہتمام کرنے والوں میں سے برادرم شیخ ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ بھی ہیں، جن کی تحریرات پر علماء کی ایک جماعت کی تقاریظ ہیں، جن میں سے معالی الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل، معالی الشیخ صالح بن الحصین، معالی الاستاذ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی حفظہم اللہ بھی ہیں۔

چونکہ ڈاکٹر موصوف اُردو زبان کو جانتے ہیں اور اسی میں قادیانیت کی اکثر تصانیف ہیں، لہٰذا انہوں نے اپنے مقالات اور رُدود کو نہایت عمدہ طریقہ سے ''المقالات المكية في دراسة القاديانية'' کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جن میں انہوں نے قادیانیت کے خود اپنے اقوال کو ذِکر کیا، ان کا عربی ترجمہ کیا، ان کی اصل قادیانی مصادر سے توثیق کی، پھر ان پر علمی انداز سے ان کے رُدود پیش کیئے۔ ان رُدود کا اس فرقے کی گمراہی کے بیان میں اپنی قوتِ تأثیر ہے۔ انہوں نے یہی مقالات انٹرنیٹ پر بھی پیش کردیئے۔ نیز یہ مبارک مقالات طبع ہو کر دُنیا کے کئی ملکوں میں پھیل چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دیں، ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائیں اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے غلط راہ کی طرف جانے والوں کو راہِ راست پر لے آئیں، مسلم اُمت کو قرآن و سنت پر جمع

فرمائیں، انہیں علمِ نافع اور عملِ صالح کی توفیق مرحمت فرما دیں، یقیناً وہ صاحبِ جود وکرم ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس
رئیس عام برائے اُمور مسجدِ حرام ومسجدِ نبوی
اِمام وخطیب مسجدِ حرام

✡✡✡

تقریظ

ڈاکٹر یوسف بن عبداللہ الوابل

استسٹنٹ سیکرٹری برائے خدمات، جنرل پریزیڈنسی اُمور مسجدِ حرام ومسجدِ نبوی

صاحبِ سعادت برادرم ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے آپ کی کتاب بعنوان ''المقالات المکیّة فی دراسة القادیانیّةٔ'' (مقالات مکیہ در مطالعۂ قادیانیت) کا مطالعہ کیا ہے۔ جو ''دِین بھلائی ہے'' سلسلے کی ایک کڑی ہے۔جس میں اس حق کا بیان ہے جس کی اتباع واجب ہے، اوران بدعت وضلالات کا ذِکر ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔جنہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار، باوجود اپنی گمراہی اور حق سے خروج کے،نشر کررہے ہیں۔

قادیانیت ایک گمراہ فرقہ ہے، جس کی گمراہی اور حق سے خروج سبھی پر عیاں ہے،مگر قابلِ افسوس امر ہے کہ اس کے پیروکار اپنے شبہات اور گمراہیوں کو لوگوں میں پھیلا رہے ہیں۔

برادرم فاضل ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ نے اس فرقے کے رَدّ اور اس کے شبہات وگمراہی کو آشکارا کرنے کا حق ادا کردیا ہے۔ڈاکٹر صاحب کی اس میدان میں جدوجہد کے نمونے انٹرنیٹ اور دعوتِ اسلامی کے دیگر مختلف مواقع پر، جن میں یورپ اور برصغیر پاک وہند اور دیگر دُنیا کے اسلامی مراکز بھی ہیں، میں ان کے مقالات اور لیکچرز کی صورت میں موجود ہیں۔ چونکہ

قادیانیت ان جدید ذرائع ابلاغِ عامہ، ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ کو اِستعمال کررہی ہے۔تو یہ امر انتہائی ضروری تھا کہ اس پر انہی مواقع پر رَدّ ہو، اس کے شبہات کا قلع وقمع ہو، جس کا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ نے اہتمام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر اور ان کی جدوجہد میں برکت عطافرمائیں۔میں فاضل ڈاکٹر صاحب کے لئے دُعا گو ہوں اوران کی اس جدوجہد میں شریکِ عمل ہوں۔

حق تعالیٰ شانہٗ ان کے اعمال اوراقوال میں برکت عطا فرمائیں۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رَبّ العالمین کے لئے ہیں اور درود وسلام اور برکات ہوں ان کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خاتم النّبیین اور اِمام المرسلین ہیں، اورآپ کی آل واولاد، اصحاب اورآپ کے متبعین پر۔

ڈاکٹر یوسف بن عبداللہ الوابل
اسسٹنٹ سیکرٹری برائے خدمات
جنرل پریزیڈنسی اُمورمسجدِحرام ومسجدِ نبوی

☆☆☆

تقریظ

جناب اُستاذ عدنان محمد امین کاتب

فاضل مربی اور ماہر معلّم، صدر مجلس ادارت معلّمین کارپوریشن برائے حجاج جنوب ایشیا، سابق پرنسپل ٹیچرز ٹریننگ کالج، مکہ مکرمہ

برادرم ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ سے میرا طویل مدّت سے تعارف ہے۔ اُردو زبان میں حجاجِ کرام کی دِینی رہنمائی کے لئے ہمارے حج کارپوریشن کی طرف سے شائع ہونے والے علمی مواد کی تیاری اور اُردو ترجمے میں وہ ہمارے ساتھ ایک عرصے سے تعاون کررہے ہیں۔ ''اُردو'' زبان ہمارے ان حجاجِ کرام کی اکثریت کی زبان ہے جن کی ہرسال خدمت ہمارے لئے باعثِ شرف ہوتی ہے۔ ان کتب میں حجاجِ کرام اور محترم حجن بہنوں کے لئے ان سے متعلقہ ضروری مسائل اور اَحکام کا بیان ہوتا ہے، جن سے غرض ان کی آگہی، رہنمائی اور انہیں اہم معلومات فراہم کرنا ہوتی ہے کہ وہ آسانی اور سہولت سے دُرست طریقے پر مناسکِ حج ادا کرسکیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی علمی گہرائی، معلوماتی وسعت، ان کے عمدہ اخلاق اور قابلِ قدر صفات پھر اُردو زبان میں مہارت، بنگالی سے تعارف کی وجہ سے ہی حج کارپوریشن سے شائع ہونے والے سیزنل مجلّہ ''اضواء'' کے چار صفحات (دو اُردو زبان، اور دو بنگالی زبان میں) ۱۴۱۹ھ سے ان کی زیرِنگرانی چھپ رہے ہیں۔

موصوف مذکورہ میدان میں وسیع تجربہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلام اور اُمتِ مسلمہ کو پیش آمدہ مسائل میں بحث وتحقیق اور تالیف کے میدان میں بھی قابلِ قدر مہارت کے حامل ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ بلد الأمین مکہ مکرمہ اور اَرضِ مقدس میں مقیم ہماری نسلِ نو کے لئے بھی ان کی مبارک سعی اور قابلِ قدر جدوجہد ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ کی قدیم دِینی درسگاہ مدرسہ صولتیہ کے شعبۂ تعلیم وتربیت سے طویل عرصے سے وابستہ ہیں۔

موصوف کی یہ تالیف جو ہمارے سامنے ہے اور ''المقالات المكيّة في دراسة القاديانيّة '' کے نام سے موسوم ہے، ان کے بیس عربی مقالات پر، اور '' مقالات مکیہ درمطالعۂ قادیانیت'' ان کے بیس اُردو مقالات پر مشتمل ہے۔ دِینِ قویم کے تحفظ اور اس کے دفاع میں یہ تالیف ان کی سابقہ عظیم الشان کوششوں میں قابلِ قدر اضافہ ہے۔

اس کتاب میں موصوف نے قادیانی عقائد کا رَدّ اور ذاتِ باری تعالیٰ، حضرت خاتم النّبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اور مرسلین کے بارے میں ان کے مغالطات کو اچھی طرح بے نقاب کیا ہے۔

اس کتاب میں موصوف کا اُسلوبِ بیان نہایت ہی انوکھا ہے۔ انہوں نے اس گروہ کے مغالطات کی ٹھوس علمی انداز میں تحقیق کی ہے، جس کا اندازِ بیان پُرسکون، اور زبان قائل کردینے والی ہے۔ انہوں نے اس اہم پیغام کو قادیانیوں اور دیگر انسانیت تک پہنچانے کے لئے جدید ذرائع ابلاغ، انٹرنیٹ اور یوٹیوب وغیرہ کو بھی استعمال کیا ہے، تاکہ وہ مغالطات خوب واضح ہوسکیں اور چونکہ ہمارے بچے اور بچیوں کے استعمال میں ٹیکنالوجی بکثرت رہتی ہے، وہ قادیانیت

کے خطرات سے محفوظ رہیں۔

اللہ تعالیٰ برادرم ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ کو جزائے خیر دیں اور ان کی اس قابلِ قدر خدمت پر ان کے اجر وثواب میں اضافہ فرمائیں، وہ اس میں برکت دیں اور اس کو نافع بنائیں، یقیناً وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے!

عدنان محمد امین کاتب
صدر مجلس ادارت معلّمین کارپوریشن برائے حجاج جنوب ایشیا، سابق پرنسپل
ٹیچرز ٹریننگ کالج، مکہ مکرمہ

تقریظ

مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دارالعلوم کراچی، ومفتیٔ اعظم پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

و بعد!

قادیانیت کا فتنہ ہندوستان کے شہر قادیان سے نمودار ہوا۔ یہ جھوٹے مدعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد قادیانی کا پیروکار ہے، جس نے پہلے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ''مجدّد'' ہے، پھر خود کو ''مہدی'' کہنے لگا، اور پھر یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ وہی ''مسیحِ موعود'' ہے، جس کی خبر قرآنِ کریم اور اَحادیثِ نبویہ میں دی گئی ہے کہ وہ قربِ قیامت میں نازل ہوں گے۔ پھر اس کی خباثت نے یہ مضحکہ خیز دعویٰ بھی کر دیا کہ وہ ''ظلّی رسول'' ہے اور محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ظہورِ اَکمل ہے (نعوذ باللّٰہ من مثل هذه الهذيانات)۔

اسلام کے خلاف اس ناپاک فتنے کو خاص طور سے اس غیرملکی استعمار نے ہوا دی جو اس وقت ہندوستان پر مسلط تھا۔ اور اس کے بعد تو آج تک تقریباً تمام دُشمنانِ اسلام طاقتیں جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور ڈالتے رہنے کی مذموم پالیسی پر گامزن ہیں، وہ اس سازشی فرقے کی طرح طرح سے سرپرستی اور اِمداد کر رہی ہیں۔ اور یہ ناپاک فتنہ بھی ان طاقتوں کی ہر

ممکن اِمداد کرتا چلا آرہا ہے۔

ہندوپاکستان کے علمائے کرام نے اس سازشی فرقے کی سرکوبی کے لئے اور اس کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کا مؤثر اِزالہ کرنے کے لئے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، اور علمی میدان میں کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں کذّاب مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل وفریب کا پردہ چاک نہ کردیا ہو۔ چنانچہ اُمتِ مسلمہ اسی کذّاب مدعیٔ نبوّت اور اس کے ماننے والوں کو متفقہ طور پر کافر قرار دے چکی ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ نے بھی انہیں غیرمسلم قرار دیا ہے، اور پاکستان کے دستور میں اس کی صراحت کردی گئی ہے۔ دیگر عالمی اسلامی فقہی اداروں مثلاً ''رابطة العالم الإسلامی'' کی ''المجمع الفقهی'' نے اور ''آئی سی'' کی ''مجمع الفقه الإسلامی'' نے۔ اور مصر کی ''مجمع البحوث الإسلامية'' نے بھی اس سازشی فرقے کی متفقہ طور پر تکفیر کی ہے۔

لیکن اس گمراہ فرقے نے اپنی ناپاک تحریک کو نہ صرف جاری رکھا ہوا ہے، بلکہ اسے تقریباً تمام ممالک میں مختلف زبانوں کے ذریعے پھیلا دیا ہے۔ اور عربی ممالک میں اپنا جال عربی زبان کے ذریعے بہت ہی دجل وفریب کے ساتھ پھیلا دیا ہے۔ جس سے قوی اندیشہ ہے کہ ہمارے بعض سادہ لوح عرب بھائی اس زہریلے دجل وفریب کا شکار ہوجائیں۔

لہٰذا اب سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فرقے کے دجل وفریب کا ناپاک پردہ عربی زبان میں بھی ریزہ ریزہ کردیا جائے۔

ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ صاحب، اُستاذ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ اس عظیم مہم کے لئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کمربستہ ہوگئے ہیں، اور انہوں نے

عربی زبان میں قیمتی علمی مقالات کا مجموعہ ’’المقالات المکیّۃ فی دراسۃ القادیانیّۃ‘‘ کے نام سے تالیف فرما کر قابلِ تحسین کاوِش فرمائی ہے۔

ان مقالات میں اسلامی عقائد، کے مقابلے میں قادیانی عقائد اور جھوٹے مدعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد قادیانی کی ہفوات وخرافات کو تفصیل سے واضح فرمایا ہے۔

بندے کی تہہ دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مقالات سے ہمارے عرب بھائیوں اور بہنوں کو خوب خوب فائدہ عطا فرمائے، اور مؤلف کے لئے ان مقالات کو صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنادے۔

واللّٰہ المستعان وھو ولي التوفیق

کتبہ
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
نزیل مکۃ المکرمۃ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

☆☆☆

تقریظ

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری
نائب رئیس جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

الحمد لله الهادی لمن استهداه، الکافی لمن تولاه۔ أحمده سبحانه یبلغنا رضاه۔ اللّٰهم صل وسلّم علی عبدک ورسولک محمد وعلی آله وصحبه ومن اقتفی أثره واتبع هداه۔

أما بعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کے لئے جس رسول کا انتخاب فرمایا، اسے رحمۃ للعالمین... صلی اللہ علیہ وسلم... کے لقب سے نوازا۔ اس کی رحمت کا ظہور بہت سی شکلوں میں ہوا، رحمۃ للعالمین کی اُمت کو عذابِ عام سے مستثنیٰ قرار دیا، جیسا کہ گزشتہ قوموں پر مختلف عذاب نازل کرکے انہیں ہلاک کیا گیا تھا، مگر اس اُمت میں فتن سے مؤمنین ومخلصین کا امتحان ہوتا رہا۔

نبی علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے ایسے آرہے ہیں جیسے کہ قطرے برستے ہیں۔'' حدیث کا متن ملاحظہ ہو:

"عن اسامة بن زيد رضى الله عنه قال: اشرف النبى على أطم من آطام المدينة فقال: هل ترون ما أرى؟ قالوا: لا۔ قال: فإنى لأرى الفتن تقع خلال بيوتكم كوقع القطر" (بخاری ۲۰۶۰)

اسلامی تاریخ میں اُمتِ مسلمہ پر مختلف فتنے حادثات بن کر نازل ہوئے اور اُمت کی وحدت کو فرقت اور انتشار میں بدلنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ یہ ایک طویل موضوع ہے، جس پر تاریخ کی کتابوں میں مطالعے کے لئے بہت مواد موجود ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے ہم اس فتنے کا ذِکر کررہے ہیں جسے ''قادیانیت'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس کے مختصر پس منظر میں اگر جایا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ برصغیر کے مسلمان ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد معاشی، سیاسی اور ثقافتی بحران سے دوچار تھے، اس وقت کا برطانوی استعمار ہندوستان کے پس منظر کے وسیع مطالعے کے بعد اس نتیجے پر آ پہنچا کہ مذہبی لبادے میں جعلی مذہبی رہنما تیار کئے جائیں اور ان کے ذریعے برطانیہ کے مفادات کا تحفظ حاصل کیا جائے۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے انہوں نے اس وقت کے ایک گمنام شخص ''مرزا غلام احمد قادیانی'' کو دریافت کرلیا، جو مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں ''قادیان'' کا رہائشی تھا۔اس نے خود کو مسلمانوں کا نجات دہندہ کے طور پر پیش کرکے انہیں کرب اور مایوسی سے نکالنے کا وعدہ کیا، جس کا اس وقت کے مسلمان سامنا کررہے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی تمام جدوجہد کا محوَر عقیدۂ جہاد کے خلاف پروپیگنڈہ اور درپردہ ایسی ذہنیت کو پروان چڑھانا تھا کہ تمام مسلمان برطانوی استعمار کو اللہ کی رحمت سمجھ کر اس کے وفادار بن جائیں۔

اگر بنظرِ غائر مرزا غلام احمد قادیانی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ واضح نظر آتا ہے کہ ابتدا میں وہ عام مسلمانوں کی طرح عقیدہ رکھتا تھا اور مُسلَّمہ عقائد میں کسی تحریف کا قائل نہ تھا، اس

وقت وہ خود کو صرف ایک مبلغ کا درجہ دیتا تھا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اس نے دعوے کرنا شروع کر دیے اور مرحلہ وار دعوے کئے۔ پہلے مجدد بنے، پھر مہدی بنے اور اس کے بعد مسیحِ موعود بنے۔ مسیحِ موعود بننے کے بعد یہ خیال آیا کہ یہ تو شریعت کی رُو سے فقط حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاصہ ہے، چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر انہوں نے ختمِ نبوّت کے معانی میں تحریف کو ضروری سمجھا، اور نبوّت میں تقسیمات شروع کیں۔ عام لوگوں کو نئی مصطلحات: تشریعی، غیر تشریعی، ظلی، بروزی، لغوی اور مجازی اقسام کی نبوّتوں میں اُلجھایا، پھر اس کے بعد کے دور میں بغیر کسی تحریف وتاویل کے خود کو صاحبِ شریعت بتانے لگے۔

''ختمِ نبوّت'' کا عقیدہ ان بنیادی اجماعی عقائد میں سے ہے جو اُصول وضروریاتِ دِین کا حصہ ہے، جس کی رُو سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بلاکسی تاویل وتخصیص خاتم النّبیین ہیں۔ قرآن کی بیشتر صریح آیات، احادیثِ متواترہ اور اِجماعِ اُمت اس پر شاہد ہیں۔ اُمت کے اندر سب سے پہلا اجماع اسی عقیدے پر ہوا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کی وفات کے بعد منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے مدعیٔ نبوّت مسیلمہ کذّاب کی سرکوبی کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کرام کا لشکر روانہ فرمایا۔

اس قادیانی فتنے کے ظہور کے بعد علمائے اسلام اس کے خلاف کمر بستہ ہوگئے۔ سب سے پہلے علمائے لدھیانہ نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا، پھر پورے ہندوستان میں علماء اس فتنے کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ ان میں معروف نام یہ تھے: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا سعد اللہ، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، رحمہم اللہ۔

قیامِ پاکستان کے بعد قادیانیوں کے خلاف جب پہلی تحریک ۱۹۵۳ء میں شروع ہوئی تو

حضرت والد ماجد محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت ٹنڈو الہ یار میں شیخ التفسیر تھے، آپ نے اس وقت بھی تحریک ختمِ نبوّت میں عملی حصہ لیا اور اس موضوع پر خاموشی کو مداہنت سمجھتے ہوئے کلمۂ حق کہنے میں کوئی کوتاہی نہ فرمائی۔ اس کے کئی سال بعد ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کے خلاف دوبارہ تحریک شروع ہوئی تو اس وقت حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے جانشین کو اللہ تعالیٰ نے تحریک کی قیادت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے قادیانیوں کو اسمبلی کی منظوری سے آئینی طور پر خارج از اسلام قرار دِلوایا۔ والد ماجد کے علمِ جہاد کے نیچے تمام دِینی وسیاسی جماعتوں نے جمع ہوکر اس تحریک میں حصہ لیا۔ ضعف، پیرانہ سالی اور گھٹنوں کے درد کے باوجود روزانہ کئی کئی جلسے اور میلوں کا سفر فرماتے۔ آپ کے اِخلاص، اِستقامت، للّٰہیت، فراست، اور حسنِ تدبیر کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کے ختم کرنے کا سامان مہیا فرمادیا۔

پاکستان میں آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیئے جانے کے باوجود یہ فرقہ پوری دُنیا میں اپنے کفریہ عقائد کو پھیلا رہا ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ پہلے سے بڑھ کر لوگوں میں یہ گمراہی پھیلائی جارہی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس لئے اس فتنے سے صَرفِ نظر کسی طور بھی مناسب نہیں۔

زیرِ مطالعہ کتاب میں ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ حفظہ اللہ نے بہت خوبصورت، علمی اور تحقیقی انداز میں قادیانیت اور اُمتِ مسلمہ کے درمیان اہم علمی مواضیع پر ضخیم کتاب تحریر فرمائی ہے، ۲۸ مختلف موضوعات پر مشتمل مقالات ہیں، اور ہر ایک مقالے کی اپنی افادیت ہے۔ مفید موضوعات پر محققانہ انداز میں محنت واضح اور عیاں ہے۔ ڈاکٹر صاحب مکہ مکرمہ کی قدیم دِینی درسگاہ مدرسہ صولتیہ سے ایک طویل عرصہ سے وابستہ ہیں اور اپنی علمی، صحافتی اور مسلکی کاوشوں میں ایک نمایاں نام ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کاوِش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کے ذریعے لوگوں میں ہدایت کو عام فرمادے، آمین،

وَمَاذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ!

سیّد سلیمان یوسف بنوری
نائب رئیس جامعہ العلوم الاسلامیہ
بنوری ٹاؤن کراچی

✡✡✡

مقدمہ

ازمرتب
ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ
مدرّس مدرسہ صولتیہ (مکہ مکرمہ)

الحمد لله المقسط الجامع المفضال، والصلاة والسلام على سيدنا ونبينا محمد صلى الله عليه وسلم المصطفي المختار، وعلى آله وأصحابه البررة الخيرة الأطهار، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم القيامة، من أهل الإيمان الأبرار

أما بعد!

اُمتِ محمدیہ ...علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ... پر اللہ کے بے شمار احسانات میں سے عظیم احسان یہ ہے کہ اس نے ان کے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بنایا، انہیں اُمّیّین میں مبعوث فرما کر تمام عالمین کے لئے نذیر و بشیر بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت خاتم الشرائع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب آسمانی کتابوں میں خاتم الکتب ہے، پھر اس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے خیر الامم بنایا، اسے اُمتِ وسط بنایا۔ اس اُمت کی شریعت اور اس کے دِین کو فطری اعتدال پر رکھا کہ ''اس کے اُصول میں وحدت اور فروع میں تعددیت'' رکھ کر اسے وسعت کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ ہم سب پر اللہ تعالیٰ کے ان انعامات پر شکر واجب ہے۔

الحمدللہ! کہ یہ اُمتِ مسلمہ عہدِ اوّل سے لے کر آج تک اپنے اُصول، مُسلّمات اور ثوابتِ دِین میں متحد، اور فروع میں اللہ کی رحمت سے وسعت میں رہی، یہی اس کی وسطیت واعتدال کی ضمانت ہے اور خصوصی شان بھی۔ اُمت کے اس خصوصی امتیاز کی وجہ سے اور اس کے اسی شعار کے ساتھ اُمت کی گاڑی چلتی رہی۔ اُمت کے اوّلین حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت، پھر ان کے تابعین حضرات، پھر تبع تابعین، سبھی اس وسطیت، اس اِعتدال اور اُصول وفروع

کے اس امتیاز کو بخوبی طور پر سمجھتے رہے اور ان کے آداب کی پاسداری کرتے رہے۔ لہٰذا اس وجہ سے اُمت میں، اُصول میں نہ اختلاف رہا، نہ فروع میں تعددیت کی بنا پر ایک دُوسرے کی تضلیل اور تبدیع کے عامل نے جنم لیا۔ فروعِ دِین کی ضخیم کتابیں وجوہِ ترجیح پر تو مشتمل رہیں، مگر تبدیع و تضلیل سے بالکل خالی۔ وہ اس ضابطے پر عمل کرتے رہے کہ: ''اِجماعِ اُمت حجتِ قاطعہ ہے، اور فروع میں اختلاف رحمتِ واسعہ ہے!''

اس مسلک کو شارع الحکیم کی حکمت کہیں، اُمتِ مسلمہ کی وحدت کی یہی روح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کے لئے اس ضابطے کو خود اپنے عمل سے بھی سلجھایا، اور ایک ہی امر میں ایک سے زائد آرا کی نہ صرف تغلیط فرمائی، بلکہ تصحیح و تصویب فرما کر اپنی اُمت کی اسی منہج پر قائم رہنے کی تربیت بھی فرمادی۔ تاکہ اختلافِ رائے اُمت میں فرقہ بندی، باہمی عداوت، حقد وحسد اور حزبیت کا باعث نہ بنے۔ اور اُمتِ مسلمہ: ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ''
(آل عمران:۱۰۳)، اور اسی طرح: ''وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا'' (الانفال:۴۶) پر عمل پیرا رہی۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فروع میں اختلافِ آرا کے باوجود، ایک دوسرے کی تعظیم بجالاتے اور ایک دُوسرے کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے، اور ایک دوسرے کی معاونت اور مناصرت میں اُمت کے لئے ضرب المثل سیرت کے حاملین رہے۔

ان کے اختلاف کی مثالیں صحیحین میں بھی آپ دیکھیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا کہ: تم لوگ عصر کی نماز بنی قریظہ میں جاکر ادا کرو۔ تو بعض صحابہ نے عصر کی نماز راستے میں ہی ادا کرلی۔ اور بعض نے کہا کہ ہم تو نمازِ عصر بنی قریظہ میں ہی جاکر ادا کریں گے۔ دونوں فریق نے اپنی اپنی رائے پر عمل کیا، ایک نے عبارت النص کو لازم پکڑا اور دوسرے نے اقتضاء النص کو۔ دونوں کے عمل میں اختلاف کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کسی کی تغلیط نہ فرمائی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مشاعرِ مقدسہ میں نماز کا اِتمام فرمایا اور کہیں قصر نہ کی۔ جس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اعتراض فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، پھر حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ، پھر حضرت عمر کے ساتھ حج میں دو رکعت ادا کی، اب آپ چار رکعت ادا فرما رہے ہیں؟ اس اعتراض کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعود نے نماز کی چار رکعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے پیچھے ادا کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ: دو رکعت ہی مجھے محبوب تھی، مگر اختلاف بُری بات ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام میں سے بعض عورت کے چھونے کو ناقضِ وضو سمجھتے اور بعض نہ سمجھتے۔ اسی طرح خون کا نکلنا اسے بھی بعض ناقضِ وضو کہتے اور بعض نہیں۔ بعض سفر میں نماز کا اِتمام کرتے اور بعض قصر کرتے۔ ان اختلافات کے باوجود ان میں نہ منازعت تھی نہ افتراق، نہ انتشار نہ عداوت، سبھی ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے، اس لئے کہ وہ اختلافِ رائے کو ایک جائز اَمر اور اُمت میں فرقت کو حرام سمجھتے تھے۔

مگر دِین کے علم و فہم میں کمی، اُصول و فروع کے فرق میں تمیز نہ کرنا، ان کے آداب کی رعایت نہ کرنا، راہِ اعتدال اور وسطیت سے دُوری کی وجہ سے بعض لوگ غلوّ اور شدّت کا شکار ہوگئے۔ اُمت میں ایسے کوتاہ ہمت بھی پیدا ہوگئے جو دِین کی وسطیت پر عمل کرنے ہی کو ''شدّت'' کہنے لگے۔ حالانکہ دِینداری تو عین اِعتدال اور وسطیت کا نام ہے، ''شدّت'' تو دراصل دِین کی حدود کو کراس کرنا ہے۔ اسی طرح دِین کی حدود کی پاسداری نہ کرنا، دِینی واجبات کا اہتمام نہ کرنا، ''فسق و فجور'' کہلاتا ہے، مگر بعض لوگ اسے ہی وسعت اور اِعتدال سمجھ بیٹھے۔ ان حالات میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوگئے جنہوں نے اپنی خبثِ باطن اور جہالت کی وجہ سے یا اعدائے اسلام کی

سازش سے متأثر ہوکر اُصولِ دِین ہی میں تاویل اور تعددیت کی راہ تلاش کرنا شروع کردی، جہاں اس کی گنجائش نہیں تھی۔ انہوں نے اجماعی مسائل اور دِین کے مُسلَّمات ہی کا انکار کردیا، اس طرح وہ دِین کے دھارے سے باہر نکل گئے، مگر دِین کے نام کو استعمال کرنا نہ چھوڑا۔ یوں انہوں نے حق کو باطل کے ساتھ خلط کردیا۔

ایسے گروہ اور جماعتوں میں سے ایک گروہ ''قادیانیت'' بھی ہے۔ جس نے نصوصِ شریعت کے ماننے کا اقرار بھی کیا، مگر ان کی ایسی تاویل بھی کی جس سے وہ اُصولِ دِین کا انکار کربیٹھے، اس طرح وہ اُمتِ مسلمہ سے خارج ہوگئے۔ ان کا اُمتِ مسلمہ سے اختلاف اُصولِ دِین میں ہوا، وہ ''سبیل المؤمنین'' سے نکل گئے، مگر انہوں نے اپنے اُصولی اختلاف کو مسلمانوں کے مابین فروعی اختلاف پر قیاس کرنے کی جسارت کی، تاکہ وہ سبیل المؤمنین میں سے نکلنے کے باوجود اپنے آپ کو مؤمنین کی صف میں ہی شمار کریں۔

ان کی اس تلبیس کو اہلِ علم نے بروقت سمجھ کر سدِّباب کے طور پر نہ صرف اُمتِ مسلمہ کو اس سے آگاہ کیا، بلکہ انسانیت پر بھی قادیانیت کی حقیقت کو آشکارا کرنے کی سعی اور جدوجہد کی۔ مسلمان اہلِ علم نے مغالطہ کھانے والے قادیانی عوام کو بھی اس خطرناک صورتِ حال سے حکمت اور حجت وبرہان کے ساتھ آگاہ کیا، کیونکہ مغالطے میں ڈالنا اگر ایک عظیم جرم ہے، تو مغالطے پر کسی کی آگہی یہ بھی اسلامی واجب اور اِنسانیت کی عظیم خدمت ہے۔

اسی جذبے کے پیشِ نظر ہم نے اس سلسلے ''دِین بھلائی ہے'' کو مزید ترقی دیتے ہوئے ''مقالاتِ ملکیہ درمطالعۂ قادیانیت'' کے نام سے ان مقالات کو جمع کیا ہے، تاکہ لوگوں پر سبیل المؤمنین، مسلکِ اِعتدال، اور اُصول وفروع کا فرق وامتیاز، اور اہلِ تحریف کی تحریف، اہلِ غلوّ کا

غلوّ، اور اہلِ مغالطہ کے مغالطات کو بیان کر کے ہم "الدین النصیحة" کے حق کو اَدا کر سکیں۔

یہ بات انتہائی طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اُصولِ دِین میں اختلاف باعث غضبِ اِلٰہی ہے، جبکہ فروع میں تعددیت وسعتِ دِین اور رحمت کی علامت ہے۔

فروع میں تعددیت کی مثالیں تو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اب اُصول میں اہلِ اِنحراف کی ایک مثال کا بھی ذِکر کر دیتے ہیں۔ پوری اُمتِ مسلمہ آیت قرآنی: "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" (الاحزاب:۴۰) میں لفظ "خاتم النّبیین" کو قطعی الثبوت اور قطعی المفہوم مانتی ہے، کیونکہ یہ لفظ تواتر سے ثابت ہے، اور اس کا مفہوم بھی خود صاحبِ وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے، اور کیونکہ خود صاحب وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا یہ مفہوم متعین فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

مگر مرزا غلام احمد اور اس کی جماعت نے لفظ "خاتم النّبیین" میں یہ تأویل کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل نبی ہیں، مگر آخری نبی نہیں اور آپ کے بعد نبوّت کا سلسلہ جاری ہے۔ نبیٔ خاتم کی ختمِ نبوّت کے انکار کے باوجود یہ لوگ انسانیت اور اُمتِ مسلمہ کے مابین اپنے آپ کو اُمتِ مسلمہ کا ہی ایک گروہ شمار کروانے پر مصر ہیں۔ حالانکہ مذکورہ قرآنی آیت میں بیان کردہ عقیدے میں تاویل نے انہیں دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا، کیونکہ وہ تفسیر قرآن وسنت کی نصوص، صاحبِ وحی کے بیان اور اُمتِ مسلمہ کے اِجماع سے ثابت ہے۔

قادیانیت کی اِجماعِ اُمت سے خروج، مُسلّماتِ دِین میں تاویل اور تحریفات، پھر انہیں مرزا صاحب کی تجدیدات کا نام دینا، یہی قادیانیت کا وطیرہ ہے۔ جس کی بنا پر

مسلمانوں نے انہیں اُمتِ محمدیہ سے خارج اور اُمتِ مرزا غلام احمد میں شمار کیا۔ پھر مرزا غلام احمد قادیانی کے قرآن وسنت کے منافی دعوؤں اور اُمت کے متواتر عقائد میں تبدیلی، یہ اَمر بھی قادیانیت کے اُمتِ مسلمہ سے علیحدہ اُمت ہونے کی دلیل ہے۔

پھر یہ انسانی تاریخ کی کھلی حقیقت بھی ہے، اُمت کی تشکیل اس کے نبی کے نام کی نسبت سے ہی ہوتی ہے۔ مزید مرزا غلام احمد قادیانی نے خود بھی یہ اعلان کیا کہ جو شخص میری بیعت میں داخل نہیں وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ حالانکہ ختمِ نبوّت کے اجماعی عقیدے کا انکار اور اس میں تحریف خود مرزا غلام احمد اور اس کی اُمت کے اہم ترین موجباتِ کفر میں سے شمار ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد مسلمانوں کی عمومی تکفیر، ان کے متواتر طور پر ثابت شدہ عقائد کی تغلیط، نصوصِ کتاب وسنت میں تحریف، انبیاء کی توہین، ان پر افضلیت کا دعویٰ، خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ، اور وہ بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی صورت میں پہلی بعثت سے اعلیٰ، افضل اور اکمل، حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام، ان کے رفع، اور ان کے نزول کا انکار، ان تمام عقائدِ فاسدہ کی بنیاد پر ہی قادیانیت کی تاریخ کے آغاز سے علمائے اسلام نے اسے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔ جو علمائے کرام اس میں پیش پیش رہے، ان میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مفتی محمود ...رحمہم اللہ... شامل ہیں۔

مسلمانوں نے قادیانیت کا معاملہ جب پاکستانی پارلیمنٹ میں پیش کیا، اور مرزا ناصر، قادیانیوں کی طرف سے پیش ہوا، تو مسلمان ممبران کی قیادت مفتی محمود رحمہ اللہ نے کی، متفقہ قرارداد میں قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔

ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ بمطابق اپریل ۱۹۷۴ء ''مؤتمر رابطہ عالم اسلامی'' کا مکہ مکرمہ

میں اجلاس ہوا، اور تمام اَکنافِ عالم سے علماء جمع ہوئے، اور ''مؤتمر رابطہ عالم اسلامی'' نے ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا، اور یہ اعلان کیا کہ مسلمان ان کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ نہ کریں، اور ان کے مردے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کئے جائیں۔

اسی طرح ''مجمع الفقہ الاسلامی'' جو ''رابطہ عالم اسلامی'' کے تحت ایک علماء کی تنظیم ہے، اور مملکت سعودی عرب کی ہیئت کبار علماء، علمائے مصر وشام، مغرب و ہند کے کبار علماء نے ان کی تکفیر کر کے اُمتِ مسلمہ سے ان کے رشتے کے کٹنے پر مہر ثبت کردی۔

دُنیا کے موجودہ حالات کے تناظر میں جب دہشت گردی، فسادات اور مختلف ملکوں میں اِضطرابات کی کیفیات پیدا ہوئیں تو قادیانیت نے احداثِ عالم سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی، اس نے عالمی کفر کی مدد سے تین ٹی وی چینلز MTA قائم کئے۔

۱-اُردو چینل، جو اُردو اور دیگر ایشیائی زبانوں میں پروگرام نشر کرتا ہے۔

۲-مغربی زبانوں پر مشتمل چینل۔

۳-عربی زبان کا چینل۔

یہ تمام چینلز چوبیس گھنٹے نہ صرف قادیانیت کی فکر کو نشر کرنے میں مصروف ہیں، بلکہ اُمتِ مسلمہ اور اس کے علمائے کرام اور مُسلّماتِ دِین، مسلمانوں کے اجماعی عقائد کے خلاف رات و دن تشویش اور تشکیک پیدا کررہے ہیں۔

قادیانیت نے پوری اُمتِ مسلمہ کو کافر کہنے کے باوجود اپنا یہ شعار بلند کیا کہ ''محبت سب کے لئے، نفرت کسی سے نہیں۔'' اس طرح وہ مغربی دُنیا کو یہ باور کرانے میں مصروف ہیں کہ مسلمان تو دہشت گرد ہیں، مگر ہم محبت کے علمبردار ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اُمت نے پوری دُنیا میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا، مسلمان اُمت فروع میں

اختلاف کی وجہ سے کسی کی تکفیر وتضلیل نہیں کرتی اور نہ وہ انسانیت میں مسلمان اُمت کے مابین منافرت کی ترویج کے راہ پر عمل پیرا ہے۔

ان حالات میں قادیانیت اپنے ذرائع ابلاغ پر اپنے عقائد کی ترویج کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل اعلانات بھی کرتی رہی:

۱- مرزا غلام احمد قادیانی آسمانی مبعوث ہے اور وہی مسیحِ موعود ہے، اور موجودہ عالمی خلفشار کی وجہ صرف ان کی نبوّت کا انکار ہے۔

۲- نبوّت کا سلسلہ جاری ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں ہیں، بلکہ آپ افضل النّبیین ہیں۔

۳- حضرت مسیح علیہ السلام وفات پاچکے ہیں، کوئی مسیح آسمان سے نازل نہیں ہوگا، مسلمانوں کا عقیدۂ رفع ونزول باطل عقیدہ ہے۔

۴- قادیانیت نے جس طرح مسلمانوں کے معتقداتِ حقہ کے مقابلے میں معتقداتِ باطلہ پیش کئے، اسی طرح مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کے مقابلے میں قادیانی مقدسات پیش کئے۔

دنیا کے موجودہ حالات اور قادیانیت کے موقع پرست رویے کے پیشِ نظر، ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ ہم قادیانیت کی حقیقت کو ان مخاطبین پر واضح کریں، جن پر وہ اپنے جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی اصل حقیقت کو مخفی اور اپنے حقیقی چہرے کو مستور کررہے ہیں۔

اس غرض کے لئے ہم نے مندرجہ ذیل مقالات ترتیب دیئے ہیں، جن کے عنوان یہ ہیں:

مقال نمبر (۱): دِین۔

مقال نمبر (۲): نصوصِ شریعت کے ساتھ انسانوں کا تعامل۔

مقال نمبر (۳): ایک غیر شرعی غیر آسمانی نظریہ۔

مقال نمبر (۴): اظہار رائے کی آزادی، بحث و تحقیق کی آزادی۔ دو مسلم اور لازم ملزوم حق۔

مقال نمبر (۵): باری تعالیٰ شانہ اور مرزا قادیانی کا اسلوبِ تعامل۔

مقال نمبر (۶): حضرات انبیاء علیہم السلام اور مرزا قادیانی کا اسلوبِ تعامل۔

مقال نمبر (۷): سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس اور مرزا قادیانی کی تجدیدات وتحریفات۔

مقال نمبر (۸): خصائص حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تجدیدات مرزا غلام احمد۔

مقال نمبر (۹): وحی متلو اور غیر متلو اور مرزا غلام احمد قادیانی کا اسلوبِ تعامل۔

مقال نمبر (۱۰): حضرات صحابہ کرام اور اُمہات المؤمنین اور تجدیدات مرزا۔

مقال نمبر (۱۱): علمائے اسلام کا مقام اور مرزائی روش۔

مقال نمبر (۱۲): اسلامی مقاماتِ مقدسہ اور تجدیدات مرزا۔

مقال نمبر (۱۳): حضرت خاتم النّبیین کے بعد اجرائے نبوّت کے قادیانی دلائل کا علمی مناقشہ۔

مقال نمبر (۱۴): لفظ ''خاتم'' کا لغوی اور شرعی مفہوم۔

مقال نمبر (۱۵): عقیدۂ ختم نبوّت کی عظمت اور قرآنی اسالیبِ بیان۔

مقال نمبر (۱۶): قادیانیت کی آیتِ خاتم النبیین میں وارد لفظ ''خاتم'' کو افضل پر حمل کرنے سے غرض وغایت اور اس کا لغوی وشرعی حکم۔

مقال نمبر (۱۷): تفسیرِ آیت "خاتم النّبیین" بزبان صاحبِ وحی و مفسرین اہل اسلام۔

مقال نمبر (۱۸): "توفی" کا لغوی اور قرآنی مدلول۔

مقال نمبر (۱۹): آیتِ توفی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انعاماتِ ربانی کی تفسیر۔

مقال نمبر (۲۰): رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن وسنت اور اجماعِ امت کی روشنی میں۔

ان مقالات سے ہمارا ہدف خود قادیانیت کو دعوتِ فکر وتامل دینا ہے، نیز اس میدان میں کام کرنے والوں کو حجت وبرہان کے ساتھ کام کرنے کی تلقین کرنا ہے۔عمومی مسلم اُمت کو اُصول میں وحدت اور فروع میں اِعتدال ووسطیت کو تھامتے ہوئے تعددیت کو باعث نزاع، شقاق واختلاف نہ بنانے کی دعوت دینا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

وصلى الله على نبينا محمد خاتم الأنبياء والمرسلين وعلى آله

وصحبه والتابعين ومن سار على نهجهم بإحسان إلى يوم الدين

✡✡✡

مقال نمبر ① از سلسلۂ ”دِین بھلائی ہے“

دِین
اہلِ دِین سے جس طرح دِین کو پیش کرنے کا تقاضا
ان کا شرعی واجب ہے

تمہیدِ مقال

ایک علمی مشاورتی مجلس میں ہمارے ایک بین الاقوامی دعوتی، تجربہ کار اور صاحبِ علم وفضل، اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے لئے دردمند دل رکھنے والے مخلص نے، چار فکری اور تحریکی ضروری اُمور میں سے درجے کے اعتبار سے ترجیحی طور پر افضل واعلیٰ، اور شروع کرنے کے اعتبار سے اَوّلین عمل کہ جس سے آغاز کیا جائے، کے بارے تعیین کا سوال کیا کہ کس عمل سے ابتدا کی جائے؟

۱-دِینِ اسلام کو مثبت انداز میں پیش کرنے سے؟

۲-اصحابِ رسول کے خلاف بولنے والوں کے رَدّ سے؟

۳-حضرت خاتم النّبیین کے بعد نبوّت کو جاری سمجھنے والی قادیانی جماعت کے رَدّ سے؟

۴-حضرت خاتم النّبیین کے بعد نبوّت کو جاری سمجھنے والی بہائی جماعت کے رَدّ سے؟

نیز پانچواں امر جس کا مجھ سے سوال ہوا وہ یہ کہ ان کاموں میں سے آپ کون کون سا کام کر سکتے ہیں؟

اسی مجلس مشاورت میں جملہ احباب بندے کے ایک عربی مقالے، جس کا عنوان ''دین'' ہے، کی ویڈیو کیسٹ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ تو میں نے پوچھا کہ آج اگرچہ ہمارا موضوع

سخن ''انکارِ ختمِ نبوّت کا فتنہ ہے'' مگر میں نے آپ کی خدمت میں ''دِین'' کے عنوان پر ایک جامع پروگرام کو پیش کرنے کو کیوں ترجیح دی ہے؟ میں نے مزید یہ بھی کہا کہ میں تو ہمیشہ اپنے علمائے کرام کے تربیتی کورسز میں اس موضوع کے بیان کو اوّلین حیثیت دیتا ہوں، جس کی دو وجوہ ہیں:

اولاً:- خیرِ اُمت کا اوّلین عمل امر بالمعروف اور دُوسرا نہی عن المنکر ہے۔ قرآن نے بھی اسی ترتیب سے ان کو ذِکر کیا ہے، لہٰذا دِین کا مثبت انداز میں بیان کرنا اوّلین اَمر بالمعروف ہے۔

ثانیاً:- دُوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ اگر ہم دِین کے صحیح فہم کے بعد حکمت سے پُر اُسلوبِ بیان اور دِین کی جامعیت اور شمول کو سامنے رکھ کر اسے بطور افضل ترین دستورِ حیات کے انسانیت پر پیش کریں، تو نہ صرف یہ کہ حق خالص پھیلے گا، بلکہ دِین کے نام پر قائم ہر فتنے کا رَدّ بھی اِن شاء اللہ! خود بخود ہوتا چلا جائے گا، بلکہ اس پر مستزاد اللہ کے فضل سے ہمیں ہر فتنے کے اسباب وعوامل پر بھی مکمل بصیرت حاصل رہے گی، کیونکہ دِین کو مذکورہ انداز سے یعنی فہمِ سلیم، اُسلوبِ حکیم، جامعیت وشمول بطور افضل دستورِ حیات کے طور پیش کرنے سے انسانی افکار کی ایسی اصلاح ہوگی کہ حق ان میں راسخ ہوتا جائے گا۔ اور وہ کسی لادِینی تحریک اور سوچ کو قبول نہیں کریں گے۔ یہی سب سے بڑا امر بالمعروف ہے مگر جب کوئی فتنہ اپنا کام شروع کردے۔ تو نہی عن المنکر کی اعلیٰ ترین قسم فکری انحراف کا علاج ومعالجہ ہے۔ یاد رہے کہ انسانی فکرِ سلیم جس طرح ہر خیر کا مصدر ہے، اسی طرح اگر وہ بگڑ جائے تو وہ ہر شر کا مصدر بن جاتی ہے۔

دِین کا جامع تعارف فکرِ سلیم کی کافی وشافی غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے، اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں دین کے نام پر قائم فتنے یا تو اغیار کی سازش سے ہوتے رہے ہیں یا داخلی عناصر کے شر سے یا پھر دین کے بارے فہم وبیان میں نقص یا اس کی جامعیت کے بارے میں کج فہمی اس کا سبب بنتا رہا ہے۔ لہٰذا دِین کے بارے درست تصور سے حق کا احقاق، اہلِ تشکیک کے شکوک

وشبہات کا ازالہ، اہلِ فتنہ کے فتنوں کے اسباب عوامل کا علم اوران کے قلع وقمع کرنے کے بارے پوری بصیرت یقیناً حاصل ہوگی۔

اہلِ دعوت کے اس طرح کے اسلوب عمل سے ایک طرف امر بالمعروف اور دوسری طرف نہی عن المنکر ہر دو کی اقامت بھی ہوگی۔''دِین'' کے بارے میں یہ عمل ہمیں ہر حال میں اصولی طور پر کرتے رہنا چاہئے۔ جہاں تک کسی مخصوص فتنے کے بارے علمی وفکری حرکت کا سوال ہے تو ہر مخصوص فتنے سے دین کا تحفظ تو اس مخصوص فتنے کے قرآن وسنت کی ررشنی میں تفصیلی انحرافات کے مطالعہ کرنے کے بعد قرآن وسنت کی روشنی اور سلف صالحین کے اسلوب تعامل کے مطالعہ سے اس کے رد کا طریق کار طے ہوگا۔ رَدِّ فتن کے اس عظیم عمل صالح کی ضرورت واہمیت اور اس عظیم فضلیت کی خصوصاً اس زمانے میں اس کے کرنے کے اجر وثواب کے بارے جاننا اور لوگوں کو بتانا بھی نہایت ضروری ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے تحفظ کے لئے آخری زمانہ میں کام کرنے والوں کو اُمت کے سابقین اولین جیسے اجر وثواب کی خوشخبری دی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت کا ایک طبقہ ہمیشہ اس عمل (رَدِّ فتن) میں کوشاں رہے گا جو دِینِ اسلام کو ہر غلو کرنے والے کے غلو اور اس دین کے حقائق کو مسخ کرنے والے کی باطل تحریف کا رد کرتے ہوئے دین کے صاف ستھرے اور منور چہرے کو پیش کرے گا۔ لہٰذا دین کو بہترین اُسلوب سے پیش کرنا۔ اور دین کے نام پر فکری انحرافات کا رد ہر دو عمل خیرِ اُمت کے خیر الاعمال ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کا جو فرد یا جماعت، اس عمل جلیل کو سرانجام دے، اس کے لئے ضروری ہے کہ:

اولاً:- اس کے قلب میں کسی انسانی فرد کے لئے کدورت، اس کی تحقیر، اس کی اہانت،

اس کے لئے حقد وحسد اور بغض کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو۔ یہی وراثت نبوّت کا وہ مقام عالی ہے۔ جسے اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے لئے اُمت کا ناصح اور امین ہونے سے تعبیر فرمایا ہے۔

ثانیاً:- دین کے تحفظ وحمایت اور ردّ فتن کے تمام تر مراحل میں اس کاز کے لئے کام کرنے والے کی غرض صرف اللّٰہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

ثالثاً:- اس عمل جلیل پر اجرت اور اجر وثواب صرف اور صرف اللّٰہ رب العالمین ہی سے اسے وصول کرنا ہے۔ یہی وہ مقام نبوّت ہے جس کا انبیاء علیہم السلام صاف طور پر اعلان کرتے رہے کہ دین کی امانت کی ادائیگی میں ہم امین ہیں، ہم ناصح ہیں، نیز ہمارا اجر وثواب صرف رب العالمین سے ہی ہمیں لینا ہے۔ گویا اپنے مخاطبین سے انہیں کسی مادی منفعت کا کوئی لالچ نہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جو وارثان انبیاء سے مطلوب ہے اور یقیناً یہ بڑا ہی بلند مرتبہ ہے۔

اس عظیم فکری پرواز کی بلندی، نیت کی صفائی، غرض وغایت کی وضاحت کا احساس وشعور، یہ سبھی اہم ترین امور ہیں جن کا استحضار ہر حال میں ''دین'' کے نام پر کام کرنے والوں کو رہنا ضروری ہے۔ اوران کا پیشگی طور پر ادراک اور رسوخ بھی اس عمل جلیل کا تقاضا ہے، پھر جس مقام پر دین کی گفتگو کرنے والا کھڑا ہے وہ محراب ومنبر ہو یا مسند درس وتدریس یا بین الاقوامی جدید ابلاغ عامہ کے ذرائع ہر موقع پر دین کے نام پر گفتگو کرنے والے کو ان جملہ امور کے دائمی استحضار کے ساتھ ہی بات کرنا ہے۔ اور کرتے رہنا ہوگا۔

چونکہ ہر دور میں پھر متنوع انسانی طبقات کے ہر طبقہ میں دین کے درست مفہوم کو پیش کرنا، اسے انسانی قلوب میں راسخ کرنے کی سعی۔ یہی وہ اولین عمل ہے جس سے ہمیں آغاز کرنا ہوگا۔ اور اسی پر انتہا بھی، لہٰذ دین کی اس عظیم خدمت کی ادائیگی سے قبل اس کے پیشگی ضروری امور کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

متکلم دین کی فکری ارتقاء

دین پر گفتگو کرنے والے کی خود اپنی فکری پرواز کہاں تک ہو؟ اس کی نیت میں اخلاص اور یقین کی کیفیت کیا ہو؟، اس کی غرض وغایت کیا ہو؟ یہ سب پیشگی امور کہلاتے ہیں۔ دین کے نام گفتگو کرنے والے کا یقین محکم ہو کہ حضرت خاتم النّبیین کی ختمِ نبوّت کے صدقے میں دین کے لئے جدوجہد کرنا، یہ وراثت نبوّت کا عالی ترین مقام ہے۔ ہمارا دین خالق کا عالمگیر خطاب ہے جو پوری انسانیت کے لئے ایک جامع، کامل وشامل اور کامیاب ترین دستورِ حیات ہے۔ جس کی مدت عمل، جس کی تاثیر کی صلاحیت اس کے زمانۂ نزول سے تا قیامت قائم رہے گی۔ اتنا اہم، اتنا نافع، اتنا ضروری پیغام جو خود اپنی قوت تاثیر رکھتا ہے، وہ خود کسی سے متاثر نہیں ہوتا۔

اب اس عظیم انسانی پروگرام کو پیش کرنے والے کو عالی ہمت، صاحبِ عزیمت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی تمامتر جدوجہد کو صرف اور صرف رضائے خالق، فلاحِ مخلوق اور امن عالم کی خاطر مخصوص کر دینا ہے کیونکہ ہمارا دین تو پورے عالم کی انسانیت کی بھلائی سے عبارت ہے۔ لہٰذا پورے عالم کی بھلائی کا عزم رکھنے والا ہر انسانی فرد کے لئے خیر خواہ، سبھی کا ناصح اور امین ہوتا ہے۔ یعنی وہ امانت دار بھی ہے، خیر خواہ بھی۔ جیسے کہ ہر نبی ناصح بھی ہوتا ہے اور امین بھی وہ امانت ربانی کو کامل طور پر اپنے مخاطبین کی خیر خواہی اور بھلائی کے جذبہ سے پیش کرتا ہے۔ لہٰذا دین کے پروگرام کو جامع طور پر عالمی خطاب، عالمی فکر رکھ کر عالَم کے جملہ مخاطبین کے لئے نصیحت وخیر خواہی کے جذبہ اور امانت داری سے موصوف ہونا ضروری ہے۔

آغاز موضوعِ سخن

دین کے لغوی معنی، شرعی مفہوم، اس کے حق وباطل ہونے کے فرق کا بیان، دین اسلام کے مآخذ کا بیان۔

خاتم النّبیین کے لائے ہوئے خاتم الادیان خیرالادیان کے خصائص، پھر دین کا تشریعی نظام، حاملین شریعت کے حقوق اور عام مسلمانوں پر ان کے واجبات۔

دین کے اصول وفروع، اصول دین میں توحد اور ان میں اختلاف کا حکم شرعی، اس کی حکمت، فروع دین میں تعددیت اور اس کی حکمت۔

اُمت کی وحدت کے عناصر اور اختلاف کے اسباب وعلل اور ان کا معالجہ۔

دین میں شدت پسندی، غلو اور افراط کا مذموم ہونا اور دین میں وسطیت اور اعتدال کا مطلوب ومحمود ہونا وغیرہ۔

اب ہم اسی منہج کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

لغوی اور شرعی مفہوم

یاد رہے کہ لفظ ''دین'' جس کی جمع ادیان ہے، وہ دستور حیات ہے جس کے تابع ہوکر بندہ زندگی گزارے۔

''متدین'' وہ بندہ ہے جس کا دین ہی اس کا سید وآقا بن جائے اور بندہ اس کا ایسا غلام ہوکہ ہر موقع پر اس کا عمل اس کی خواہش، اس کے دین کے تابع ہوجائے۔

قرآن میں لفظ ''دین'' کا اطلاق حق وباطل ہر دو دینوں پر ہوا ہے۔ سورۂ کافرون میں یہ خطاب واعلان یوں موجود ہے: {لکم دینکم ولی دین}۔ تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین۔ اس آیت میں طاغوت کے پرستاروں کے نظام زندگی کو بھی دین کہا گیا ہے۔ اور معبود حق کے عبد جلیل سید الرسل خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام زندگی کو بھی دین کہا گیا ہے۔

صرف ایک کی نسبت باطل کی طرف اور دوسرے کی حق کی طرف ہے۔ اگر بندے کا

دین خالقِ بشر کا وضع شدہ ہوگا تو وہ دینِ حق ہوگا جسے قرآن نے اسلام کہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ان الدین عنداللہ الاسلام۔ اللہ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے۔ پھر وہ حق اور اسلام اس لئے ہے کہ وہ ذات حق تعالیٰ نے وضع فرمایا جنہیں مخلوق اور بندوں میں تصرف اور نظام لاگو کرنے کا مکمل حق ہے۔ ارشاد ربانی ہے: {لہ الخلق والأمر}۔ بندوں میں حکمرانی اور سیادت کا حق خالق ہی کو ہے۔

اور اگر دین کی وضع غیر اللہ کے ہاتھوں ہوئی ہو تو ایسا نظام، باطل نظام ہے، یا دین باطل ہے جو نہ صرف اختیار نہ کرنے کے لائق ہے بلکہ اس سے براءت وانکار پہلے کرنا ضروری ہے، پھر دین اللہ کو اختیار کرنا درست ٹھہرے گا۔ ارشاد ربانی ہے: {ومن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ}۔ جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ کا اعتراف کرے گا، وہی تو مضبوط رسی سے چمٹ گیا جو ٹوٹ نہیں سکتی اور وہی سمیع وبصیر ذات عالی سے وابستہ ہوگیا۔ جو اس کی بات سننے والا اور ہر فعل سے واقف ہے۔

دین کا یہی تصور ان شاء اللہ بندوں کے دلوں میں اسلام کا حقیقی تعارف بمع اس کی قلوب میں عظمت کے رسوخ کا ذریعہ بنے گا پھر بندے رغبت وشوق سے اس سے وابستگی کا نہ صرف اظہار کریں گے، بلکہ اس کے ساتھ رابطے کو مضبوط کریں گے۔ جس پر انہیں فخر اور خوب شرح صدر بھی ہوگا۔

دین حق اور اسلام کی عظمت بھی انہیں معلوم ہوگی اور قلوب میں یہ بھی راسخ کہ اسلام یا دین حق اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ نظام زندگی ہے، جس کے بارے قرآن میں یہ اعلان ثبت فرمایا گیا کہ: ''وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا'' (المائدۃ:۳)۔ میں نے تمہارے لئے اسلام ہی کو بطور نظام زندگی کے پسند کیا ہے۔ اسلام کا پیرو خالق کے وضع کردہ اور خالق کے پسندیدہ نظام حیات

اور دین کا حامل اور پیروکار رہے، اسے وہ کمال عظمت ومحبت سے چمٹا رہے گا۔ اس کے نفس نے اگر کبھی شیطان کے ورغلانے سے ادھر اُدھر کے نظاموں کی بُو سونگھ لی اور اسے نفس وشیطان نے اپنی ہوس ونفس کی خوشنودگی کے لئے دیگر کسی نظام کو اس کی زندگی میں داخل کرنا چاہا تو وہ خوب یادرکھے گا کہ ''دینِ حق ملنے کے بعد اس کے ماسواء گمراھی ہی گمراھی ہے''۔ نورِ اسلام کے بعد ما سوا ظلمت وتاریکی ہی ہے، اسی لئے تو ارشادِ ربانی ہے: ''فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ'' کہ حق کے بعد دیگر تو گمراہی ہی ہے۔ پھر وہ سوچے گا: ''فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾'' (یونس:٣٢) کہاں بھاگ رہے ہو؟

نیز اگر پھر بھی کوئی دیگر کا متلاشی رہا تو اس کی یوں تربیت کی جائے کہ وہ اس ربانی فیصلہ کو بھی نہ بھولے: ''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾'' (آل عمران)۔ جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی نظامِ زندگی کا متلاشی ہوگا تو وہ اسے قبول نہ ہوگا (اور جو کوئی رحمٰن کے پسندیدہ نظام کو ترک کرے) وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

مؤمن بندہ اور متدین انسان یہ سوچے گا کہ اگر کسی دُنیوی مصلحت یا مادّی منفعت یا ظاہری منصب کی خاطر اس نے اپنے طرزِ حیات میں اسلامی طرزِ زندگی کی جگہ غیر اِسلامی نظامِ حیات کو اِختیار کیا تو وہ اس تجارت میں کبھی سودمند نہ ہوگا، کیونکہ دُنیا کی مادّی منفعت نہایت قلیل اور فانی ہے، اور آخرت کا خسارہ عظیم اور دائمی ہے۔

دِین کی بات کرنے والوں کو یہی قرآنی اور ربانی اُسلوبِ بیان اختیار کرنا ہوگا تا کہ اس کے پیش کرنے میں حسن تقدیم بھی رہے، حسن تسلسل بھی اور جمال بیان کے ساتھ ساتھ قوتِ تاثیر بھی جو مخاطب کے شعور کو بیدار، اس کے ضمیر کو زندہ اور قلب کو روشن کرنے والا قرآنی اُسلوب ہی ہے۔

اس یقینِ محکم کے ساتھ یہ دِین وضع میں ارفع واعلیٰ، خالق کے ہاں محبوب، اللہ کی طرف سے محفوظ ومأمون، اختیار کرنے والے کے لئے سودمند، ترک کرنے والے کے لئے باعثِ خسارہ ہے، پھر کوئی معقول وجہ نہیں کہ یوں فہم دِین کو اُجاگر کرنے کے بعد کسی ذی عقل وشعور میں دِین کے بارے بے رغبتی رہے گی۔

دِینِ اسلام کے لئے خالق کی سنتِ حکیمہ کا بیان بھی دِینِ اسلام میں رغبت اور شوق پیدا کرنے کا قوی عنصر ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ہی اپنے انبیاء کو اَدیانِ حقہ کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ اس کے بندے دُنیا میں سعادت منداور آخرت میں سودمند رہیں۔

پھر اِنسانی تاریخ کا بیان ہو کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں دِینِ حق اختیار کرنا ہی صحت بخش نسخہ اور سودمند سودا رہا ہے۔ یہ بات دل میں راسخ ہوگئی تو دِین والی زندگی کے سوا نہ بندے کو سکون ملے گا نہ چین نصیب ہوگا، پھر تو اس کے علاوہ بندے کا قلب مطمئن ہی نہ ہوگا ماسوا دِینِ حق کی اتباع کے۔

اس امر کے جان لینے کے بعد اللہ کی سنت سابقہ شرائع کے ساتھ کیا رہی اور خاتم الشرائع کے ساتھ کیا ہے؟ اس امر کو بیان کرنا اور جاننا بھی ضروری ہے۔ چونکہ حضرات انبیائے سابقین کی نبوّت تین محدود اوقات، محدود اقوام اور محدود علاقوں کے لئے ہوتی۔ ''لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ'' (الاعراف:۵۹) وغیرہ، اس کی قرآنی مثالیں ہیں۔ سب حضرات انبیاء کا اسی طرح کا حال رہا۔ پھر اللہ کی بھیجی ہوئی شرائع کو جب تک وہ چاہتے محفوظ رہتیں پھر لوگ ان میں تحریف وتبدیل کرتے رہتے، پھر ہر نبی کی مدت زمنی کے بعد دیگر نبی آجاتا، سابقہ شریعت کی جگہ اس کے بعد آنے والی شریعت لے لیتی، اس طرح نبی اور قوم بدلتے رہے، اُمت، نبی کی شخصیت کی تبدیلی سے بدل جاتی۔ مگر جب خاتم النّبیین کی بعثت ہوئی تو ان کا اعلان بجائے ایک قوم کے

سب انسانوں کے لئے یوں ہوا: ''یَآاَیُّھَاالنَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا'' (الاعراف:۱۵۸) کہ پوری انسانیت کے اکیلے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور پوری انسانیت کے لئے ان کی لائی ہوئی شریعت کامل ومکمل ہے جو قیامت تک کے لئے نعمت ربانی کے طور پر بندوں کے لئے محفوظ و مامون رہے گی۔ اس لئے آپ نبی خاتم ہیں، اوران کے متبعین خیر الأمم اور خاتم الأمم۔ اب نہ نبوّت بدلے گی نہ شریعت، نہ اُمت کی نسبت نبوّت کی بنیاد پر بدلے گی کیونکہ کسی کو نبوّت اب ملنی ہی نہیں۔ اب نبوّت آخری، نبی خاتم النّبیین، شریعت خاتم الأدیان اور اُمت خاتم الأمم ہے۔ اب یہ سنت ربانی کہ نبوّت، شریعت اور اُمت بدلتے رہیں، جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔ اگر اللہ کے اس اعلان کے بعد کسی نے نبوّت کا اعلان کیا تو اسے کذاب سمجھا جائے گا، اگر کسی نے اس کی تصدیق کی تو اس نئی نبوّت کی تصدیق کی وجہ سے اس کی محمدی نسبت کٹ جائے گی۔ اب نئی نبوّت نے اپنی جماعت تشکیل دی تو یہ اسی کی اُمت ہے کیونکہ اللہ کی یہی سنت سابقہ شرائع کے ساتھ بھی رہی کہ نبوّت بدلتی رہی شریعت بدلتی اور اُمت کی تشکیل بھی ہوتی رہی۔ مگر اب ایسا نہیں کیونکہ اللہ کے ہاں سلسلہ نبوت ہی بند ہوگیا ہے مگر جس نے اس سلسلے کو جاری کیا اور جس نے اسے اختیار کیا وہ سبیل المؤمنین سے ہٹ گیا۔ اور اس سے پھرنے والوں کی یہی سزا ہے کہ وہ خیر الأمم سے بھی کٹ گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اب سنت یوں ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے:-

۱-نبوّت کو عالمگیر قرار دیا۔

۲- نبی کو خاتم النّبیین اور رحمۃ للعالمین بنایا۔

۳-کتاب کو ہدیً للناس بنایا۔

۴-کعبہ مبارکہ کو ہدیً للعالمین بنایا۔

۵-شریعت کومحفوظ و مأمون فرمادیا۔

اسبابِ حفظ

اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہیں تو وہ صاحبِ کن فیکون ہیں۔ کسی طرح کے اسباب کے محتاج نہیں۔ مگر اس کی سنت ہے کہ اس عالم کو عالم اسباب بنایا۔ ہر امر کے لئے اسباب پیدا کئے۔ تو نبی خاتم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر شریعت کے تحفظ کے لئے مہبط وحی سے لے کر ہر دور میں حاملین وناقلین کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری فرمادیا جو خیرِ اُمت کے افضل ترین انسانوں اصحاب رسول سے شروع ہوا، پھر ان کے تابعین، تبع تابعین، ائمہ فقہاء، محدثین ومفسرین اور ہر دور میں وارثانِ انبیاء جو اُمت کا افضل ترین طبقہ ہے کو اس پر مامور فرمایا۔ پھر ان کے اس مقام عالی اور احسان عظیم کے اعتراف کے طور پر ان کی تعظیم وتوقیر کو عام افرادِ اُمت پر شرعی واجب قرار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے صحابہ کرام کو خیر القرون کے خیر الرجال قرار دیا۔ ان کے مقام ومنقبت کا تحفظ فرمایا۔ اس طرح ہر دور میں حاملین قرآن کو بھی اُمت کے اَخیار قرار دیا۔ جامعین سنت کے لئے اپنی احادیث میں اور اہل استنباط واجتہاد کے لئے قرآن میں ان کے فضل وشرف کو اہتمام سے بیان فرمایا۔ اس طرح آخری زمانوں میں دین اسلام کا خارجی اور اندرونی فتنوں سے تحفظ کرنے والوں اور اپنے علم وعمل اور قول وکتابت سے دین کا تحفظ اور دفاع کرنے والوں کو اجر ثواب میں خیرِ اُمت کے پہلے طبقے حضرات صحابہ کرام کے ساتھ شریک فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ لہٰذا دین کے نام پر بات کرنے والے کو یہ باور کرنا ضروری ہے کہ یہ دین خاتم الأدیان ہے۔ یہ خیرِ اُمت کا دین ہے جو خاتم الامم اور خیر الأمم ہے۔ یہ اس اُمت کا دین ہے جس کا شعار وسطیت اور اعتدال ہے۔ اس دین میں غلو ہے نہ شدت۔ نہ کھلی چھٹی ہے، نہ اللہ ورسول کی غلامی سے آزادی۔ اس دین کے اصول ومسلمات ہیں جن میں

اختلاف نہیں، ان میں اتحادِ اُمت کی وحدت کی ضمانت ہے۔اس شریعت کے مجتہد فیہ امور اور فروع میں تعددیت ہے جو اس کی وسعت کی علامت ہے۔ اصول میں تفریق کی گنجائش نہیں، فروع میں وسعت اور تعددیت سے انکار نہیں۔ یہی وسطیت ہے پھر اصول کا تارک فروع کے تارک جیسا نہیں۔ اصول میں مختلف ہونے والا فروع میں مختلف ہونے والے کے مانند نہیں ہے۔

اس دین کے مآخذ ثلاثہ قرآن وسنت اور اجتہاد ہیں۔ ہر ایک کے ضروری آداب ہیں۔ جنکی پابندی ہی دین میں فتنوں سے تحفظ کی ضامن ہے۔اہل علم کا واجب ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مآخذ ثلاثہ اور ان کے آداب کو بیان کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو صاحب شریعت، مہبط وحی ربانی اور شارع ہیں، وہی اس باب میں اُمت کے مربی ومرشد بھی ہیں۔انہوں نے ہی صحابہ کرام کی عملاً تربیت کی، پھر انہیں اس تربیت میں ہماری تربیت کی خاطر جانچا کہ وہی ہمارے لئے نمونہ ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ سے مکالمہ، نبوی تربیت کا بہترین انداز پیش فرمارہا ہے۔ جو نہ صرف اس وقت کے مؤمنین کے لئے بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے رہنما اصول پیش کررہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ کو بطور حاکم وعامل اور قاضی یمن روانہ فرمارہے ہیں اور استفسار فرماتے ہیں کہ اے معاذ! تم کس طرح فیصلے کروگے؟ تو وہ اپنے لئے مأخذِ حکم کو یوں ترتیب وار بیان فرماتے ہیں کہ: اوّلاً میں کتاب اللہ سے حکم کو اخذ کروں گا۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استفسار فرماتے ہیں کہ اگر کسی حکم کو تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے فرمایا کہ: پھر سنت رسول اللہ سے اخذ کروں گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر استفسار فرمایا کہ: اگر اس حکم کو سنت رسول اللہ میں بھی نہ پاؤ تو؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: اپنی رائے سے

اجتہاد کروں گا۔

اخذ احکام کی اس ترتیب پر جناب نبی کریم کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو ایسے اسلوب (حق وحکیم) کی توفیق مرحمت فرمائی جس پر اللہ اور اس کے رسول راضی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس قصہ میں خاتم الامم کے لئے تا قیامت مأخذ شریعت کا ترتیب وار اخذ احکام کا بیان ہے۔ یہی اسلام کا اپنی تشریع میں وہ منہج ہے جسے منہج ربانی کہیں، منہج نبوی کہیں، منہج وسطیت کہیں، منہج خیر الامم کہیں، ہر طرح سے اس کی تعبیر درست ہے۔

یہی سنت رسول ہے، یہی سنت صحابہ ہے، یہی سبیل المؤمنین ہے، یہی وہ صراط مستقیم ہے جو افراط وتفریط کے مابین راہ اعتدال ہے۔ یہی اسلوب تشریع ہے جس پر رسول اللہ نے اطمینان وتسلی کا اظہار فرمایا۔ اس قصہ میں مزید تامل کریں کہ اس میں ہماری مآخذ شریعت کی مکمل تعداد اور ان میں شرعی حسن ترتیب اور تا قیامت ایسے اعلیٰ منہج کا واضح بیان ہے جو کامل نظام تشریع پر مشتمل ہے جس کے بعد کبھی نقص محسوس نہ ہو۔ ہر موقع ومحل کا حکم یہ اُمت بآسانی معلوم کر سکے پھر ان مآخذ سے اخذ شدہ احکام کی حیثیت کا بھی تعین ہے کہ نصی احکام میں احادیت ہوگی، تعددیت نہیں، نہ رائے اور اجتہاد کو ان میں دخل ہوگا۔ غیر منصوص احکام میں وسعت ہوگی کہ مجتہد فیہ مسائل میں اگر تعددیت ہو تو یہ دین میں تناقض نہیں، نہ نقص ہے، وہ گنجائش اور وسعت شمار ہوگا۔ اور اس اشکال کا بھی رفع ہو گیا کہ بعض احکام میں تعددیت کیونکر ہے جب کہ شارع ایک ہی ہیں؟ حق تعالیٰ شانہ کی مشیت یہی ہے کہ احکام کے ہر دو باب نصی واحادی المراد احکام اور اصول ومسلمات ثابتہ میں بندے احادیت کے پابند رہیں اور مجتہد فیہ مسائل میں تعددیت کو

وسعت ورحمت شارع سے تعبیر کرتے ہوئے اس منہج کو قبول کریں۔ بندے اگر شریعت کے ہر دو باب میں ان کے اصول وضوابط اور آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں تو نہ انہیں احکام شریعت میں نقص نظر آئے گا نہ تناقص نظر آئے۔ پھر ترتیب وآداب کا علم وبیان انتہائی ضروری امر ہے کہ اسی سے ماخذ شریعت اور احکام شریعت کی قدر ومنزلت کا بیان ہوگا اور اُمت کے عوام وخواص میں روح طمانینت پیدا ہوگی۔ وہ اپنی شریعت کی جامعیت اور شارع کی حکیمانہ وسعت کے قائل ہوں گے، وہ ہر قسم کے غلو اور افراط وتفریط کے مذموم راستوں سے اجتناب کریں گے اور راہ اعتدال ووسطیت کے محمود راستے کے پابند رہیں۔ اگر وہ ماخذ کی حیثیت ومنزلت سے آگاہ رہیں۔ ان سے احکام اخذ کرنے کے اسلوب سے واقف ہوں، پھر ان سے ثابت احکام میں اعتدال کے دامن سے وابستہ رہیں تو یقیناً دین میں دین کے نام سے فتنے جنم نہ لے سکیں گے۔ مآخذ شریعت سے وہ سراسر ہدایت ہی ہدایت حاصل کریں گے۔ اور گمراہی کے راستوں سے کلیتاً بچ سکیں گے، نیز اُمت کی صفوں میں وحدت وقربت پیدا ہوگی۔ اور ان میں افتراق وانتشار پیدا ہونے کے تمام راستے مسدود ہوجائیں گے۔ یہی وہ بیش قیمت گوہر ہے جسے سمجھنے اور سمجھانے کی خاطر ہم نے ''**دین**'' کے عنوان سے اس مبحث اور موضوع کی تعیین کی۔ اور اس کی تفصیل وبیان کا قصد کیا ہے۔ خصوصاً اُمت کے ذمہ داران حضرات، وہ علماء ومدرسین ہوں یا اہل دعوت اور اہل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوں، وہ اُمت کے دینی زعماء ہوں یا سیاسی اگر اسلامی شریعت کے مأخذ، ان کی شرعی حیثیت ان سے ثابت احکام کے آداب سیکھ لیں، پھر اپنے اپنے مقربین اور عوام کو سکھا دیں تو اُمت کی فکر وسوچ درست ہوگی، اور افرادِ اُمت فکری بگاڑ سے محفوظ بھی رہیں گے۔ ان میں اسلامی آداب معاشرت جس کا آج فقدان ہے اس کا ظہور ہوگا۔ آج لوگ جس طرح دین اور نام نہاد دینداری سے شاکی ہیں۔ یہ شکایت بھی نہ رہے گی نہ عوام اپنے علمائے دین

کو اُمت میں انتشار وافتراق کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے، اس شکوہ اور اشکال کا بھی ازالہ ہوگا جو نہایت ہی ضروری امر ہے۔ ہماری رائے میں اس کا حل اس نبوی منہج کے سمجھنے سمجھانے کے بغیر ہر گز ہرگز ممکن ہی نہیں۔ نیز خواص وعوام کے لئے ان مآخذ شریعت کے مقام ومنزلت اور ان سے متعلقہ ضروری آداب کو سمجھنے کی بھی اہم ترین ضرورت ہے اس کا بیان بھی وقت کا بلکہ ہر وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ اب اس کا بیان ہوتا ہے۔

پہلا مأخذِ دِین: قرآن

ہماری شریعت کا اوّلین مأخذ قرآن حکیم ہے جو اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے۔ قرآن دین کا اوّلین بنیادی مأخذ اور شریعت کا اساسی مصدر ہے جو متواتر طور پر اپنے نزول سے لے کر منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ وہ انسانی صدور میں بھی محفوظ ہے۔ اور مصاحف میں بھی مکتوب ومنقوش ہے۔ اور اللہ کے فضل وکرم سے ہر قسم کی تبدیل وتحریف سے محفوظ ومأمون ہے۔

قرآن میں جملہ احکام شریعت مجمل طور پر مذکور ہیں۔ پھر قرآن بذات خود ایک جگہ موجود اپنی نص کی دوسری جگہ تفسیر کرتا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حق تعالیٰ شانہ نے اس کا مفصل بیان نازل فرمایا ہے جس کی خود اپنے عمل سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر فرمائی اور اپنی مبارک سنت اور احادیث میں بھی اس کی تشریح فرمائی۔ قرآن حکیم کی نصوص کے ان شرعی مفاہیم ومدلولات کو جو شارع کی اصل مراد ہیں جن سے خالق نے اپنے بندوں کی ہدایت کو وابستہ رکھا ہے۔ وہ بھی نبی کریم سے صحابہ کرام کو ان سے تابعین، ان سے اتباع تابعین پھر محدثین ومفسرین اور علماء اسلام کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ میں مسلسل طور پر نقل فرمادیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قرآنی نصوص کو تو مانتے ہیں مگر ان کے شرعی مدلولات کے منکر ہیں۔ انہیں حق تعالیٰ نے قرآن حکیم ہی میں ''الحاد فی آیات للّٰہ'' کا مجرم ٹھہرادیا۔ اور ان کے حق میں وہی

وعید نازل فرمائی جو منکرین اسلام کے لئے ہے کیونکہ شرعی نص کو اگر کسی غیر شرعی غیر ثابت شدہ، غیر مسلم معنی پر محمول کیا جائے گا تو یہ دراصل اس شرعی نص کا ہی انکار ہے۔ اُمت کے ہر طبقے کا ہر دور میں اس پر اجماع رہا ہے کہ کفرِ انکار وعناد اور کفرِ الحاد ہر دو ایک ہی کفر کی دو قسمیں ہیں۔ اسی لئے ہر دو کا انجام اور سزا بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ہی مقرر فرمائی ہے۔

قرآن حکیم کے بارے عوام میں اگر اس ضابطے کو بیان کیا جائے اور ان کی فکری تربیت اسی بنیاد پر ہو تو فتنۂ انکارِ سنت جنم نہیں لے سکتا، نہ اُمت میں کوئی طبقہ ایسا ہو گا جو اپنے آپ کو قرآن کو ماننے والا اور سنت کا منکر کہہ سکتا ہے۔ قرآن کریم کے بارے اس فکری انحراف سے عوام کو بچانے کے لئے علماء اسلام اور اصول تفسیر کے ماہرین یہ شرط لگاتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کرنے والے کو درج ذیل پندرہ علوم میں ماہر ہونا ضروری ہے۔ اور وہ علوم یہ ہیں:

۱-لغت۔ ۲-نحو۔ ۳-تصریف۔ ۴-اشتقاق۔ ۵-معانی۔ ۶-بیان۔ ۷-بدیع۔ ۸-علم قراءت۔ ۹-اُصولِ دِین۔ ۱۰-اُصولِ فقہ۔ ۱۱-اسباب نزول۔ ۱۲-ناسخ ومنسوخ۔ ۱۳-فقہ۔ ۱۴-وہ احادیث جو تفسیر آیات میں وارد ہیں۔ ۱۵-علم موہبہ۔

امام سیوطیؒ وہ عالم جلیل ہیں جن کا نام قادیانیت نے اُمت کے مجددین میں شمار کیا ہے مگر اس اعتراف کا کیا فائدہ کہ شرعی احکام اور قرآنی تفسیر میں اس فن کے اصول اور اس کے ماہرین پر اعتماد نہ کیا جائے جیسے کہ یہ کئی باطل فرقوں خصوصاً قادیانیت کی روش ہے کہ وہ زبان سے قرآن وسنت کی مرجعیت کے اعتراف کے بعد اپنا عقیدہ وعمل ان کے خلاف رکھتی ہے۔ قرآن کریم کی وہی تفسیر معتبر ہو گی جو اُمت کے ثقہ مفسرین کے ہاں ثابت ہوں۔ ایسی تاویل جو شاذ ونادر ہو یا ائمہ مفسرین کی راہ سے ہٹ کر ہو۔ وہ صاحب تاویل پر ہی رد کر دی جائے گی۔ کتنے ہی لوگ قرآن حکیم سے صرف اس لئے ہدایت نہ پا سکے کہ انہوں نے ضوابط تفسیر قرآن کی پاسداری

نہ کی۔آج لوگ محض لغت کے سہارے تفسیر قرآن میں اپنی فاسد آراء کو داخل کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

امام سیوطیؒ نے اس موقع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بہت ہی نفیس کلام نقل فرمایا ہے جو قرآن سے ہدایت پانے اور گمراہی سے بچنے کے لئے مسلم عوام وخواص کے لئے بے حد مفید ہوگا۔اوراس سے دین کے مخاطب حضرات کی نہ صرف فکری تربیت ہوگی بلکہ وہ بے شماران فتنوں سے محفوظ رہیں گے جنہیں لادینی کے پیشوا دین ہی کے نام سے کھڑا کر کے اُمت کے عوام وخواص کو پریشان کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام کا خلاصہ یوں ہے کہ:

اوّلاً:-قرآن کریم کی تفسیر قرآن ہی سے لیجائے کیونکہ قرآن کا یک حصہ دوسرے حصے کی خود تفسیر کرتا ہے۔

ثانیاً:-قرآن حکیم کی تفسیر سنت سے کی جائے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ اپنے پیغمبر سے مخاطب ہوکر ان کے وظیفہ نبوّت کو یوں بیان کرتے ہیں (یقیناً ہم نے آپ پر کتاب، حق کے ساتھ نازل کی تا کہ آپ لوگوں کے مابین اللہ کے احکام بیان کریں)۔نیز خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (خبردار رہو کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے کتاب بھی دی اور اس کے ساتھ اس جیسا اس کا بیان بھی)۔

ثالثاً:-اگر کسی کو نص قرآن کی تفسیر قرآن وسنت میں نہ مل سکی تو پھر وہ اسے صحابہ کرام کے اقوال میں تلاش کرے۔

پھر وہ فرماتے ہیں: کیونکہ صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ دین کی اگر کسی آیت میں تفسیر ہو پھر دیگر کسی قوم کی تفسیر ان سے ہٹ کر ہو کہ وہ صحابہ کرام اور تابعین کے طریقے پر نہ ہو تو یہی اہل

بدعت کے ساتھ شمار ہونے کی دلیل ہے۔

وہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ دین کی تفسیر سے ہٹ کر قرآن کی کوئی بھی تفسیر بدعت وخطا شمار ہوگی کہ وہی لوگ تو قرآنی نصوص اور ان کے مدلولات ومعانی اور اللہ اور اس کے رسول کی مراد سے تمام اُمت سے زیادہ واقف تھے۔

حضرت امام شافعیؒ جن کا نام نامی بھی قادیانیت کے نزدیک مجدد ین کی فہرست میں شامل ہے۔ ان کا قول نصوص کتاب وسنت کے مدلولات شرعیہ کے بارے میں آئندہ اُمت کے لئے ایسا رہنما اُصول ہے کہ اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو قیامت تک دین کے نام سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو۔ وہ فرماتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے قول کو اللہ کی مراد ہی پر اور رسول اللہ کی طرف سے ثابت نص کو ان کی مراد پر مانتا ہوں۔ یہی وہ ضابطہ ہے جسے دین کے نام پر بات کرنے والے ہر شخص کو اُمت کے عوام کے قلوب واذہان میں راسخ کرنے کی سعی کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم کے بارے ان جملہ امور کا سمجھانا دین کے نام پر گفتگو کرنے والے کے لئے نہایت ضروری اور اس کا شرعی واجب ہے۔

دُوسرا مأخذِ دِین: سنت

دین کا دوسرا مأخذ سنت ہے۔ قرآن کی طرح اس کی زبان بھی عربی ہے۔ اس میں بھی ناسخ ومنسوخ، محکم، متشابہ، مجمل، مفسر اور اساسی نصوص کی دیگر اقسام موجود ہیں۔ مگر قرآن تو کلی طور پر متواتر ہے جبکہ سنت میں متواتر بھی ہے، مشہور بھی اور احاد بھی ہیں۔ اس طرح سنت کے راوی بھی حفظ وضبط اور عدالت میں مساوی نہیں۔ اس میں قطعی بھی ہے اور ظنی بھی۔ لہٰذا سنت سے اخذ کرنے کے لئے قرآن سے اخذ کرنے کے جملہ علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ سنت کے ثبوت کے پہلو کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ جس کے لئے علوم حدیث میں المام واختصاص

ہونا ضروری ہے۔ ایک ہی موضوع پر ایک سے زائد وارد احادیث میں متقدم ومتأخر کا علم، ان کے مابین وجوہ ترجیح پھر ترک عمل بالحدیث کی وجوہ کا ادراک بھی ضروری ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

کبھی حدیث کے ترک عمل کے اسباب سے ہم واقف نہیں ہوتے، علم کے مدارک تو بہت وسیع ہیں، علماء کرام کے تمام اقوال کے باطن پر ہم مطلع بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عالم کبھی اپنی حجت کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر اس نے ظاہر کردیا تو ہمیں علم ہو گیا، اگر نہیں کیا تو ہمیں علم نہ ہو سکا۔ جب اس نے ظاہر کردیا تو ہمیں اس کی وجہ دلیل کا علم ہو جاتا ہے۔ اور کبھی علم نہیں ہوتا۔ الحاصل حدیث شریف سے اخذ کی شرائط قرآن کریم سے اخذ کرنے سے بڑھکر ہیں۔ یہاں پر اصول حدیث میں مہارت ہونا، اقسام حدیث اور پھر حدیث کے متن وسند کے اعتبار سے واقفیت کا ہونا نہایت ضروری ہے جبکہ قرآن کے متواتر ہونے کی وجہ سے اس میں ایسا نہیں ہوتا۔

تیسرا مأخذِ دین: اِجتہاد

اِجتہاد سے اَحکامِ شریعت تلاش کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اُمور کی پاسداری ضروری ہے:

اولاً:- اجتہاد صرف اس کے اہل اور باصلاحیت لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ مذکورہ قصہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق صرف حضرت معاذ ہی مجتہد تھے اور بقیہ لوگ ان کے متبع تھے۔

ثانیاً:- اجتہاد صرف اپنے دائرہ ہی میں ہوگا اور اس کا دائرہ کار مندرجہ ذیل ہے:

الف:- صرف وہاں اجتہاد ہوگا جہاں کتاب وسنت سے نص صریح نہ ہو، مجتہد منصوص احکام میں علل تلاش کرکے غیر منصوص کے احکام تلاش کرے گا (اور یہ کام صرف بلاصلاحیت

لوگوں ہی کا ہے)۔

ب:- اگر کسی موقع پر وارد نص ایک سے زائد معنی کا احتمال رکھتی ہےتو مجتہد اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر کے اسے ایک معنی کے لئے ترجیحی بنیاد پر حمل کرے گا۔

ج:- اگر ایک سے زائد نص کسی مسئلہ سے متعلق موجود ہےتو مجتہد کسی ایک نص کو ترجیح دینے کی خاطر اپنی صلاحیتوں کو صرف کر کے ہی اسے ترجیح دے گا۔اس میں اسے دیگر تمام نصوص پر نظر رکھنا ہوگی۔

شروطِ صحتِ اجتہاد

اہل علم نے مندرجہ ذیل چھ شرعی اصول کو صحت اجتہاد کے لئے شرط بتلایا ہے۔

۱- مجتہد عربی زبان کے جملہ اسالیب بیان سے واقف ہو۔ وہ علم لغت، علم اعراب، الفاظ کے استعمال کے اسالیب خاص وعام حقیقت ومجاز، مطلق ومقید، صریح وکنایہ، ظاہر وخفی، محکم ومتشابہ، مفسر ومجمل، امر ونہی۔ الغرض لغت عرب کے جملہ اسالیب بیان میں مہارت رکھتا ہو۔

۲- کتاب اللہ کے متعلقہ احکام عموم وخصوص، ظاہر وخفی، مفصل ومجمل، ناسخ ومنسوخ پر مطلع ہو۔

۳- اس طرح سنت سے متعلقہ احکام سے بھی واقف ہو، سنت کی روایت کے جملہ طرق، تواتر مشہور احاد سے واقف ہو، رواۃ کے احوال واحکام پر مطلع ہو، وجوہِ ترجیح کے بھی اسالیب جانتا ہو۔

۴- اسے احکام سے متعلق اقوال صحابہ کرام اور اقوال تابعین یاد ہوں۔اس کے ساتھ ساتھ اُمت کے اہل افتاء کے فتاویٰ پر اس کی مکمل نظر ہو کہ کہیں اجماع سے انحراف نہ کرلے۔

۵- قیاس پر عبور رکھتا ہو۔ جن احکام میں تعلیل کا عمل درست اور جن میں درست نہیں، اس سے واقفیت ہو، نیز ترجیح کے قواعد بھی یاد ہوں۔

۶- اجتہاد کرنے والا خود ثقہ اور متدین ہو۔ دین پر کاربند ہو۔ احکام شریعت پر عمل میں متساہل نہ ہو۔

آداب مجتہد فیہ مسائل

شارع کی حکمت رہی ہے کہ اس نے بعض مسائل میں اہل اجتہاد کو سعی پر مامور فرمایا ہے، چونکہ مجتہدین حضرات منصوص احکام کی تعلیل میں اختلاف کر سکتے ہیں، لہٰذا اجتہاد کے نتیجہ میں ثابت ہونے والے احکام میں بھی یقیناً تعددیت پیدا ہوگی، یہ تعددیت اُمت میں نزاع یا عداوت کا سبب نہیں ہوتی، ہاں دین میں وسعت کی علامت ضرور ہے۔ مجتہد فیہ مسائل میں مجتہد دیانت داری سے اپنی صلاحیت صرف کرتا ہے، جس رائے تک وہ پہنچتا ہے اس کے نزدیک وہ راجح ہے۔ وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ اس کی رائے کو قطعیت حاصل نہ ہوگی۔ یہ صرف اسی کا اعتقاد نہیں بلکہ ہر اس شخص کو بھی جاننا ضروری ہے۔ جس جس نے اس کی رائے کو اخذ کیا ہو یا اس کی رائے کو اپنایا ہو، اسی طرح وہ اپنی سے مخالف رائے کو قطعی طور پر غلط اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ اس کی اپنی رائے صحت میں راجح تو ضرور ہے مگر قطعی ہرگز نہیں بلکہ ظنی ہے۔ لہٰذا جب ایک رائے ظنی ہے تو دوسری بھی ظنی ہے۔ لہٰذا ادب یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں جملہ حضرات جو مختلف آراء رکھتے ہوں وہ ایک دوسرے کا برابر احترام کریں۔ مجتہد فیہ مسائل میں خود صحابہ کرام میں اختلاف ہوا اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شارع کی طرف سے وسعت کی بنا پر ان کے عمل کی تغلیط نہیں فرمائی۔

یقیناً یہ بہت بڑا جہل ہوگا جو باعث تہمت ہے کہ لوگ مجتہد فیہ مسائل کی شرعی حیثیت

سے ناواقفیت کی بنا پر تحقیق چھوڑ دیں۔ یا ایک دوسرے کی تغلیط تضلیل یا توہین کریں یا اس رائے کے اختلاف کو بجائے باعث وسعت کے باعث عداوت ٹھہرائیں۔ البتہ مجتہد فیہ مسائل کے باب کا ادب یہ ہے کہ تحقیق کا حق جملہ اہل اجتہاد کو رہے، ان کی تحقیقات جاری رہیں مگر تغلیط وتوہین، نزاع اور عداوت ہرگز نہ ہو۔

تشکیک اور اِزالہ

بعض لوگ جو اس باب کے ادب سے واقف نہیں، ان کے ذہنوں میں اغیار کی سازش یا اپنے علمی قصور کی وجہ سے یہ اِشکال اُٹھتا ہے کہ شارع ایک ہیں تو متعدد آرا کیوں ہیں؟

اس کا عام فہم اور سادہ سا جواب... جسے ہر ایک کو یاد رکھنا ہے... یہ ہے کہ: اہل اطاعت کو شارع کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ جہاں شارع نے متعین معنی کے لئے نص نازل فرمائی، وہاں تعددیت بے دینی ہے۔ اور جہاں شارع نے اجتہاد کو مشروع فرمایا وہاں تعددیت پر اِشکال نہ صرف بے دِینی ہے بلکہ پکے جہل کی علامت ہے۔

اِجماعِ مجتہدین

ایک دوسرا اَمر جسے یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی تو جب کسی غیر منصوص مسئلہ میں جملہ مجتہدین اُمت خصوصاً صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا تو اس حکم کی حیثیت بھی قطعی ہوجائے گی۔ اور وہ بھی دلیل قطعی سے ثابت شدہ مسئلے کے ہم پلہ ہوجائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس باب میں نہایت مختصر خوبصورت اور جامع بیان یوں فرماتے ہیں:

اجماعهم حجة قاطعة واختلافهم رحمة واسعة

''ان کا (صحابہ کرام کا) اِجماع حجتِ قاطعہ ہے اور ان کا اختلاف رحمتِ واسعہ ہے۔''

لہٰذا دِین پر اِستقامت یہ ہے کہ نصوصِ شرعیہ اور حاملین شریعت کی حیثیت کے تعین کرنے میں اعتدال کے دامن کو تھاما جائے جسے ہم منہج دین سے وابستگی اور وسطیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

دین کے نام پر تاریخ اسلام یا حال اور مستقبل میں اٹھنے والے فتنوں کا بنیادی سبب صرف اور صرف ایک ہی اصولی امر میں منحصر ہے، اور وہ ہے ''منہج وسطیت سے انحراف'' چاہے وہ نصوص شریعت کی حیثیت میں انحراف ہو یا حاملین شریعت کے مقام کے بارے یا نصوص شریعت سے ثابت شدہ احکام کی حیثیت میں وسطیت اختیار کرنے سے انحراف ہو۔

دین نصوص شرعیہ سے ثابت شدہ احکام میں اعتدال کا نام ہے۔ اصول کو اساس و بنیاد اور فروع کو صفات و علامات سمجھنا راہ اعتدال ہے۔ اسی طرح حاملین شریعت، پھر مجتہد فیہ مسائل میں اپنی رائے کو راجح تو خیال کیا جائے مگر دیگر کی رائے کو بھی احترام دینا واجب سمجھا جائے۔ یہی وہ مسلک وسطیت اور اعتدال ہے۔ جو ہمارے دین میں ہر دیندار سے یہ مطلوب ہے۔ پھر جناب شارع علیہ السلام کی ذات گرامی ہی صرف معصوم ہیں۔ ان کی شریعت کے نقل کرنے والے کے لئے عصمت شرط نہیں کیونکہ خاتم النّبیین کی شریعت کو بحفاظت منتقل کرنا مقصود ہے جس کے لئے ان کا ثقہ ہونا اور عادل وحافظ ہونا ہی کافی ہے۔ ان کے بعد دیگر کسی کو شریعت کو وضع کرنا مقصود نہیں کہ وہ حضرات معصوم بھی ہوں۔ مگر شریعت کی اس خدمت کے صلہ میں ان کو تعظیم وتکریم ان کے معصوم نہ ہونے کی وجہ سے ہرگز مجروح نہ ہوگی۔ ہر حال میں ان کے وقار

وتعظیم کو قائم رکھنا اور انہیں معصوم نہ ماننا۔ یہی راہ اعتدال اور وسطیت ہے۔

الحاصل دین، احکام شریعت اور ناقلین شریعت ہر دو کے بارے میں مسلک اعتدال ووسطیت کو اختیار کرنے کا نام ہے جس کو ہر مسلمان میں راسخ طور پر پیدا ہوجانے کے بعد اُمت کے اتحاد وحدت کو کوئی متاثر نہیں کرسکتا۔

اُمت کے بعض لوگ یا احکام شریعت میں وسطیت کو اختیار نہیں کرتے یا حاملین شریعت میں افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں، اس امر کی تلقین اُمت کے خواص کو اُمت کے عوام کو کرنی ضروری ہے تاکہ عمومی افرادِ اُمت میں اعتدال اور وسطیت پیدا ہو۔

اُصول وثوابت کیا ہیں؟

وہ اُمور جن میں نہ اختلاف کی گنجائش ہے نہ تبدیلی کی، وہ ایمانیات وارکان اسلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں توحید، اس کے انبیاء کی حقانیت، ان پر نازل شدہ کتب، اللہ کے ملائکہ، اللہ کی پیدا کردہ جنت وجہنم، ان کے قائم کردہ یوم الحساب اللہ کی قضاء وقدرت۔ پھر ان میں سے ہر ایک امر کا شرعی مفہوم اللہ اور رسول کی زبانی بیان شدہ اور بالکل واضح ہے۔ ارکان اسلام نماز روزہ حج زکوۃ کے شرعی مفاہیم شارع کی طرف سے معین ہیں۔ انہیں اللہ ورسول کی مرضی سے ماننا اپنی مرضی سے تاویل وتشریح نہ کرنا، یہ بھی ضروریات دین میں داخل ہے۔

ان اُصول ومُسلّمات میں اختلاف یقیناً فرد اور جماعت کے لئے اللہ کے غضب کا موجب ہے۔ جبکہ فروع میں اختلاف دین میں وسعت اور رحمت ربانی کا مظہر ہے۔

تجدیدِ دین کیا ہے؟

دین کے بارے تجدید کا مفہوم جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ مجدد یا اس کا عمل تجدید دین نبی کریم کی اس حدیث مبارکہ سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے ہر صدی پر مجدد کے تجدیدی

کارنامہ کی خبر دی۔ جب دین سے مراد وہ شریعت ہے، جو جناب محمد رسول اللہ پر نازل ہوئی۔ اور اس پر عمل کرنے والی اولین انسانی جماعت صحابہ کرام تھے جنہیں خود اپنی نگرانی میں شارع علیہ السلام نے عمل کا طریقہ سکھایا تو اُمت کو دین وشریعت کی اس کیفیت پر ڈالنا جس پر جناب رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کرام تھے دین میں تجدیدی کارنامہ ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حق ونجات کے طریقہ کے لئے یہی فرمایا کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ لہٰذا مجدد کا کام صرف ہر دور کے جملہ خواص وعوام کو اسی طور طریقے اور سنت رسول وصحابہ پر ڈالنے کی سعی تک محدود ہے۔ اُمت پر اگر کسی دینی امر میں اشتباہ ہو گیا، اس کے بعض افراد دین کے منہج وسطی سے غافل ہوئے یا اصول وفروع میں فرق نہ کرسکیں یا نصوص شریعت کے شرعی مفہوم ومدلولات میں سوءِ فہم میں مبتلا ہو گئے تو تجدیدی کارنامہ انہیں منہج شریعت کا سمجھانا ہے، انہیں احکام کے مراتب کا سلجھانا ہے، انہیں شرعی نصوص کے شرعی مفاہیم ومدلولات سے آگاہ کرنا ہے، انہیں تلقین کرنا کہ وہ مضبوطی سے جناب رسول اللہ اور صحابہ کرام کے طریقے سے وابستہ رہیں۔ اس کے لئے اہل فتنہ کے شکوک وشبہات ان کی طرف سے اٹھائے گئے اشکالات کے جوابات دینا یہی تجدیدی کارنامہ ہے۔ جس کی بعض مثالیں آئندہ مقالات میں پیش کی جائیں گی۔ مگر اصولی طور پر یہی تجدیدی عمل ہے جو مجدد دین کرتے رہے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ مگر مجدد نبی نہیں ہوتا کہ نئی شریعت پیش کرے، شرعی نصوص کے نئے مدلول ومعانی بیان کرے، اور تجدید وتحقیق کے نام سے اُمت کو قدیمی اور وراثت میں مسلسل طور پر ملنے والے اور جناب رسول اللہ سے متصل ہونے والے دین کا حلیہ بگاڑ کر اُمت کو پیش کرے۔ اسے تجدید نہیں تحریف کہا گیا ہے، کسی بھی مجدد نے تحقیق کے نام سے اصول ومسلمات کو نہیں بگاڑا، نہ فروع کو شدت سے اختیار کرتے ہوئے اُمت میں تفریق پیدا کی نہ کسی کی فروع میں اختلاف کی بنا پر تکفیر

وتضلیل کی۔

یہ ضرور کیا کہ اُمت کو بدعت کے مقابلے میں سنت کی طرف متوجہ کیا۔ دینی امور میں تشکیک پیدا کرنے والوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا اور اُمت کو پہلوں سے جوڑا۔ لہٰذا تجدید دین اور مجدد کے وظیفہ کو جاننا بھی دین فہمی کا تقاضہ ہے۔

بہت سے لوگ تجدید ہی کے نام سے تحریف کر کے اُمت کے خواص وعوام کی آزمائش کا سبب بنتے رہے ہیں جس کی مثالیں آئندہ ہم پیش کریں گے۔

✡✡✡

خلاصۂ مبحث

''دِین'' کے عنوان سے اس مبحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں پیش خدمت ہیں:

۱- دین اسلام خالق بشر کا وضع کردہ دستور حیات ہے۔

۲- شرعی نصوص کے معانی کی تعیین صاحب وحی کا اولین حق ہے۔

۳- صاحب وحی کی طرف سے کسی نص کی متعین مراد کے بعد کسی کو انحراف، اجتہاد، یا تحقیق وتجدید کا حق نہیں رہتا۔

۴- اصول ومسلمات میں تبدیلی کی گنجائش نہیں۔

۵- عقیدہ وعبادت اخلاق ومعاملات میں علم اور حق وہی ہے جس پر رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کرام رہے۔

۶- جس امر پر صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا اس کی حیثیت قطعی ہے۔

۷- ان کے بعد اُمت محمدیہ کا کبھی باطل پر اجماع نہ ہوگا۔

۸- دین کی تجدید، محض حق کی باطل سے، خیر کی شر سے۔ سنت کی بدعت سے تمیز اور مشتبہ امور کی وضاحت اور اُمت کو جناب رسول اللہ اور صحابہ کرام کے طریقہ پر لانا ہے۔

۹- دین اسلام جامع دستور حیات ہے جو کہ حضرت انسان کے ہر شعبۂ حیات پر محیط ہے۔

۱۰- نص وحی کو ماننا اور اس کے شرعی مفہوم کا انکار دراصل نصوص کا انکار ہے۔

نمبر ② از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

نصوصِ شریعت کے ساتھ تعامل میں

۱-اہلِ ایمان وتسلیم

۲-اہلِ کفر وعناد

۳-اہلِ اقرار واِلحاد

ہر گروہ کی پہچان، علامات اور طریقۂ کار

اسلام کا واضع اور محافظ اللہ تعالیٰ

دین اسلام خالق انسان کی طرف سے وضع کردہ دین ہے جسے اس کی طرف سے جبریل امین نے بحفاظت رسول امین کے قلب مبارک پر نازل فرمایا۔اور پھر رسول امین نے اس اُمت کے امین سرخیل اپنے صحابہ کرام کو پوری امانت داری سے سپرد فرمایا۔ اور اسی امانت سے صحابۂ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تحمل فرما کر اسے آگے منتقل فرمایا۔اور پوری اُمت کے اندر نقل کا یہ مبارک سلسلہ اس لئے امانت سے جاری ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے جس شریعت کو پوری انسانیت کے لئے جامع دستور حیات کے طور پر عالمگیر نبی کے ذریعہ پہنچایا اس عالمی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھائی۔لہٰذا اُمت میں روز اول سے تاحال اور ان شاء اللہ تا قیامت نقل دین کے سنہری اور مسلسل سلسلے کا قیام دراصل اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی تکفل کا عظیم مظہر ہے۔تاریخ اسلام میں یہ بھی حقیقت ثابتہ ہے کہ اس دین کو بیرون اُمت اہلِ فتنہ کے فتنوں سے بھی تحفظ ملا اور دین کے نام پر اندرونی فتنوں سے بھی اس کی حفاظت ہوئی اور ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ جب تک رب العالمین نے اس عالم کے نظام کو باقی رکھنا ہے یہ دین محفوظ و مامون طور پر باقی رہے گا۔

نصوصِ شریعت اور اِنسانی تعامل

شرعی نصوص وہ کتاب اللہ ہو یا سنت رسول، ان کے ساتھ تعامل میں انسانوں کے تین گروہوں کا قرآن نے بیان کیا ہے۔

۱-اہلِ ایمان وتسلیم: جونصوص شریعت اور مرادشرعی ہر دوکو ماننے والے ہیں۔

۲-اہلِ کفر وعناد: جوشریعت کے نصوص کا اعتراف نہیں کرتے۔

۳- اہلِ اقرار واِلحاد: جوشرعی نصوص کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کی مراد تسلیم نہیں کرتے۔

اوّلاً:- یادر ہے کہ اہل ایمان وتسلیم پہلے انسانی گروہ کی آزمائش ہر دو، دوسرے اور تیسرے گروہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ان کے فتنوں اور کاروائیوں سے اہل کفر کا عناد وکفر بڑھتا ہے تو یقیناً اہل ایمان وتسلیم کا ایمان ودرجات بھی بڑھتے ہیں۔

ثانیاً:- یہ بھی یادرہے کہ اہل انکار کے فتنہ کا سمجھنا قدرے آسان ہوتا ہے کہ ہر عام وخاص ان سے واقفیت حاصل کرسکتا ہے مگر اہل اقرار کا دینی فتنہ اس کا ادراک وردتامل طلب ہوتا ہے۔ انسانیت کی خیر خواہی اور بھلائی کی نیت اور اس عقدے کو کھولنے کی خاطر ہی ہم اپنے قارئین سے مخاطب ہیں۔

یادرہے کہ اہل انکار تو وہ لوگ ہیں جو اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کا اعتراف ہی نہیں کرتے، ان کی پہچان اور ان کے فتنے سے آگاہی ہر خاص وعام کے لئے سہل ہے مگر دین اسلام اور مسلمانوں کی آزمائش اس وقت کچھ محنت طلب ہوتی ہے جب ان کے دین کو اہل اقرار کی طرف سے آزمائش پیش آتی ہے۔ جب لوگ اسلام کی طرف نسبت کرنے والے بھی ہوں، قرآن وسنت کی مرجعیت کا اقرار کرنے والے بھی ہوں، الفاظ وترتیب اور نصوص کو ماننے والے دین میں فتنوں کا سبب بنیں۔ ان کی پہچان۔ ان کی طرف سے پیش آمدہ فتنے اور ان سے اسلام اور اُمتِ مسلمہ کا تحفظ۔ یہ اُمور خاصے علم وفراست کا تقاضا کرتے ہیں۔

اسلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ وہی اس دین کا نازل کرنے والا اور حفاظت

کرنے والا ہے۔ اسباب کے طور پر اس نے ہر دور میں اُمت میں ایسے رجال کار کو پیدا فرمایا کہ وہ اسلام کے خلاف اسلام ہی کے نام پر دین اور اُمت کے لئے آزمائش کا سبب بننے والوں کو سمجھتے ہیں، اور ان کے فتنوں کو آشکارا کرتے ہیں، اور ان سے دینِ حق کا دفاع اور تحفظ کی خاطر جدوجہد کرتے ہیں۔

شرعی واجب اور مبارک ردّعمل

یاد رہے کہ ہماری یہ کوشش کسی پر کسی قسم کا حملہ، ہجوم یا اولی اقدام نہیں ہے۔ بلکہ یہ محض دین حق کا دفاع ہے، یہ اُمتِ مسلمہ کے شرف کی حمایت اور عقائد حقہ کا تحفظ ہے جو ہمارا شرعی فریضہ ہے۔ اور اہل فتنہ کے عمل پر اہل حق کا ردّفعل اور ایک مبارک سعی ہے کہ جس سے قبل اہل فتنہ ہی اسلام اور اُمتِ مسلمہ اور ان کے مسلمات پر ہجوم اور اقدام کرنے میں پہل کر چکے ہیں۔ جنہوں نے اقرار کے بعد اسلام کے ساتھ غیر شرعی اور ناروا سلوک اختیار کیا۔ صدیوں سے ثابت اسلام کے مسلمات پر اشکالات وارد کر کے ان میں تشکیک پیدا کرنے اور ان کی جگہ نئی تحریفات تجدید و تحقیق کے نام پر چسپاں کرنے کی سعی کی اور افسوس کہ ان کی یہ سعی اسلام ہی کی خدمت کے نام سے ہے، ان کا یہ عمل ایک طرف سے اولی ہجوم اور اقدام ہے تو دوسری طرف انسانیت کے ساتھ دھوکہ دہی بھی ہے جسے الحمدللہ ہم عالمی انصاف پسندوں کے سامنے بخوبی طور پر پیش کرنے اور اس کے احقاق و اثبات کی ہمت و صلاحیت بھی رکھتے ہیں، فالحمد للہ علی ذلک!

انسانوں کے نصوصِ شریعت کے بارے میں کردار، اور ہمارا موضوعِ سخن

نصوصِ شریعت کے بارے انسانوں کی مندرجہ ذیل تین قسمیں ہیں:

۱- سچے اہلِ ایمان: جو نصوص شریعت کے الفاظ و معانی ہر دو کو تسلیم کرنے والے ہیں۔

۲- پکے اہلِ کفر: جو نصوص شریعت کو ماننے کی نسبت ہی نہیں رکھتے۔

۳- اقرار کرنے والے اہلِ اِلحاد: جو نصوص کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کی مراد کو تسلیم نہیں کرتے۔

اب ہم ہر ایک کے کردار، اس کی پہچان اور شرعی حکم کو بیان کرتے ہیں۔

خوب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے جو دین کے واضع اور محافظ ہیں۔ خود قرآن حکیم میں ہر قسم کے کردار کو بیان فرمایا ہے۔ پہلے گروہ کے بارے میں: ''الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' فرمایا جس میں سچے اہل ایمان کو متعارف کرایا۔ دوسرے گروہ کے بارے میں: ''الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا'' والی آیات میں ان اہل کفر وعناد کا تعارف کرایا۔ یہ دونوں قسمیں اس مبحث میں ہمارا موضوع سخن نہیں ہیں۔ ہمارا موضوع تیسرا گروہ ہے، وہ جو اقرار کرنے والے اہل الحاد ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان کا تعارف قرآن حکیم میں: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ط'' (حم السجدۃ: ۴۰) والی آیت میں ہمیں کرا دیا ہے۔ پھر باری تعالیٰ نے ہر فریق کے انجام، اس کے بارے میں اللہ کی رضا اور ناراضگی کا حکم بھی خود قرآن حکیم ہی میں اپنی نصوص قطعیہ میں ثبت فرما دیا ہے۔ ہماری شرعی ذمہ داری ہے کہ بقول ''الدین النصیحۃ'' دین نصیحت و بھلائی اور خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم اس مبارک آیت کی روشنی میں کفر الحاد والوں کی پہچان اور علامات سے آگہی کرائیں۔ آخر یہ کون لوگ ہیں جو اسلام کی طرف نسبت بھی کریں، قرآن وسنت کی مرجعیت کا اظہار بھی کریں، پھر ان کا کونسا وہ عمل ہے جسے اختیار کرنے کی وجہ سے قرآن حکیم ان لوگوں کو رضی اللہ عنہم کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور وعید کا مستحق ٹھہراتا ہے؟۔

اگر ہمارے مخلصین مؤمنین برادران نیز یہی اہل اقرار لوگ اس امر کو اچھی طرح جان لیں اور ہماری نصیحت کو پلے باندھ لیں تو یقیناً اللہ کے غضب سے بچ سکیں گے اور اس کی رحمت عامہ کے یقینی طور پر مستحق بھی ٹھہریں گے پھر وہ ان تمام نعمتوں کے مالک ہوں گے جن کا وارث

حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے ''اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کو بنائیں گے اور ان میں سے اوّلین نعمت اسی دنیا میں صراط مستقیم اور راہِ ہدایت کو پالینا ہے۔ بات انتہائی سادہ اور عام فہم ہے کہ حق تعالیٰ شانہ جو دین کے شارع اور نبی علیہ السلام جو مہبط وحی ربانی ہیں۔ ان کا فیصلہ ہے کہ ہماری شریعت کی نصوص یعنی کتاب وسنت کے الفاظ کو جس طرح تقدس اور تعظیم حاصل ہے اسی طرح ان نصوص کے ان معانی ومفاہیم کو بھی تقدس حاصل ہے جو ان نصوص سے مراد شارع ہیں جنہیں خود شارع نے بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ نصوص والفاظ شریعت کے ساتھ ساتھ مراد شارع کو بھی قبول ومنظور کریں۔ وہ انہیں مضبوطی سے پکڑیں، ایسا نہ ہو کہ الفاظ تو اللہ اور رسول کے ہوں مگر ان کے معنی ومفہوم غیر اللہ اور غیر رسول سے لئے گئے ہوں۔ بس اسی مختصر سی حقیقت کے ادراک کو اگر ایمان ویقین کا درجہ دے دیں تو یہی اہل اقرار یقیناً اہل تصدیق اور یہی اہل الحاد پکے اور سچے مؤمنین بن جائیں گے۔ کیونکہ محض زبانی اقرار یا نصوص شریعت کو زبانی ماننے پر انحصار پھر ان کے اندر اپنی مرضی کے معنی ومفہوم ڈالنا یہی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بلکہ اللہ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی بارے میں تو ارشاد ربانی ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا'' (حم السجدۃ:۴۰) (جو لوگ اللہ کی آیات میں الٹا مطلب ڈالتے ہیں) یہی عمل ان کے لئے موجب غضب ربانی ہے۔

سچے اہل ایمان کی مثال۔ صحابہ کرام:

مزید وضاحت کے لئے صحابہ کرام کی مثال لیجئے۔ اس باب میں ان کے طریق عمل سے ہمیں راہنمائی ملے گی۔ وہ نصوص شریعت کے اولین قبول کرنے والے ہیں، وہ ان کے نزول کے گواہ بھی ہیں اور ان پر عمل کرنے والے اوّلین مطیع بھی ہیں۔ ان کے سامنے اللہ کی آیات نازل ہوتیں، ان کے مفہوم ومعنی اور ان پر عمل کا طریقہ خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں

سکھاتے، اسی لئے آپ نے انہیں فرمایا کہ تم نماز ادا کرو جیسے میں ادا کرتا ہوں۔ یہ فرمایا: میری طرح، یا یہ فرماتے کہ تم حج کرو جس طرح میں مناسک حج ادا کروں، تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اللہ کی آیات کی عملی تفسیر ہے یا نصوص شرعیہ کے مقرر کردہ مفاہیم و مراد ہیں، پھر صحابہ کرام ان آیات کو انہی مفاہیم و معانی پر منطبق کرتے جو اللہ کے رسول سے انہیں علمی یا عملی طور پر ملتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھائے اور سمجھائے یا عمل کر کے بتائے۔ صحابہ کرام کے اس طریق کار اور اس جیسے ایمان و عمل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ کا شرف بخشا، ان کا عمل و ایمان یہی تھا کہ وہ شرعی نصوص کو ان کے شرعی معنی و مفہوم پر محمول کرتے، اسی بنا پر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا ''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔'' اور جناب رسول اللہ کی طرف سے بھی انہیں رضا کی شہادت مل گئی اور بعد والوں کو بھی ایمان و عمل میں انہیں کی اتباع کا درس دیا گیا۔ ''وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ'' (التوبۃ:۱۰۰) کا یہی مطلب ہے کہ اللہ صحابہ سے راضی اور ان کی بخوشی اتباع کرنے والوں پر بھی راضی ہے۔

مطیع و مطاع اور مطاعِ خالص و مطیعِ خالص

یہاں ایک اہم نکتہ جاننا انتہائی مفید ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ''مُطاعِ خالص'' ہے، وہ کسی کے مطیع نہیں، اللہ کے رسول، اللہ کے مطیع ہیں اور اُمت کے لئے مُطاع ہیں۔ رہے اصحابِ رسول تو وہ ''خالص مطیع'' ہیں، جو اطاعت شعاری میں اوّلین اور اللہ و رسول کی اطاعت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں، وہ اُمت کے اوّلین سرخیل رجالِ کار ہیں، جنہیں نصوصِ شریعت پر عمل کا موقع ذاتِ پیغمبر کی نگرانی میں ملتا ہے۔ لہٰذا پوری اُمت میں غیر نبوّت میں صرف انہیں کا یہ مقام ہے کہ ان کی سنت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار پائے، اور صرف وہی اُمت میں

معیارِ ایمان ٹھہریں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عمومی اُمت کو یہی تعلیم دی کہ ''اگر تم ان جیسا ایمان لاؤ تو ہدایت پاؤ گے'' وگرنہ نہیں۔ الغرض! نصوصِ شریعت اور الفاظ کتاب وسنت کے تقدس وتعظیم کے ساتھ ساتھ ان کی اللہ اور رسول کی طرف سے مقررہ مراد کا تقدس وتعظیم بھی شرعاً مطلوب ہے۔ صحابہ کرام کا عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ وحی مبارک کی کسی نص پر عمل کرنے سے پہلے صاحب وحی سے اس کی مراد اور اس کے معنی ومفہوم کو دریافت فرما کر عمل کرتے یا خود ہی صاحب وحی ان کے لئے مرادِ شارع کا بیان بھی فرما دیتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: مجھے قرآن بھی دیا گیا (یعنی الفاظ وحی) اور قرآن کا بیان بھی دیا گیا۔ یعنی قرآن اور مراد قرآن وحی اور مراد وحی الفاظ اور ان کے معانی ہر دو چیزیں عطا کی گئیں۔

سچے اہلِ ایمان کے اُسلوبِ عمل کی امام شافعیؒ کے قول سے وضاحت

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ (جن کا نام نامی قادیانیت کی تیار کردہ فہرست مجدّدین میں موجود ہے) اس اہم نکتے کی یوں شرح فرماتے ہیں:

> ''کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے ہر قول کو اللہ کی مراد کے مطابق مانتے ہیں اور رسول اللہ کی طرف سے آنے والے ہر قول کو رسول اللہ کی مراد کے مطابق مانتے ہیں۔''

جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نصوصِ شریعت یا الفاظ کتاب وسنت پر اللہ ورسول کی طرف سے ان کی متعین مراد کے مطابق ہی انہیں ماننا ایمان ہے، صرف الفاظ کو ماننا اور ان کی شرعی مراد کو نہ ماننا ہرگز ہرگز ایمان نہیں۔ آیات اللہ یا احادیثِ رسول کی اپنی مرضی سے تفسیر وبیان مقرر کرنا اور محض اللہ اور رسول سے ثابت شدہ اور صحابہ کرام سے جو ثابت ہو مجددین دین کی بیان کردہ ہی تفسیر وتشریح ہو جو مسلسل سند سے ثابت شدہ مسلمات میں سے ہو اسے تسلیم کرنا ہی سچے

اہل ایمان کی پہچان ہے مگر ان سے انحراف کر کے نئی تحقیقات جو کتاب وسنت کے شرعی مدلولات کے خلاف ہوں، مسلمات اُمت کے مخالف ہوں، انہیں پیش کرنا، یہی ''اِلحاد فی آیات اللّٰہ'' ہے۔ اور یہی عمل ایسا کرنے والوں کے لئے اللّٰہ کی ناراضگی کا موجب ہے، کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ اپنے کلام میں اور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں یہ چاہتے ہیں کہ صرف انہی کی مراد پر عمل ہو۔ لہٰذا بات واضح ہے کہ جنہیں اللّٰہ ورسول کے الفاظ تو منظور ہیں مگر ان کی بتائی ہوئی مراد منظور نہیں اللّٰہ تعالیٰ کو بھی ان کا اقرار واعتراف ہرگز ہرگز منظور نہیں بلکہ یہ اللّٰہ اور رسول اللّٰہ کے ہاں آیات اللّٰہ اور احادیث رسول اللّٰہ کا ہی انکار ہے جس کا نام قرآنی شریعت میں کفرِ الحاد ہے۔ وہ قرآنی آیت جو اس کفرِ الحاد کو بیان کر رہی ہے اس کا ترجمہ یوں ہے:

> ''جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں (یعنی اُلٹے مطلب ڈالتے ہیں) وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ تو کیا وہ جو آگ میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن میں رہے گا۔ تم جو چاہے کرو۔ اللّٰہ تمہارے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔''

اس کے سادہ ترجمے سے معلوم ہو گیا کہ اللّٰہ کے ہاں الفاظ کا صرف اقرار اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ نامنظور ہے جب تک ان کی اس مراد کو بندہ منظور نہ کرے۔ جو اللّٰہ کی مراد ہے، جو رسول اللّٰہ کی مراد ہے اور جو صحابہ کرام سے لے کر آج تک اُمت میں مسلسل سند کے ساتھ اُمت کے ہر طبقہ میں مسلم الثبوت ہے۔ لہٰذا پہلا گروہ جو شریعت کے الفاظ ومراد ہر دو کو تسلیم کرنے والا ہے۔ یہ انسانوں کی ایک قسم ٹھہری اور دوسرا گروہ یعنی جو اقرار ہی نہیں کرتے یا الفاظ کا اقرار کرتے ہیں مگر مراد کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ انسانوں کی دوسری قسم ہے۔ قرآن حکیم نے ہر دو قسموں کا بیان اس آیت میں کیا ہے۔ اللّٰہ کی ذات وہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ تم میں ایک

گروہ مؤمن ہے اور دوسرا کافر ہے۔قرآن حکیم نے کفر انکار اور الحاد ہر دو کو کفر ہی کی قسم قرار دیا ہے نیز اہل اسلام اور قادیانیت ہر دو کے ہاں بھی کفر انکار اور کفر الحاد ایک ہی کفر ہونے کا حوالہ بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اِلحاد فی آیات اللّٰہ کی ایک مثال

اس بات کو مثال سے مزید یوں سمجھئے کہ لفظ قرآنی ''خاتم النّبیین'' کا ایک معین مفہوم شرعی ہے، جسے لفظ قرآن کی دیگر ایک سو سے زائد آیات میں جناب محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونا ہی مقرر ہے۔ پھر احادیث میں بھی یہی اس کی تفسیر ہے۔خود مرزا غلام احمد قادیانی نے حدیث مبارک ''لا نبی بعدی'' کو ایسی مشہور حدیث کہا ہے جس میں کسی کو کلام نہیں ہے۔صحابہ کرام کا پہلا اجماع بھی آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ہی ہوا۔اب اگر کوئی فرد یا جماعت آیت خاتم النّبیین کو تو مانے مگر اس کے مفہوم شرعی کا انکار کرے تو یہ کفرِ الحاد ہے۔

ایمان کا مسئلہ نہایت ہی سادہ ہے اور ارکان ایمان بھی سبھی اہل اسلام کو معلوم ہیں۔کفر انکار کا مسئلہ بھی نہایت سادہ ہے۔رہا کفر الحاد تو یہ بھی واضح ہو گیا ہے جس میں کچھ تامل اور تفصیل مطلوب ہے کہ اس میں:

اوّلاً:- بندوں کو اس ضابطے کا علم ہو کہ شرعی نصوص کے شرعی معنی ومفہوم کو ماننا بھی نصوص کے ماننے کے ساتھ ساتھ ایمان کا بنیادی رکن ہے۔جیسا کہ صحابہ کرام کے عمل سے اور امام شافعی کے قول سے ہم نے اس کی وضاحت کی ہے۔

ثانیاً:- وہ نص شرعی کیا ہے جس میں الحاد ہو سکتا ہے؟

ثالثاً:- ان نصوص کے شرعی معنی ومفہوم کیا ہیں؟

جیسے کہ لفظ ''خاتم'' کے لغت اور شرع میں معنی صرف اور صرف ''آخر'' ہی ہیں۔اس کا

معنیٰ ''ختم کرنے والا'' بھی ہے۔''افضل'' نہ اس کا لغوی معنی ہے نہ قرآنی استعمال ہے۔مجبوراً کسی عاقل انسان کے قول کو لغو کرنے یا کذب سے بچانے کی خاطر مجازی طور پر لوگ اگر استعمال کرتے ہیں تو یہ اس لفظ کا معنی نہیں بلکہ اس کا مجازی استعمال ہے اس موقع پر۔

یہ بھی یادرہے کہ کسی لفظ کا مجازی استعمال اس لفظ کا معنی نہیں ہوتا۔شیر کو مجازاً بہادر آدمی کے لئے استعمال کرنے سے شیر کا معنی بہادر نہیں ہوجاتا۔کسی کو خاتم المفسرین کہنے پر اس کی مجازی توجیہ کا سہارا نہ لیں تو عاقل کا قول کذب اور خلاف واقع ٹھہرے گا۔کیونکہ کسی مخلوق کو تو یہ حق ہی نہیں کہ وہ کسی شخص کو خاتمیت بمعنی آخریت کا لقب دے۔یہ لقب تو صرف اور صرف علام الغیوب کو دینے کا اختیار ہے۔غور کریں قادیانیت کے دجل اور اِلحاد فی آیت اللہ میں کہ مجازی استعمال کو معنی لفظ قرار دے کر کس طرح انسانیت کو دھوکا دیا اور لفظ خاتم کے لغوی معنی اور شرعی مفہوم کو جو شارع کی طرف سے متعین ہی اسے پس پشت ڈال دیا (العیاذ باللہ)۔

قرآن وسنت کے الفاظ اور ان کے شرعی معنی ومفہوم کو جاننے کا آسان طریقہ اور فیصلہ کن اسلوب یہ ہے کہ جب اہل اسلام اور ملت قادیانی ہر دو فریق میں اُمت کے اندر مجددین کے وجود ہر دو فریق تسلیم کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:''ہر صدی میں تجدید دین کی خاطر مجدد آتے رہیں گے'' تو پھر وہ ان پر ہی اعتماد کرلیں۔مگر مجدد کون ہوگا۔مجددین کا کام کیا ہے؟ مجددین کے عمل کی وضاحت بھی خوب جان لیں کہ وہ اُمت کی دین میں یہ رہنمائی کریں گے،انہیں ''ما أنا علیه و أصحابي ''یعنی رسول اللہ اور صحابہ کرام کے عقائد ومنہج کی طرف لوٹانے کی سعی کریں گے۔

اہلِ ایمان اور اہلِ اِلحاد میں فیصلہ کن طریقہ کار

مجددین کے آنے اور ان کے وظیفہ پر اتفاق کے بعد ہم گزارش کرتے ہیں کہ ایک

قادیانی مصنف مولوی خدا بخش نے ہی ''عسل مصفیٰ'' نامی کتاب میں اُمتِ مسلمہ کے مجددین کی فہرست صدی وار تیار کی ہے۔ اسے لے لیں نیز یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کا مصنف ہر روز اپنے مقتدا مرزا غلام احمد کو روزانہ جو تالیف کرتا سناتا اور مرزا صاحب پورے اہتمام سے اسے سنتے۔ گویا مجددین کی یہ فہرست مرزا صاحب کی طرف سے مؤید و موثوق ہے۔ ہم جملہ انسانوں اور مسلمانوں کی عمومی اور قادیانیت کی خصوصی بھلائی کی خاطر انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ وہ تمام شرعی نصوص کو ان کے شرعی معنیٰ و مفہوم کے جاننے کی خاطر ان نصوص میں ان مجددین حضرات کی لکھی گئیں تحریروں کو سامنے رکھ لیں پھر مرزا صاحب کی تجدیدات کا ان سے موازنہ کر لیں، اگر مرزا صاحب کی تجدیدات ان مجددین کی تحریرات کے خلاف ہیں تو وہ یقین کر لیں کہ ان مسلمہ مجددین کا عمل تو یقیناً تجدیدی عمل ہے۔ مگر مرزا صاحب کی تجدیدات تحقیقی عمل نہیں... بلکہ تحریفات ہیں... جو اِلحاد فی آیات اللہ کے زُمرے میں شمار ہوں گی۔

فہرستِ مجددین

اب مجددین کی وہ فہرست جو قادیانی مصنف کی تیار شدہ اور مرزا غلام احمد کی موثوق شدہ ہے، یوں ہے:

پہلی صدی کے مجددین

۱-عمر بن عبدالعزیز۔ ۲-سالم۔ ۳-قاسم۔ ۴-مکحول۔

دُوسری صدی کے مجددین

۱-امام محمد بن ادریس ابوعبداللہ شافعی۔ ۲-احمد بن محمد بن حنبل شیبانی۔ ۳-یحییٰ بن معین بن عون عطفانی۔ ۴-الشہب بن عبد العزیز بن داؤد قیس۔ ۵-ابوعمرو مالکی مصری۔ ۶-خلیفہ مامون رشید بن ہارون۔ ۷-قاضی حسن بن زیاد حنفی۔ ۸-جنید بن محمد بغدادی۔

۹-سہل بن ابی سہل بن رنحلہ شافعی۔ ۱۰- بقول امام شعرانی حارث بن اسد محاسبی ابوعبداللہ بغدادی۔۱۱-بقول قاضی القضاۃ علامہ عینی احمد بن خالد الخلال ابوجعفر حنبلی بغدادی۔

تیسری صدی کے مجددین

۱- قاضی احمد بن شریح بغدادی شافعی۔ ۲-ابوالحسن اشعری متکلم شافعی۔ ۳-ابوجعفر طحاوی ازدی حنفی۔ ۴-احمد بن شعیب ابوعبد الرحمٰن نسائی۔ ۵-خلیفہ مقتدر باللہ عباسی۔ ۶-حضرت شبلی صوفی۔ ۷-عبیداللہ بن حسین۔ ۸-ابوالحسن کرخی حنفی۔ ۹-امام بقی بن مخلد قرطبی۔

چوتھی صدی کے مجددین

۱-امام ابوبکر باقلانی۔ ۲-خلیفہ قادر باللہ عباسی۔ ۳-ابوحامد اسفرائنی۔ ۴-حافظ ابو نعیم۔ ۵-ابوبکر خوارزمی حنفی۔ ۶-ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحکم نیسابوری (بقول شاہ ولی اللہ)۔ ۷-امام بیہقی۔ ۸-حضرت ابوطالب ولی اللہ صاحب قوت القلوب۔ ۹-حافظ احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی۔ ۱۰-ابواسحاق شیرازی۔ ۱۱-ابراہیم بن علی بن یوسف فقیہ ومحدث۔

پانچویں صدی کے مجددین

۱-محمد بن محمد ابواحمد غزالی۔ ۲-حضرت رعوانی حنفی (بقول عینی وکرمانی)۔ ۳-خلیفہ مستظہر بالدین مقتدی اللہ عباسی۔ ۴-عبداللہ بن محمد انصاری ابواسماعیل ہروی۔ ۵-ابوطاہر سلفی۔ ۶-محمد بن احمد ابوبکر شمس الدین سرخسی حنفی۔

چھٹی صدی کے مجددین

۱-محمد بن عمر ابوعبداللہ فخر الدین رازی۔ ۲-علی بن محمد۔ ۳-عز الدین بن کثیر۔ ۴-امام رافعی شافعی صاحب زبدۃ شرح شفاء۔ ۵-یحیٰی بن حبش بن میرک حضرت شہاب الدین

سہروردی۔ ۶- یحییٰ بن شرف بن حسن محی الدین نووی۔ ۷- حافظ عبد الرحمٰن ابن جوزی۔ ۸-حضرت عبدالقادر جیلانی۔

ساتویں صدی کے مجددین

۱- احمد بن عبدالحلیم تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی۔ ۲-تقی الدین ابن دقیق العید۔ ۳- شاہ شرف الدین مخدوم بھائی سندی۔ ۴-حضرت معین الدین چشتی۔ ۵- حافظ ابن القیم جوزی۔ ۶-عبداللہ بن سعد یافعی شافعی۔ ۷-قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ دمشقی حنفی۔

آٹھویں صدی کے مجددین

۱- حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ۲- حافظ زین الدین عراقی۔ ۳-صالح بن عمر بن ارسلان قاضی بلقینی۔ ۴-علامہ ناصرالدین شاذلی۔

نویں صدی کے مجددین

۱-عبدالرحمٰن بن کمال الدین شافعی المعروف جلال الدین سیوطی۔ ۲-محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی شافعی۔ ۳-سید محمد جون۔

دسویں صدی کے مجددین

۱- ملاعلی قاری۔ ۲-محمد طاہر پٹنی گجراتی محی الدین محی السنۃ۔ ۳-حضرت علی بن حسام الدین۔

گیارہویں صدی کے مجددین

۱- عالمگیر بادشاہ غازی اورنگزیب۔ ۲- حضرت آدم بنوری۔ ۳-شیخ احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین فاروق سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی۔

بارہویں صدی کے مجددین

۱-محمد بن عبدالوہاب نجدی۔ ۲-مرزا مظہر جان جاناں دہلوی۔ ۳-سید عبدالقادر بن احمد بن عبدالقادر حسنی کوکبانی۔ ۴-حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ۵-امام شوکانی۔ ۶-علامہ سید محمد بن اسماعیل امیر یمنی۔ ۷-محمد حیات بن ملا ملا زیہ سندھی مدنی۔

تیرہویں صدی کے مجددین

۱-سید احمد بریلوی۔ ۲-شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ ۳-مولوی محمد اسماعیل شہید دہلوی۔ ۴-شاہ رفیع الدین (بعض کے نزدیک)۔ ۵-شاہ عبدالقادر (بعض کے نزدیک)۔

مجدد، مجدد ہے، نبی ہرگز نہیں

عوام کی رہنمائی کی خاطر ہم ان مجددین کے تجدیدی کارناموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ مجددین حضرات انبیاء نہیں تھے، نہ ہی کوئی مجدِّد نبی ہوتا ہے نہ آئندہ ہوگا۔ نہ محدَّث نبی ہوتا ہے نہ آئندہ ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا کہ انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ ہاں البتہ اُمت میں مجدد و محدث آتے رہیں گے۔

صحابہ کرام اُمت کا اعلیٰ ترین طبقہ ہے اور خلفائے راشدین صحابہ کا اعلیٰ ترین طبقہ۔ ان میں سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ محدّث تو بنے مگر نبوّت کے درجہ تک نہ پہنچے تو بعد میں آنے والا کیسے درجۂ نبوّت پاسکتا ہے؟ محدّث بھی نصوص شریعت کو شارع کے خلاف پر محمول نہیں کرتا نہ ہی مجدد ایسا کرتا ہے۔ مجدد کی یہ سعی ضرور ہوتی ہے کہ اُمت کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقہ پر لانے اور ڈالنے کی محنت کرے۔

مجددین اسلام کے تجدیدی عمل کی مثالیں

مثال کے طور پر ہم پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ذکر کرتے

ہیں۔ جب مسلمانوں میں اصحاب رسول اللہ اورآل رسول کے بارے کچھ انحراف ہوا کہ لوگ ان کی محبت وتعظیم یا ذکر اصحاب وآل رسول میں افراط وتفریط کا شکار ہونے لگے تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اُمت کے خطباء کو منبروں پر اصحاب وآل رسول کی عظمت کو پابندی سے بیان کرنے پر مامور کیا یہاں تک کہ معاملہ کی اصلاح فرمادی۔ نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت راشدہ کی طرف اپنے نظام حکومت کو لوٹانے کی سعی فرمائی۔ یہی ان کا تجدیدی کارنامہ ہے۔انہوں نے اسلامی مسلمات میں نئی تحریفات پیش نہیں کیں۔

اسی طرح دوسری مثال ملاحظہ کیجئے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے جب برصغیر میں بدعت کی اشاعت دیکھی تو انہوں نے پوری عزیمت سے عوام وخواص میں سنت کی عظمت اور سنت سے محبت پیدا کرنے اور بدعات سے نفرت دلانے کے لئے کامیاب ترین سعی فرمائی۔

اسی طرح شیخ محمد عبدالوہاب کی جزیرۂ عرب میں جدوجہد کو دیکھیں۔انہوں نے بھی احیائے سنت اور عقائد اہل سنت کے افصاح واظہار اور تبیین کے لئے سعی فرمائی۔

کسی بھی دور کے کسی مجدد نے قرآن وسنت کے مقررہ مفاہیم ومراد اور اُمتِ مسلمہ کے مسلمات میں تحقیق وتجدید کے نام سے تحریف کا ارتکاب نہیں کیا جبکہ قادیانی مجدد مرزا غلام احمد کا تجدیدی کارنامہ صرف اور صرف مسلمات اسلامیہ میں تبدیلی اور تحریف کے گرد گھومتا ہے۔

مرزا غلام احمد کی تجدیدی یا تحریفی عمل کی مثال

اب ہم مرزا غلام احمد یا قادیانیت کی تجدید کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

پوری اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ جملہ اہل ایمان جو ضروریات دین اور ارکان ایمان کو مانتے ہیں وہ مسلمان ہیں۔کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گناہگار ہو اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنا خلاف اسلام عمل اور مسلمات اسلامیہ کے منافی ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کا کام ایمانی دولت کو

انسانوں میں تقسیم کرنا ہے، اہل اسلام کو کافر بنانا نہیں ہے نہ جملہ انسانوں میں اسلام سے نفرت پیدا کرنا ہے۔ اسلام نے تو الفت ومحبت سے اپنی تعلیمات کو پھیلانے کا حکم دیا ہے۔ حکمت سے اپنی دعوت کو پیش کرنے کو اہل علم کا لازمی فریضہ قرار دیا۔ کسی مجدد کا انکار اُمتِ مسلمہ کے ہاں کفر نہیں۔ مجدد کے منکرین کی تکفیر مسلمات اسلامیہ اور اِجماعِ اُمت کے خلاف عمل ہے پھر جب مجدد بھی ایسا ہو جو اس اُمت کے مجددین کے طریقے پر ہی نہ ہو، نہ وہ علمی، اصلاحی اور فہم دین میں اپنا وہ مقام رکھتا ہو۔ جو تجدید کا تقاضا ہے وہ اُمت کے معروف مجددین کے تجدیدی عمل کے برخلاف اُمت کی دین میں اصلاح کے بجائے انہیں اپنی غیر شرعی تاویلات کے ذریعہ الحاد فی آیات اللہ کے راستہ پر ڈالنے والا ہو۔ ایسا شخص تو خود محرف ہوتا ہے تو وہ خود مجددین کی صف سے ہی خارج ہوتا ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ اسکا ماننا ایمان اور اس کا انکار کفر قرار دیا جائے؟ جیسا کہ قادیانیت کا ایمان ہے یہ تحریف کی کھلی مثال ہے۔

مرزا غلام احمد اور قادیانیت کا تجدیدی کارنامہ اہل ایمان کی تکفیر اور اس کی مثالیں

ہماری نظر میں قادیانیت کا اصول دین سے اولین انحراف یا الحاد فی آیات اللہ کی کھلی مثال ان کی اہل ایمان کی اندھا دھند وہ تکفیر ہے جس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔ کسی اسلامی مجدد نے کسی مسلمان کی بغیر وجوہ کفر کے کبھی تکفیر نہیں کی مگر قادیانیت اور اس کے بانی کے ہاں تو معاملہ الٹ اور عجیب وغریب ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

مرزا غلام احمد رقم طراز ہے:

''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے۔ اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔''

(تذکرہ مجموعہ الہامیہ ص:۶۰۰)

مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے:

''ہر ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا اور یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔'' (کلمۃ الفصل ص:۱۱۰)

مرزا بشیر احمد مزید لکھتا ہے۔

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔''

(آئینہ صداقت ص:۳۵، درخزائن روحانیہ:۱۸)

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

''جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا۔''

مرزا غلام احمد اپنے عربی منظوم میں لکھتا ہے:

"إن العدا صاروا خنازير الفلا

ونساؤهم من دونهن الأكلب"

میرے دشمن جنگلوں کے خنزیر جبکہ ان کی عورتیں کتیا ہیں۔''

(نجم الہدیٰ ص:۵۳)

مرزا غلام احمد کے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

''اب یہ معاملہ صاف ہے اگر نبی کریم کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود کا انکار

بھی کفر ہونا چاہئے۔ کیونکہ مسیح موعود نبی کریم سے الگ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ وہی ہے۔ اور اگر مسیح موعود کا منکر کافر نہیں تو نعوذ باللہ نبی کریم کا منکر بھی کافر نہیں۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں تو آپ کا انکار کفر ہو مگر دوسری بعثت میں جس میں بقول حضرت مسیح موعود آپ کی روحانیت اقوی اور اکمل اور اشد ہے آپ کا انکار کفر نہ ہو۔'' (ریویو آف ریلیجز ص:۱۴۷)

مزید اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۹ پر مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

''گیارہواں اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اچھا اگر حضرت مسیح موعود اپنے منکروں کو کافر سمجھتے تھے تو کیوں آپ نے ان سے وہ سلوک روا کیا جو کافروں سے جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اعتراض کرنا معترض کی ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم نے یہود تک کے سلام کا جواب دیا۔''

ہمارا شرعی واجب

چونکہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام خاتم النّبیین ہیں، وہ رحمۃ للعالمین ہیں، انہوں نے ہمیں تعلیم دی کہ ہمارا دین سراسر بھلائی اور خیر خواہی ہے۔ عمومی انسانیت کو ہر کفر اور الحاد سے بچانا اُمتِ محمدیہ کا شرعی واجب ہے۔ جس ذات گرامی کی لائی ہوئی دعوت کو ہمیں عام کرنا ہے جس کے اعزاز ختمِ نبوّت کے صدقے ہمیں دعوت کی عظیم ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے قلوب میں کسی انسان کی عداوت نہ ہو، کسی کی کدورت نہ ہو، ہر ایک کے لئے محبت،

ہر ایک کے لئے اخلاص، ہر ایک کے نصیحت وبھلائی کا جذبہ۔ یہ ہمارا کردار خود ہمارے دیندار ہونے کی علامت بھی ہوگا۔

اسی جذبے کے پیش نظر ہم قادیانی حضرات سے ادب سے عرض کرتے ہیں کہ تجدید اور تحریف میں کھلا فرق ہے۔ مجدد کے عمل اور کردار اور اہداف سب پر عیاں ہوتے ہیں؟ شریعت کی نصوص پر ایمان مطلوب ہے، مگر نیز نصوص قرآن وسنت کو ان کے ان معنی ومفہوم شرعی کے ساتھ لینا ہی ایمان ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد ہے، یہی ہم سب کا شرعی واجب ہے، یہی ہم سے مطلوب ہے، یہی صحابہ کرام کی سنت اور طریقہ ہے، اور یہی مجددین اُمت کی تعلیمات ہیں۔

لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے کفر عناد سے نکالا اللہ کی آیات میں الحاد سے بھی براءت کا اظہار کریں اور قرآن وسنت کے الفاظ کو ان کے معنی ومفہوم اور مراد کے ساتھ ہی تسلیم کریں کیونکہ نص شرعی اور مراد شرعی ہر دو کو تسلیم کرنا ہی اہل ایمان سے مطلوب ہے۔

خلاصۂ مبحث

اس مبحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں پیش خدمت ہے:

۱- اسلام کا واضع اور اس کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔

۲- شرعی نصوص کے ساتھ تعامل میں انسانوں کی تین اقسام: اہل ایمان وتسلیم، اہل کفر وعناد، اہل اقرار والحاد، ہر ایک کی پہچان اور شرعی حکم۔

۳- نصوص شریعت اور مفاہیم شریعت دونوں میں صحابہ کرام کی علمی وعملی مثال۔

۴- سچے اہل ایمان کون؟ امام شافعی کا قول۔

۵- الحاد فی آیات اللہ کی مثال۔

۶- مجددین اور دین کی تجدید اور اصلاحِ اُمت میں ان کا کردار۔

۷- اہل ایمان اور اہل الحاد میں حد فاصل یا فیصلہ کن طریقہ کار۔

۸- مجددین کے نام صدی وار۔

۹- مجدد نبی نہیں ہوسکتا۔

۱۰- مجددین کے تجدیدی کارناموں کی مثالیں۔

۱۱- قادیانیت کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ، اہل ایمان کی تکفیر۔

۱۲- ہمارا شرعی واجب۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اُمتِ اجابت کو حق پر استقامت عطا فرمائے اور دین اسلام کو کفر عناد اور کفر الحاد کے فتنوں سے محفوظ فرمادیں۔ اہل حق کو حق کے تحفظ کی توفیق مرحمت فرمادیں۔ آمین۔

نمبر ③ ازسلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

ایک غیر شرعی غیر آسمانی نظریہ

جسے دُنیا کے مہذب انسان بھی تسلیم نہیں کرتے

''نظریۂ بروز، ظل، مثیل''

اس کے اسلام اور دیگر اَدیان پر خطرناک منفی اثرات

نقطۂ آغاز

ان سطور میں ہم ایک نقطۂ نظر کی وضاحت کریں گے، ہم اس کے موجد، اس کی خاطر منصوبہ بندی کرنے والے، اسے رواج دینے والے پھر اس کے خطرناک اثرات کی طرف اشارہ کریں گے۔

یہ نقطۂ نظر ایسا عجیب وغریب ہے کہ کسی آسمانی دین میں اس کا وجود نہیں، نہ ہی کوئی مہذب انسانی معاشرہ اس سے واقف ہے۔ نہ کسی معقول انسان کے حاشیہ خیال میں اس کا تصور ہی ممکن ہے۔ تمام ادیان سماویہ چاہے وہ یہودیت ہو یا نصرانیت یا اسلام، کسی بھی دین میں اس نقطۂ نظر کے پیروکار نہیں۔ توریت، انجیل اور قرآن میں کہیں اس نقطۂ نظر کی کوئی مثال ونظیر نہیں ملتی۔ سنت نبویہ میں بھی اس لفظ کا اور نہ ہی اس کے ہم مثل کلمہ کا کہیں ڈھونڈے سے وجود ملتا ہے۔

نظریۂ بروز وظل اور مثیل

یہ نظریہ بروز وظل اور مثیل ہے۔ جو مرزا غلام احمد قادیانی کی شریعت کا اہم اساسی نکتہ اور قادیانیت کی جملہ تعلیمات کی بنیاد ہے۔

عجیب امر یہ ہے کہ اس نقطۂ نظر کو اسلام اور قرآن کے نام پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے رواج دینے کے لئے ’’بعثت نبوّت‘‘ جیسے مقدس مقام ومنصب کے نام کو استعمال میں لایا گیا۔ اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مبارک نام کی طرف کی گئی ہے۔ اور افضل البشر سید الرسل حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شخصیت کے ساتھ اسے جوڑا گیا ہے۔ اور یہ تمام

عمل ایک عام غیر معصوم شخص کو جس کی سیرت معروف ہے، عصمت کے عالی مقام تک لیجانے اور مرزا غلام احمد قادیانی کو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ بنانے کی خاطر کیا گیا، تاکہ اس کے بعد جب بروز کو اپنے اصل پر فوقیت وقوت اور ظلی نبوّت میں حقیقی نبوّت سے بڑھکر روحانیت کا اعلان کیا جائے تو پھر ضعیف و کمزور اور ماضی کی شخصیت کے بجائے موجودہ اور اقوی شخصیت کو پیشوا کے طور اختیار کرنے اور اسی کی تعلیمات کو مرجعیت کا درجہ دینے کی راہ ہموار کی جائے۔

آج قادیانیت کے ذرائع ابلاغ عامہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی قدیم تعلیمات کی جگہ اپنے مجدد اور اس کی تجدیدات کا رات دن پرچار کررہے ہیں جس کا مشاہدہ M T A پر بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

کیا کسی مہذب یا معاشرے میں اس نظریے کا وجود ہے؟

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ کسی مہذب معاشرے میں اس کے کسی عظیم رہنما کے دنیا سے چلے جانے کے بعد کسی دیگر شخصیت کی صورت میں اس کے ظہور کا کوئی تصور موجود نہیں، کیونکہ اولاً تو دو ایک نہیں ہوتے۔ پھر موت کے واقع ہونے کے بعد اس دنیا سے موت کے واقع ہوجانے کے بعد جانے والا، دوسری بار ظاہر نہیں ہوتا۔ اس بات پر پوری دنیا کا اجماع ہے اور سب کا مشاہدہ بھی ہے، قرآنی تعلیمات اس پر شاہد ہیں کہ اس دارِ دنیا سے موت کے بعد کوچ کر جانے والا صرف آخرت ہی میں مبعوث ہوگا، کسی شخص کی بعثت ثانیہ کا قرآن میں ہرگز کوئی تصور نہیں ہے۔

بعثتِ نبوی کی مدت - آغاز وانتہا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بطور خاتم النّبیین ہوئی ہے، ان کی نبوّت کا زمانہ

قیامت تک کے لئے مقرر کیا گیا ہے، ان کی رسالت ودعوت عہد بعثت کے اوّل انسان سے لے کر آخری فرد تک کو شامل ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کا صراحت سے اعلان کیا ہے کہ آپ ہی ’’اوّلین‘‘ کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور ’’آخرین‘‘ کے لئے مسلسل اور منقطع نہ ہونے والی بعثت ہے۔ مگر مرزا غلام احمد نے آپ کی اس مسلسل بعثت کو دوحصوں میں تقسیم کردیا، تاکہ اُمتِ مسلمہ کی تقسیم ہوسکے، پھر خود کو نبی کریم علیہ السلام سے علیحدہ نہ ہونے کی انتھک سعی کی اور بار بار کہا کہ میں وہی ہوں، میرے اوراس میں ثنائیت نہیں، ’’میرا وجود اس کا وجود ہے‘‘۔[۱] اس کی نبوّت کا عکس مجھ پر پڑا اور میں ظلی نبی ہوا، اور یہاں تک دعویٰ کرڈالا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز میری (یعنی مرزا غلام احمد کی) صورت میں ظاہر ہوا۔[۲] اور یہ بروز پہلی بعثت سے روحانیت میں بڑھ کر، مکمل، بھرپور اوراتم ظہور ہے (معاذ اللہ) یہی عقیدۂ بروز ہے۔

نظریۂ بروز سے غرض

اس طرح ان کی کوشش رہی کہ وہ دو کو ایک ثابت کریں تاکہ عقیدۂ ختمِ نبوّت بھی نہ ٹوٹنے پائے اور ان کی اپنی نبوّت وشریعت اور خود ساختہ تجدیدات بھی جاری اور ساری رہیں۔

اسی غرض کے لئے نظریۂ بروز وظل کی اصطلاح مرزا غلام احمد کی زبان پر لائی گئی، پھر اسے قادیانی ادب میں دین کا اساسی نظریہ شمار کیا گیا۔ اس نظریہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت تا قیامت کی نص قطعی قرآن میں موجود ہے۔ پھر

---

(۱) خطبہ الہامیہ ص:۲۵۸، روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۵۸۔

(۲) ایک غلطی کا ازالہ ص:۸ ں روحانی خزائن ج:۱۸ ص:۲۱۲۔

مشہورحدیث: ''لا نبی بعدی'' بھی ناقابل رَدّ ہے۔(بقول مرزاغلام احمداس کی شہرت سے کسی کو انکارنہیں ہوسکتا)۔[1] آیت خاتم النّبیین کی تفسیر میں ایک سو سے زائد دیگر قرآنی آیات وارِد ہیں۔آپ کا لایا ہوا دین، دینِ کامل ہے،اس کا اعلان بھی قرآن میں ہو چکا،آپ کی دعوت ورسالت،دعوت ورسالتِ عامہ ہے جو پوری انسانیت کے لئے ہے،آپ کی نبوّت خاتمہ قیامت تک کے تمام زمانوں کومحیط ہے۔دوسو سے زائداحادیث وآثارختمِ نبوّت کے مفہوم کوواضح طور پر متعین کررہے ہیں کہ آپ کے بعدکسی کی نبوّت نہیں چلے گی۔اُمت کے جملہ طبقات،صحابہ کرام ہوں یا تابعین، ائمہ مجتہدین ہوں یا ائمہ حدیث وتفسیر ہر دور میں اُمتِ مسلمہ کے جملہ افرادخاتم النّبیین کے مانے بغیرکسی شخص کی کوئی بات دین واسلام کے نام پر سننے کوتیارنہیں۔ اسی لئے مرزاغلام احمد کی زبان پرایسالفظ ڈالا گیاجواپنے اندربہت سےسوالات کے جوابات اوروارداشکالات کابظاہرحل رکھتا ہوکہ کیسے۔

- ✡ جناب محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعدنبوّت کی جراُت؟
- ✡ جناب محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں نبوّت کا اجراء؟
- ✡ جناب محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ شریعت کا پیش کرنا؟
- ✡ اُمت کا محبتِ رسول میں حددرجہ حساس ہونا، پھر دیگر کی نبوّت؟
- ✡ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے ساتھ برابری اور افضلیت کے تصور کا ناممکن القبول ہونا؟

---

(۱) کتاب البریہ ص:۱۹۹'۲۰۰'روحانی خزائن ج:۱۳ص:۲۱۷'۲۱۸۔

✡ پھر عیسائیت کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کے سامنے دیگر کے مقام کا تصور؟

✡ عیسائیوں اور مسلمانوں کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع وحیات کے عقیدہ کا وجود؟ قبل از قیامت ان کا نزول ہونا؟

یہ وہ مجمع علیہ اور قطعی الثبوت ہیں جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ سے واضح طور پر ثابت شدہ ہیں، ان کے ہوتے ہوئے صرف اور صرف نظریہ بروز وظل یا مثیل ہی کارگر ہوسکتا تھا۔

مرزا صاحب یا ان کے نگران شخصیات واداروں کے اذہان وافکار نے اولین طور پر اس نظریہ کے رواج دینے کے لئے ایسی مناسب وموزوں شخصیت کو تلاش کیا جسے عوام میں اصلاحی خدمات کے طور پر متعارف کردیا جائے، پھر اسے بروز وظل اور مثیل کے دعووں کے لئے کھڑا کر کے مطلوبہ ومذکورہ اہداف ومقاصد کی تکمیل کی جائے۔ یہاں تک تو مسلمانوں اور عیسائیوں کے بروز ومثیل کارگر ثابت ہوسکتے تھے۔

رہی یہودیت تو اس کے لئے تو اتنا ہی کافی تھا کہ جو کچھ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ، طاہرہ ومطہرہ مریم صدیقہ کے بارے میں کہا، مرزا صاحب نے اکیلے ہی وہ سب کچھ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ کہہ دیا اور ان کے لئے تسلی بخش موقف وموقع فراہم کردیا۔

نظریۂ بروز اختیار کرنے میں راز

آخر مرزا غلام احمد یا ان کے نگرانوں کے ہاں نظریۂ بروز اختیار کرنے ہی میں کیا راز تھا؟ اس کی طرف ہم نے اجمالاً اشارہ تو کردیا ہے۔ مزید تفصیل کے طور پر عرض ہے کہ مسلمانوں

کے ہاں باری تعالیٰ شانہ کی ذات گرامی کے بعد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وہ مقام عالی ہے جن کی ذات کی حرمت کی خاطر وہ اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ مسلمان اعلیٰ درجے کا متقی اور صالح ہو یا عملی طور پر کوتاہ اور گنہگار ہو۔ مسلمانوں کے لئے آپ کی شان مقدس ہی وہ سرخ فیتہ ہے۔ جسے وہ کسی حال میں بھی کسی کو کراس کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور محبت ان سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ان کی ذات عالی ہی کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ سمجھیں، پھر وہ ان کے اعزاز خاص ختمِ نبوّت پر ذرہ برابر آنچ نہ آنے دیں۔ وہ ان کی تعلیمات کے مقابلے میں ہرگز ہرگز کسی کی تجدیدات وتحقیقات کو کوئی حیثیت نہ دیں، جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ اسلام چاہے اسے لوگ کچھ کہیں، اور قادیانیت اسے تقلیدی اسلام کا نام دے، صرف وہی مسلمانوں کے لئے باعث فخر دین اور قابل عمل شریعت ہے۔ ان کی ذات، ان کے منصب، ان کی تعلیمات سے ہٹ کر کسی کی ذات، اور کسی دیگر کی تعلیمات کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ لہٰذا مرزا صاحب کا بروز کا نظریہ ہی وہ راستہ تھا جسے اپنا کر اور جسے شہرت دیکر ہی وہ اپنی ذات کو اپنے دعووں کو اور اپنی تجدیدات کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ سکتے تھے۔ اور اسی لئے انہوں نے ایسا کہا کہ میرے اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دوئیت نہیں، میرا وجود انہی کا وجود ہے (خطبہ الہامیہ ص:۲۵۸، روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۵۸)۔ میری ہر عظمت وشان انہی کی عظمت وشان ہے۔

پھر مرزا غلام احمد نے بڑی جسارت سے ان تمام آیات قرآنیہ کو خود پر چسپاں کرنا شروع کر دیا جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئیں تھیں۔ اور جو فضائل وبشارات آپ کے صحابہ کرام کے بارے میں وارد ہوئے۔ انہیں اپنے ساتھیوں کے لئے استعمال کیا اور وہ تمام القابات اسلامیہ جو صحابہ کرام کے لئے تھے، اپنے رفقاء کے لئے مختص کر لیے، قادیانیت بڑی

جسارت سے مرزا غلام احمد کے لئے ''علیہ السلام''[۱] اس کی بیوی کے لئے ''اُمّ المؤمنین'' اور اس کے رفقاء ''رضی اللہ عنہ'' کے القاب استعمال میں لاتے ہیں۔ قادیانیت آج اپنے ذرائع ابلاغ پر انہی القابات کو اپنے قادیانی زعماء کے لئے بلا جھجک استعمال کر رہی ہے۔[۲]

یہ نظریۂ بروز ہی کا نتیجہ اور منفی اثر ہے کہ ایک طرف تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو (معاذ اللہ) ان کے مقام عالی سے نیچے اتارنے کی مذموم سعی لاحاصل کی گئی اور دوسری طرف مرزا غلام احمد کی شخصیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ اور ان کے مکان رفیع تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔

ہر دو کے حوالے سے ہم اپنے مقالہ ''تجدیداتِ مرزا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی'' میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں اور بعض کی طرف یہاں بھی اشارہ کریں گے۔ مگر اس سے قبل ہم کچھ ضروری امور کا ذکر کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

اوّلاً:- جملہ اہلِ اسلام کے علم میں ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف ایک ہی ''بعثت'' کا اختیار فرمایا ہے دو بعثتوں کا نہیں، اور یہ ایسی بعثت عامہ ہے جو اولین وآخرین سب کو شامل تھی، شامل ہے اور شامل رہے گی، جس میں کسی دیگر کی بطور بروز آنے کی ضرورت ہرگز نہ تھی، نہ ہے، نہ ہوگی۔ اسی لئے نہ تو اللہ تعالیٰ نے اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں کسی مقام پر دو بعثتوں کا ذکر فرمایا۔ نہ ایسا کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ کی بعثتوں میں سے پہلی حقیقی اور دوسری بروزی ہوگی۔ اور وہ بھی مرزا صاحب کی صورت میں

(۱) دیکھئے: مرزا کی تمام کتب کا پہلا صفحہ۔
(۲) سیرۃ المہدی ج:۳ ص:۱۲۸۔

ہوگی، نہ کوئی آیت قرآنی ہے، نہ کوئی حدیث نبوی، جو اشارہ یا کنایہ یا صراحت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتوں کے لئے نازل ہوئی ہو۔ اتنا اہم شرعی مسئلہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ سے قرآن کریم میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی سنت مطہرہ میں بیان کئے بغیر کیسے چھوٹ گیا؟

ثانیاً:- یہ امر بھی نہ بھولئے کہ مرزا غلام احمد اور قادیانیت کے نزدیک پہلی بعثت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وظیفۂ نبوّت بھی مکمل نہ فرما سکے تھے جو کہ مرزا نے آکر پورا کیا (العیاذ باللہ)۔[۱]

ثالثاً:- مرزا کے نزدیک دوسری بعثت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت زیادہ زوردار، زیادہ کمال والی اور زیادہ تام تھی (معاذ اللہ)۔[۲]

رابعاً:- قادیانیت کے نزدیک مرزا صاحب کا ظلی نبی ہونا ان کے لئے بذات خود کوئی کمی بھی نہیں تھا بلکہ بقول مرزا محمود وہ تو نبی کریم سے قدم ملائے ان کے پہلو میں کھڑے تھے۔[۳]

غور کیجئے کہ نظریۂ بروز کے ذریعہ کس قدر چالاکی سے مرزا غلام احمد نے اپنے آپ کو مقام عالی تک بھی پہنچا دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا رہا کہ میرے ان دعووں سے مہرِ ختمِ نبوّت اس لئے نہیں ٹوٹی کہ میں کونسا علیحدہ انسان ہوں، جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا؟ اور جو آپ کی ذات سے علیحدہ ہو؟[۴] کس قدر خلط ہے؟

(۱) تحفہ گولڑویہ ص:۱۰۱ حاشیہ روحانی خزائن ج:۱۷ ص:۲۶۳۔

(۲) خطبہ الہامیہ ص:۱۷۱، ۱۷۲ روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۷۱، ۲۷۲۔

(۳) کلمۃ الفصل ص:۱۳۳۔

(۴) ایک غلطی کا ازالہ ص:۸ روحانی خزائن ج:۱۸ ص:۲۱۲۔

نظریۂ بروز کے لئے منصوبہ بندی

نظریۂ بروز کے لئے ایک پیشگی پلاننگ تھی اور ایک مستقبلی منصوبہ بندی۔ پیشگی میں تو اس نظریہ کے لئے مناسب شخصیت کا انتخاب کرنا تھا اور مستقبلی میں اس کی ترویج و اشاعت کی سعی تھی۔ جب مناسب شخص مل گیا تو ضروری تھا کہ اس شخصیت کی رفعت کے لئے اس کی سیرت کی طہارت کا بھی بندوبست ہو۔ اس کے لئے سیرت مرزا کی طہارت کے لئے اس وقت بھی بندوبست کیا گیا اور آج بھی قادیانیت کے ابلاغ عامہ کے ذرائع کا مشاہدہ کر لیجئے کہ وہ کس امر میں مشغول ہیں۔ رات دن، موضوعِ سخن قرآن کی تفسیر ہو یا حدیث کی تشریح، یا موضوعِ سخن عقیدہ ہو یا عبادات و معاملات یا اخلاق و سیرت کے پروگرام، مردوں کے لئے ہوں یا عورتوں کے لئے، بڑوں کی خاطر محفل جمے یا بچوں کی خاطر، ہر موقع اور محل و محفل میں صرف اور صرف مرزا غلام احمد کی شخصیت اور اس کی تجدیدات ہی رہ گئی ہیں۔ ان کے ہاں مہبط قرآن اور ناطق سنت کی ذات گرامی نیز اصحاب رسول، اُمت کے مفسرین و محدثین، اسلامی فقہ و فقہاء یہ سب قادیانیت کے لئے قصۂ پارینہ ہو چکے ہیں۔ وہ کھلے طور پر تقلیدی اسلام، تقلیدی فقہ، تقلیدی تفسیر، تقلیدی مفسرین کہہ کر حقیقی اسلام، سچے دین، اُمت کے مفسرین و محدثین اور فقہاء کو بنظر اعتناء لاتے ہی نہیں۔ قادیانیت کا یہ طرزِ عمل صرف اور صرف ''نظریۂ بروز'' ہی کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ جب اصل سے بروز روحانیت میں اکمل اور اتم اور اشد ہے تو پھر بجائے اصل کے اس بروز ہی سے قوت اور روحانی کمال کیوں حاصل نہ کیا جائے؟ پھر ضعیف سے ضعف لینے اور قدیم سے پرانا لینے کی جدید دور میں کیا ضرورت ہے؟ یہ قادیانی روش نظریہ بروز کا منفی اثر ہے جس کے نتیجہ میں قادیانیت کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مقدسہ کی جگہ مرزا صاحب نے لے لی اور آپ کی تعلیمات کی جگہ تجدیدات مرزا نے لے لی اور یہی غرض تھی اس نظریہ کے ایجاد کی۔

دوسری طرف الحمدللہ اہل اسلام ہیں کہ اُمتِ مسلمہ کی ہر محفل ومجلس میں، ان کے ہر گھر اور محلّہ میں، ان کی ہر بستی اور گلی کوچہ میں الغرض مسلمانوں کی زندگی سے وابستہ کوئی محفل وموقع اور محل ایسا نہیں کہ جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طاہرہ ومطہرہ کے کسی نہ کسی پہلو سے وہ معطر ومنور نہ ہو رہا ہو۔

الغرض اُمتِ مسلمہ کی زندگی میں جو مقام حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طاہرہ ومطہرہ کا ہے قادیانیت کی زندگی میں وہی حال مرزا غلام احمد کی سیرت کا ہے۔

قادیانی ادب کا مطالعہ کریں یا قادیانی ٹی وی کا مشاہدہ، جس شخصیت کو مقام مرجعیت حاصل ہے وہ ظل وبروز کی ہے۔ اور یہ کیوں نہ ہو کہ بقول مرزا محمود کے ظل یعنی (مرزا قادیانی) کی احادیث براہ راست ان تک پہنچی ہیں جبکہ اصل (جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اوران کے بیچ بہت سے راوی حائل ہیں۔ نیز بروز، قوت ورُوحانیت میں اصل سے بہت زیادہ زوردار ہے۔ وہ اصل سے اتم بھی ہے، وہ اصل سے اکمل بھی ہے۔ بلکہ قادیانیت کے نزدیک بروز تو مانند بدر تام کے ہے اوراصل مانندِ ہلال ہے۔ نیز بدر جو چودھویں کے چاند کا نام ہے وہ مرزا صاحب ہیں جو چودھویں رات کی نسبت سے چودھویں صدی میں آئے ہیں۔[1] (یہی وہ امور ہیں جن کا ذکر حمامۃ البشری میں مرزا غلام احمد نے کیا ہے)۔ اور قادیانی اُمت کا اس پر ایمان ہے، افسوس کہ لوگ بروز کے خطرناک نتائج سے آگاہ ہی نہیں ہوئے، نہ قادیانیت کے اس بنیادی نظریہ کی خطرناکیوں کو جان سکے۔ اگر قادیانی حضرات خود اس بروز کے غیر شرعی ہونے کو جان لیں تو اللہ کے فضل وکرم سے سبیل ہدیٰ کو پالیں، بلکہ ان کے لئے اسے اختیار کرنا نہایت ہی آسان ہو جائے۔

(۱) خطبہ الہامیہ ص:۲۷۵ روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۷۵، اخبار الفضل قادیان ج:۳ ش:۱۰۔

نظریۂ بروز نے ہی انسانوں کے معتد بہ افراد (ابنائے ملت قادیانیت) کو حقیقی نبی سے بروزی نبی کی طرف متوجہ کر دیا، وہ انہیں نبی کے اصل سے اس کے سائے کی طرف لے گیا۔ وہ انہیں (ابنائے ملت قادیانیت کو) جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے مرزا غلام احمد کی طرف لے گیا۔ یہ ساری کارستانی صرف اور صرف بروز ہی کی کارروائی ہے۔ افسوس کہ لوگ (الا ماشاء اللہ) اس کے خطرناک اثرات سے آگاہ نہ ہو سکے۔ وہ اصل اور بنیاد کی بجائے برگ و بار ہی میں الجھ گئے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس بروز کی حقیقت کو ملت قادیانیت پر کھول دیں۔

قادیانیت کی جملہ تاویلات صرف اور صرف نظریۂ بروز کی مرہون منت ہیں جس کی اسلام یا کسی دیگر آسمانی دین میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔

اہم نکتہ

یاد رہے کہ توفی عیسیٰ علیہ السلام میں مرزا غلام احمد مصر ہیں کہ وہ مر چکے ہیں، لہٰذا دوبارہ نہیں آسکتے۔[1]

ہم کہتے ہیں کہ ان کی توفی ان کی اجل سے پہلے ہوئی، لہٰذا ان کا دوبارہ آنا یقینی ہے۔ ہاں اگر عمر پورا ہونے کے بعد ہوتی تو وہ نہ آتے جیسے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک۔ یقیناً اپنی عمر کے دنیاوی شب و روز مکمل کرنے والا دوبارہ نہیں آتا۔ اور یہی سنت اللہ بھی ہے کہ عمر مکمل کرنے کے بعد دوبارہ نہ آیا جائے۔ باقی رہا خاتم النّبیین کا دعوتی کام تو وہ جاری و ساری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ خیرِ اُمت اور دُعاۃِ اُمت، مبلغینِ اُمت کے عمل کو آپ کی بعثت شامل ہے، نہ کوئی فرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائمقام ہو سکتا ہے نہ ایک فرد

(۱) براہین احمدیہ، حصہ پنجم ص: ۸۵، روحانی خزائن ج: ۱۲ ص: ۱۱۔

یہ کام کرسکتا ہے، نہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ میں ان کا بروز بن سکتا ہے۔ یہ تو عقلی وشرعی بات تھی۔

ایک اور منطقی بات یاد رکھئے کہ جس کی عمر پوری نہ ہوئی صرف توفی ہوئی، وہ آئے گا۔اور صرف غلبۂ اسلام کے لئے آئے گا اور وہ نبی ہوگا اور اس کے باوجود اُمتی بن کر آئے گا، اس کے آنے سے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ ختمِ نبوّت نہیں ٹوٹے گی۔کیونکہ اُمتی نبی نہیں بنا۔نبی اُمتی بن کر آیا ہے، اور انبیاء کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ہاں! حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اُمتی کا نبی بنکر آنا یہ ختمِ نبوّت کے منافی ہے۔جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کی صورت میں ایسا نہیں ہوگا۔کہ اُمتی نبی بنکر آئے؟ کیونکہ ان کے دوبارہ آنے سے نہ اُمتی نبی بنا، اور نہ ہی نبیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا اجرا، یہ امر ختمِ نبوّت کے منافی نہیں ہے۔یہاں پر یہ بعثت ثانیہ اور اُمتی کے نبی بننے یا نبی کے اُمتی بنکر آنے کی بات جملہ معترضہ کے طور پر ہم نے سرِ راہ کردی ہے۔اس کا مفصل بیان اغالیط قادیانیت کے مقالے میں بھی ان شاءاللہ ہوگا۔

دراصل ہم تو بات نظریۂ بروز اور اس کے مضر اثرات کی کررہے تھے۔یہ ایک خالص شرعی امر ہے کہ نظریۂ بروز نہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں اور نہ ہی مجددین اُمت نے اپنی تجدیدات میں اس کا کہیں ذکر کیا ہے، تاکہ اُمتِ مسلمہ اپنے اصل سے، اپنی حقیقی نبوّت سے اور خاتم النّبیین کی مبارک ہستی اور ان کی تعلیمات سے جڑی رہے، جن کی بعثت اور شریعت تاقیامت جملہ انسانوں کے لئے ہے۔

لہٰذا یاد رہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نے آپ کی مبارک آمد

کے بعد جملہ انسانیت کو نئی بعثت نبوّت سے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت اور دین کے کمال نے نئی شریعت سے جملہ انسانوں اور اُمتِ مسلمہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مستغنی کر دیا ہے۔

''حاجت کے وقت نبی کا آنا''

یہ اسلامی اصطلاح نہیں، نہ قرآن وسنت نے مسلمانوں کو یہ مسئلہ سکھلایا بلکہ یہ بھی مرزا غلام احمد اور قادیانیت کی اصطلاح ہے یا ان کے خلفاء کی، جب انسانوں کو حاجت ہی نہیں پیش آئے گی تو پھر نئی نبوّت یا تجدیدات کا کوئی جواز ہی نہیں رہتا تو ایسا سوال پھر کیونکر پیدا ہوگا؟ یہ فرضی بات اپنی کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتی۔

ایک اور فرضی بات کی طرح

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے (ابنیت) ''بیٹا ہونے'' کے قائل تھے اور انہیں اللہ کا شریک سمجھ کر پوجتے بھی تھے۔ ان کا یہ عمل بلا دلیل تھا مگر حق تعالیٰ نے انہیں سمجھانے کے لئے اپنے نبی کو فرمایا کہ: ''قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾'' (الزخرف) (انہیں کہہ دیں کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے اس کا پرستار میں ہوتا)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا کسی کی عبادت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر ''حاجت کی بنا پر خاتم النّبیین کے بعد ختمِ نبوّت کا اجراء'' جائز ہوتا تو پھر ''ظلی نبوّت'' ہی کیوں ہوتی؟ ''اصلی نبوّت'' کیوں نہیں ہوتی؟ کیونکہ نبی کی حاجت تو ظلی نبوّت یا بروزی نبی پوری نہیں کرسکتا۔

دراصل نظریۂ ظل و بروز کا ایجاد کرنا محض حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے بعد مرزا غلام احمد کی شخصیت اور اس کی تعلیمات کو رواج دینے کی خاطر ہی تھا اور ان تعلیمات

وتجدیدات میں کس قدر حقیقی اسلام اور روح دین سے دوری ہے، یہ موضوع خصوصی بیان طلب ہے۔

غور کریں کہ کتنے کاملین اس اُمت میں گزرے، کسی کو ظلیت و بروزیت کا مقام حاصل ہوا، اور نہ ہی کسی نے اس کا دعویٰ کیا۔ یہ دعویٰ اور اس طرح کے دیگر تمام دعوے جو اس کی بنیاد پر کئے گئے، اب آپ ان کو ملاحظہ فرمائیے:

مرزا جملہ انبیاء کے کمالات کا مجموعہ

مرزا غلام احمد قادیانی صرف مثیل مسیح یا بروز محمد ہونے کے مدعی نہ تھے بلکہ وہ جملہ انبیائے سابقین کے کمالات کا بھی مجموعہ ہونے کے مدعی بن گئے۔

مرزا صاحب کے فرزند مرزا بشیر احمد ایم اے ''ملفوظات مسیح موعود'' کے جلد:۳ صفحہ:۲۷۰ پر رقمطراز ہیں:

> ''کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ اور اسی لئے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان، یحییٰ عیسیٰ وغیرہ ہے۔''

غور کا مقام یہ ہے کہ یہ نظریہ بروز و ظل کس قدر خطرناک ہے کہ سابقہ ادیان اور گزشتہ انبیاء اور ان کے متبعین بھی اس کی زد سے محفوظ نہ رہے اور مرزا صاحب نے اسی کی بنیاد پر تمام کمالات سابقین کو بذریعہ اپنے اصل کے اور بزعم خود وہ ان کا بروز ہونے کے مدعی تھے، ظلی طور پر سمیٹ لیے۔

سوال یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کے اس خطرناک دعویٰ کی دلیل کونسی آیت قرآنی یا کونسی حدیث نبوی ہے؟ کیا مرزا غلام احمد سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل فخر تلامذہ، اصحابِ رسول یا ان کے تلامذہ تبع تابعین حضرات یا ائمہ دین فقہائے اسلام مجتہدین ومجددین

محدثین ومفسرین میں سے خیر القرون سے آج تک ایسا دعویٰ کیا ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے جملہ کمالات بمع فضائل خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ذات میں منتقل ہوگئے؟

مرزا کا دعوئ وحدت الوجود

یہ اس نظریۂ بروز وظل ہی کا نتیجہ اور منفی اثر ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے خطبہ الہامیہ میں اپنے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ''وحدت الوجود'' کے مدعی ہیں بلکہ وہ تو اپنی جماعت واصحاب کے لئے رسول اللہ کی جماعت ہونے کی خصلتوں کا اعلان کرتے ہوئے عربی میں کہتے ہیں:

> "وأنزل اللّٰه عليّ فيض هذا الرسول فأتمه وأكمله وجذب إلى لطفه وجوده حتّٰى صار وجودي وجوده، فمن دخل فى جماعتي دخل فى صحابة سيدي خير المرسلين...... فمن فرّق بيني وبين المصطفٰى فما عرفني وما رأى۔"

اوراس کا ترجمہ بھی خود قادیانیت سے ہی ملاحظہ فرمائیں:

> ''اور خدا نے مجھ پر اس رسول کریم کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا اور اس نبی کے لطف وجود کو میری طرف کھینچا یہاں تک کہ میرا وجود اسکا وجود ہوگیا، پس وہ جو میری جماعت میں داخل ہوا درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا.....اور جس نے میرے اور مصطفیٰ میں تفریق کی اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔''

(خطبہ الہامیہ ص:۲۵۸، ۲۵۹، روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۵۸، ۲۵۹)

پھر اس پر مزید...العیاذ باللہ... یہاں تک دعویٰ کردیا کہ ہمارے نبی کی روحانیت بروز میں (مرزا صاحب کی صورت میں) اپنی اصلی بعثت سے زیادہ بڑھ کر ہے۔

وہ اپنے *خطبہ الہامیہ* صفحہ:۱۷۷تا۱۸۲ مندرجہ *روحانی خزائن* ج:۱۶ ص:۲۶۶تا۲۷۲میں عربی زبان میں رقم طراز ہیں:

”طلعت روحانية نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم فى الألف الخامس باجمال صفاتها وما كان ذلک الزمان منتهى ترقياتها بل كانت قدما اولى لمعارج كمالاتها ثم كملت وتجلت تلک الروحانية فى آخر الألف السادس اعنى فى هذا الحين ...... ففكر إن كنت من العاقلين، واعلم أن نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم كما بُعث فى الالف الخامس كذلک بُعث فى آخر الألف السادس باتخاذه بروز المسيح الموعود، وذلک ثابت بنص القرآن، فلا سبيل إلى الجحود ولا ينكره إلاّ الذى كان من العمين الا تفكرون فى آية وآخرين منهم وكيف يتحقق مفهوم لفظ منهم من غير أن يكون الرسول موجودا فى الآخرين، كما كان فى الأولين، فلا بد من تسليم ما ذكرناه ولا مفر للمنكرين ومن أنكر من ان بعث النبى عليه السلام يتعلق بالالف السادس كتعلقه بالالف الخامس فقد انكر الحق ونص الفرقان وصار من الظالمين بل الحق ان روحانيته عليه السلام كان فى آخر الالف السادس اعنى فى هذه الايام أشد واقوى وأكمل من تلک الاعوام۔“

اس کا ترجمہ بھی خود قادیانیت ہی کا کیا ہوا ہے:

''ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کا منتہا نہ تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج کا پہلا قدم تھا پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی پس اگر تو عقل مند ہے تو فکر کر اور جان کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے ایسا ہی مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ اس میں انکار کی گنجائش نہیں اور بجز اندھوں کے کوئی اس معنی سے سر نہیں پھیرتا۔ کیا تم ''آخرین منهم'' کی آیت میں فکر نہیں کرتے؟ اور کس طرح ''منهم'' کے لفظ کا مفہوم متحقق ہوا گر رسول آخرین میں موجود نہ ہوں جیسا کہ پہلوں میں موجود تھے۔ پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی تسلیم سے چارہ نہیں اور منکروں کے لئے بھاگنے کا راستہ بند ہے اور جس نے اس بات سے انکار کیا کہ نبی علیہ السلام کی بعثت چھٹے ہزار سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ پانچویں ہزار سے تعلق رکھتی تھی پس اس نے حق کا اور نص قرآنی کا انکار کیا ہے اور ظالموں میں سے ہو گیا بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اقوی اور اکمل اور اشد ہے۔''

الغرض نظریۂ بروز وظل ہی وہ خطرناک دروازہ ہے جس سے مرزا غلام احمد سابقہ انبیاء علیہم السلام، خود حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہ کرام، حضرات سلف صالحین سب کے حرم محترم میں داخل ہوا اور پھر اس نے اپنے لئے تمام عظمتوں کے دعوے کئے۔

مرزا غلام احمد اپنی کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' کے صفحہ: ۳، روحانی خزائن ج:۱۸

ص:۲۰۷ میں لکھتا ہے:

پھراسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے:''محمد الرسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم ۔''اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اوررسول بھی۔

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۸ مندرجہ روحانی خزائن ج:۱۸ص:۲۱۲ میں رقم طراز ہے:

"قد أخبرت عدة مرات بأننى علي وجه البروز ذلک النبى الذى هو خاتم الأنبياء بموجب آية "وآخرين منهم لما يلحقوا بهم" وقد سمانى اللّٰه فى "البراهين الأحمدية" محمدا وأحمد قبل عشرين عاما، وقد جعلنى وجود محمد صلى اللّٰه عليه وسلم ولأجل ذلک لم ينقض كون محمد خاتم الأنبياء لأن الظل لا ينعزل عن أصله۔"

قادیانی اُردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

''میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت''وآخرين مهم لما يلحقوا بهم ''بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوّت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔''

اسی طرح مثیل کے نظریہ کے ذریعہ قادیانیت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بھی کمی نہ کی۔ مرزا بشیر احمد بن مرزا غلام احمد ''کلمۃ الفصل'' میں رقم طراز ہے:

''اور چونکہ مشابہت تامہ کی وجہ سے مسیح موعود اور نبی کریم میں کوئی دوئی باقی نہیں حتیٰ کہ دونوں کے وجود بھی ایک وجود کا ہی حکم رکھتے ہیں جیسا کہ خود مسیح موعود نے فرمایا (صار وجودی وجودہ)۔''

(کلمۃ الفصل ص: ۱۰۴)

اور مزید کہتا ہے:

''حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً مسیح موعود میری قبر میں دفن ہوگا اور اس سے مراد ہے کہ مسیح موعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ نہیں۔'' (کلمۃ الفصل ص: ۱۰۴)

اسی نظریۂ بروز کے ذریعہ مرزا غلام احمد کا محمد، احمد، رسول اللہ، محمد رسول، خاتم النّبیین کا وجود ہونا اور اس کے رفقاء کا خاتم المرسلین کی جماعت ہونے کا دعویٰ اور نظریہ مثیل کے تحت مرزا غلام احمد کا حضرت عیسیٰ ابن مریم بننے کی دعووں کے بارے میں مناسب ہوگا کہ ہم قادیانیت سے سوال کریں:

۱- کیا آج تک اُمتِ مسلمہ میں کوئی ایسا مجدد گزرا ہے جس نے قرآن میں مراد ''محمد رسول اللہ'' کو اپنے اوپر اور اس کے بعد کی آیات ''والذین معہ'' کو اپنے رفقاء پر فٹ کیا ہو؟

۲- کیا آج تک اُمتِ مسلمہ میں کوئی ایسا مجدد گزرا ہے جس نے تمام انبیاء کے کمالات پھر جناب محمد رسول اللہ کے کمالات کا مجموعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو؟

۳- کیا آج تک کسی مجدد نے بروز وظل اور مثیل کے نظریہ کو اختیار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اعلیٰ تک اپنی رسائی کا دعویٰ کیا ہو؟

۴- آج تک کسی مجدد نے اپنے رفقاء، جماعت اور اپنی آل کو اصحاب رسول، جماعت رسول اور آل رسول جیسے فضائل والقابات کا مستحق ٹھہرایا ہو؟

۵- کسی مجدد نے اپنی فتوحات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات سے بڑھ کر کہا ہو؟

مرزا غلام احمد اپنی کتاب خطبۂ الہامیہ کے صفحہ: ۱۹۳، ۱۹۴ مندرجہ روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۸۸ پر عربی میں رقم طراز ہیں:

”وقد مضى وقت فتح مبين فى زمن نبينا المصطفى وبقي فتح آخر وهو أعظم واكبر وأظهر من غلبة اولى وقدّر ان وقته وقت المسيح الموعود۔“

ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

”فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانے میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو۔“

یہ جرأت...العیاذ باللہ...کہ اپنی فتح کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح سے بڑا، زیادہ ظاہر قرار دیا کہ صاحب بروز روحانیت میں بھی بڑھ گیا اور فتح ظاہر میں بھی۔

سوال یہ ہے کہ

اوّلاً:- انسانوں کا وہ کونسا طبقہ ہے جو مرزا غلام احمد کی روحانیت کو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اکمل واقویٰ، اتم اور زوردار مانتا ہے؟

ثانیاً:- وہ کون سے لوگ ہیں جو مرزا غلام احمد کی فتوحات کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مبین، جو بنص قرآنی ثابت ہے، اس سے اکبر اور اعظم جانتے ہیں؟

ثالثاً:- یہ محض دعویٰ ہے یا اس کے ماننے والے بھی ہیں؟

رابعاً:- یہ دعوے کس بنیاد پر ہیں؟ ان کی شرعی ادلہ کیا ہیں؟

ہمارے نزدیک دراصل یہی نقطۂ بروز کی آخری منزل تھی جہاں پہنچ کر مرزا غلام احمد باوجود حضرت خاتم النّبیین کے بروز ہونے کے غیر شرعی دعویٰ کرتے ہوئے خود کو اشد، اکمل، اعظم، اکبر اور اظہر ہونے کے مدعی بن بیٹھے، پھر کہنے لگا:

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل ان تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ وبار

(درثمین ص:۱۳۵)

ان کے مرید کی عقیدت کا عالم دیکھئے! کہتے ہیں:

''محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے بڑھ کر ہیں اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں''

(اخبار ''بدر'' قادیان، مؤرخہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء)

یہاں تک ہم نے ایک غیر شرعی غیر آسمانی خلاف عقل ومنطق نظریہ ''ظل وبروز ومثیل'' جو کہ قادیانی جملہ عقائد وافکار کی بنیاد اور اساس ہے، اس کی شرعی حیثیت اس کے لئے کی گئی پیشگی اور مستقبلی پلاننگ، اس کی غرض وغایت کے بارے عرض کر دیا، تاکہ برادران اسلام کو آگاہی

رہےاور قادیانی اہل فہم وعقل کو غور وفکر کا موقع مل سکے۔حق تعالیٰ شانہٗ اسے قبول فرمائیں۔

خلاصۂ مبحث

اس مبحث کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱-نظریۂ ظل وبروز اور مثیل ایک غیر شرعی، غیر آسمانی نقطۂ نظر ہے۔

۲-اس کی خاطر پیشگی اور مستقبلی پلاننگ کی گئی ہے۔

۳-اس نظریے کے ذریعے ایک طرف جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عالی سے تعرض اور دوسری طرف مرزا غلام احمد قادیانی کو اعلیٰ مقام تک پہنچانے کی ناکام سعی کی گئی ہے۔

۴-اُصولی طور پر اس نظریے کے مطالعے سے قادیانیت کو سمجھنا آسان ہوگا۔

۵-نظریۂ ظل وبروز اور مثیل کے منفی اثرات ہر آسمانی دین اور اس کے پیرووں کے لئے خطرناک ہیں۔

۶-اس کی غرض وغایت صرف مرزا غلام احمد کی تقدیس کے بعد لوگوں کو ان کی شخصیت اور تعلیمات کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

✡✡✡

نمبر ④ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

اِظہارِ رائے کی آزادی
بحث و تحقیق کی آزادی
مہذب انسانی دنیا میں
دونوں مسلّم اور لازم و ملزوم حق

نقطۂ آغاز

آج لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ وہ آزاد عالم کے شہری ہیں، وہ اس آزاد دُنیا میں رہ رہے ہیں جہاں انہیں اپنی رائے کے اظہار کی حریت ہے، وہ آزادی سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کر سکتے ہیں۔

حریت بے شک بڑی نعمت ہے بالخصوص آج کا مغرب اور جدید ترقیات کے چمپئن آزادی اور حریت کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کے لئے کوشاں ہیں جبکہ ہم پوری ذمہ داری سے کہتے ہیں کہ اس محکوم ومقہور اور مغلوب الحال غلام انسان کو اصل حریت، وہ حریت اختیار رائے کی ہو یا حریت اظہار رائے کی، یہ حق اسلام نے سب سے پہلے دیا ہے۔ انسان کی حریت دین اسلام کی مرہون منت ہے۔ کچھ تامل کرنے سے یہ حقیقت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ حضرت انسان کی فطرت یوں ہے کہ حدیث دل حدیث زبان سے پہلے ہوتی ہے۔ ایک عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

إن الكلام لفي الفؤاد و إنما
جعل اللسان علي الفؤاد دليل

اصل کلام تو دل میں ہوتا ہے زبان تو صرف اس حدیث دل کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ گویا اظہارِ رائے کا ثانوی مرحلہ ہے۔ اس سے پہلا درجہ حریت فکر واختیار کا ہے۔

اسلام اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ حضرت انسان کو نعمت اختیار دینے والے نے انسان کو دیگر مخلوقات سے افضلیت بھی اس نعمت اختیار ہی کی بنیاد پر دی ہے۔ انسان اگر اس نعمت سے مشرف نہ ہوتا تو ایک پتھر کسی حیوان یا نبات اور انسان میں کیا فرق رہ جاتا؟ یہ نعمت اختیار ہی انسان کی شرافت و کرامت کا باعث، اس کے خلیفۃ اللہ ہونے کی اساس اور اس کے شرعی تکالیف کے مکلّف ہونے کا مدار ہے۔

اب اسلام کو دیکھئے کہ کیا اس نے یہ نعمت اختیار دیکر اس میں حریت دی ہے یا نہیں؟ پھر اس نعمت اختیار سے جو رائے وہ قائم کرتا ہے اسے اسلام نے اظہار و بیان کا بھی حق دیا ہے یا نہیں؟

اسلام کا نظریہ واضح ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔ کسی رائے یا فکر یا نظریہ کو اختیار کرنے میں حضرت انسان آزاد ہے۔ حتیٰ کہ خیر و شر کو واضح طور پر بیان کرنے کے بعد اور خیر میں پوری رغبت دلانے، خیر کے منافع سمجھانے کے بعد اور شر کے خسارے اور نقصان بیان کرنے کے بعد بھی انسان کو حریت اختیار دی کہ: ’’فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ‘‘ (الکہف:۲۹) انسان اپنے اختیار کو آزادی سے استعمال کرنے کا حقدار ہے، سو جو چاہے ایمان کو اِختیار کرلے اور جو چاہے کفر کو اِختیار کرلے۔

اس حریت اختیار اور اظہار کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے انسان کو شر اور کفر اِختیار کرنے کی ترغیب دی۔ ترغیب تو صرف خیر و ایمان ہی کی، کی ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا: ’’وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ‘‘ (الزمر:۷) ’’وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ‘‘ (الزمر:۷)۔ اگر انسان اختیار رائے کے بعد کفر و شر کو اختیار کرے تو ہم راضی نہ ہوں گے...... ہماری رضا تو صرف اسی میں ہے کہ وہ شکر کو اختیار کرلے مگر حق اسے حاصل ہے۔ ہاں اگر خیر و شکر کی راہ پر گامزن رہے گا تو اسے

یہ حریت بھی حاصل ہے اور وہ ہماری رضا کا بھی حقدار ٹھہرے گا۔

اتنی بڑی وضاحت کے بعد ہم کھل کر کہتے ہیں کہ حضرت انسان کو رائے کے اختیار اور رائے کے اظہار کا جو حق اسلام نے دیا ہے کسی دیگر کے ہاں اس کا تصور تک نہیں ہے۔ اگر یہ حق حریت نہ ہوتا تو پھر حسن اختیار والے جزاء کے اور شر اختیار کرنے والے سزا کے کیونکر حقدار ٹھہرتے؟

حقوق وواجبات دو لازم وملزوم اَمر

''حق وحریت'' کے خوبصورت اور پُر مغز کلمات کے ساتھ ساتھ حضرت انسان کو جو دیگر بنی نوع کے درمیان رہتا ہے اسے لفظ حق کا واسع مفہوم بھی دیا ہے، لہٰذا اسے حق کے وسیع باب میں یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اس پر بھی دیگر کا حق ہے۔ وہ محض اپنے حق کے حصول اور وصول کرنے میں اندھا دھند کوشاں نہ رہے بلکہ دیگر کے حق کو بھی پہچانے اور اسے ادا کرنے کی سعی کرے۔ ضروری ہے کہ لفظ حق کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کلمہ کا بھی اضافہ کرلیا جائے اور وہ ہے اپنے حق کے ساتھ ساتھ دوسرے کے حق کا اعتراف اور اس کی ادائیگی ہے۔ جسے شریعت میں ''واجب'' کہا جاتا ہے۔ جس طرح حق کا کلمہ اپنے دونوں پہلوؤں یعنی اپنے اور دیگر کے حق کو شامل ہے تو حقوق وواجبات ہر دو کا اکٹھے ہی تصور ضروری امر ہے۔

حریت کا کلمہ بھی بڑا پُر شکوہ ہے۔ مگر حریت کے ساتھ صرف اتنا جان لیں کہ یہ حریت حضرت انسان کی حریت ہے، حیوانات ودرندوں کی نہیں، انسان صرف اس دنیا میں اکیلا ہی نہیں دیگر انسانوں کے وسط میں رہ رہا ہے۔ لہٰذا اس کی حریت، انسانی حریت ہونی چاہئے، حیوانی نہیں۔ وہ حر ہے، آزاد ہے مگر انسانِ حر ہے، حیوانِ حر ہرگز نہیں۔

اب حق کے ساتھ واجب اور حریت کے ساتھ لفظ انسان لگنے سے حضرت انسان وہ، جو

حقوق وواجبات پہچانتا ہے اور انہیں ادا کرتا ہے، انسان احسن تقویم کا مصداق اور اشرف المخلوقات ہوگا۔

حقوق و واجبات کو نہ جاننے والا انسان اور اپنی حریت میں مادر پدر آزاد یا حیوانی حریت والا انسان اپنے مقام تکریم سے اسفل سافلین کی طرف گر جانے والا ہوگا۔ بشریت کی تاریخ میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت انسان کو زمین پر خلافت اور حق عیش کے ساتھ ہی حقوق وواجبات اور انسانی حریت کے زیور سے آراستہ فرما دیا۔ یہی ہے، وہ حسین وجمیل حق۔ اور حریت کا تصور ہے جس کا تعارف بھی دین اسلام نے کرایا ہے، پھر انسان کو اسے عطا کرنے کے بعد اس کے تحفظ کا بھی حکم دیا ہے۔

حقوق وواجبات اور حریت انسانی کی اس دنیا میں جس طرح ہر انسان کے اپنے حقوق اور اس کے اوپر بھی کچھ حقوق ہیں اسی طرح انسانی حریت کے کچھ تقاضے بھی ہیں جن میں اولین حریت، حریتِ اختیار ہے، اس کے بعد حریت اظہار رائے ہے۔ ہمارا موضوع چونکہ حریت اظہار رائے کا بیان ہے تو اس کی تفصیل میں ہم کچھ تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔

اِظہارِ رائے میں اہم ترین اور اَوّلین ادب

جب کوئی (حق حریت) کے مفہوم سے واقف انسان اظہار رائے کا حق استعمال کرتا ہے تو اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اس کی حدیث دل اور حدیث زبان میں موافقت ہو۔ وہ دیانت داری سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرے۔ اس میں نفاق وکذب بیان سے احتراز کرے۔ اس لئے کہ انسان وہ متمدن مخلوق ہے جو اس عالم میں یا اپنے ماحول ومعاشرہ یا سوسائٹی میں اکیلا ہی نہیں وہ اپنے جیسے دیگر بنی نوع بشر کے درمیان رہتا ہے۔ اس کے قول وبیان کے خیر وشر سے وہ اکیلا ہی مستفید یا متضرر نہ ہوگا بلکہ دیگر لوگ بھی متاثر ہوں گے۔ اگر اس کے ضمیر میں

خیر ہے، قلب میں ایمان ہے، اس کے باطن میں کسی کے لئے محبت واخلاص ہے تو اس کے ان کے اظہار میں دیانت داری اور سچائی ہونا ضروری ہے تا کہ دیگر اس سے مستفید ہوں گے۔ اگر اس کے ضمیر میں اس کے برعکس کفر وشر یا عداوت وعناد ہے تو دیانتداری اور سچائی کے ساتھ ان کے اظہار سے دیگر انسان بآسانی اس کے مضر اثرات سے بچ سکیں گے۔

اس ادب کی پاسداری

اظہار مافی الضمیر کا اَوّلین اور اہم ترین ادب دیانت داری سے اس کا اظہار ہے۔ پھر اپنے اندر کی سچی خبر دینے والا مخبر صادق یا تو مؤمن صادق ہوگا کہ اس کی خیر واضح ہے یا پھر معاند صادق ہوگا کہ اگر اس کے باطن وضمیر میں شر ہے، نفرت ہے، عناد ہے، کفر ہے اور زبان پر بھی انہی کا اظہار ہے تو:

اولاً:- کم از کم وہ اپنے بیان میں صادق ہے، چاہے وہ شریر ہو، معاند ہو، یا کافر ہو۔

ثانیاً:- اسے کم از کم بددیانت نہیں کہا جا سکتا ہے۔

ثالثاً:- اس کے اشرار لوگوں پر مخفی نہ ہوں گے تو لوگ بسہولت اس سے محفوظ رہ سکیں گے۔ اور اگر حدیث دل اور حدیث لسان میں فرق ہو، ضمیر کے اندر تو شر ہو، عناد ہو، کفر ہو مگر وہ زبان سے اس کے خلاف اظہار کر رہا ہے تو ایسا نفاق وکذب اختیار کرنے والا اسلام میں منافق ہے جو اپنے کفر کے بوجھ کے ساتھ اپنے کذب ونفاق کے بوجھ سے اتنا ثقیل ہو جائے گا کہ آگ کا ''درک اسفل'' سب سے نچلا درجہ اس کی منزل ہوگی کیونکہ جس قدر وہ شر سے وزنی ہوگا اسی قدر نیچے تک چلا جاتا جائے گا۔

بہرحال اظہار رائے میں دیانتداری کی پاسداری کا فائدہ بیان کرنے والے کا واجب ہے جس کا دیگر انسانوں کو فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اس کے خیر سے مستفید اور شر سے آسانی سے محفوظ

رہیں گے۔

اِظہارِ رائے کے ادب کی پاسداری نہ کرنے کے اثرات

اظہار رائے کے ادب کی پاسداری نہ کرنا اور اس میں کذب بیانی اور مافی الضمیر کے خلاف اظہار کرنا۔

اولاً:- بیان کرنے والے کا کذب ہے صدق نہیں۔

ثانیاً:- اسے اپنے کذب کا بخوبی علم ہوتا ہے اور اگر وہ زندہ دل رکھتا ہے تو اسے اندر سے اس پر ندامت بھی ہوگی۔

ثالثاً:- دوسروں کے لئے اس کے مخفی شر سے محفوظ رہنا مشکل بھی ہو جاتا ہے، ان وجوہ کی بیان پر شرعی اور معاشرتی طور پر یہ جرم عظیم ہوتا ہے۔

دیگر کی رائے نقل کرنے کے آداب وشروط

انسان اگر محض خود اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہے تو اسے صدق بیانی سے کام لینا ضروری ہے مگر جب وہ کسی دوسرے انسان کے حوالے سے کچھ بیان کرتا ہے تو پھر حق وانصاف یہی ہے کہ وہ جس کے نام پر کچھ کہہ رہا ہو وہ اس کی بات یا رائے کو نقل کرنے میں دیانت داری کا پابند ہو۔ وہ دیگر کی رائے نقل کرنے میں مادر پدر آزاد نہیں ہوتا کہ جس کے نام پر جو چاہے کہہ دے اور اس کی طرف جو چاہے منسوب کر دے۔ کیونکہ اولاً: وہ جس کے نام پر کہہ رہا ہے اس کی رائے یا فکر ونظریہ کا درست سمجھنا، اسکا واجب ہے۔ ثانیاً: اس رائے کو دیانت داری سے اس کی طرف منسوب کرے۔ ثالثاً: کسی کے نام پر بیان کرنے والا اس امر کا بھی خیال رکھے کہ جس قدر عظیم کی وہ بات کرے گا اور جس قدر انسانوں کی تعداد اس کی بات سنے گی ہر دو جانب سے اسی قدر اس کی ذمہ داری بھی عظیم ہوگی۔

اگر بیان کرنے والا اللہ کے نام پر آسمانی ہدایت کی نسبت سے یا اللہ کے رسول اور اس کی شریعت اور اس کے دین کے نام پر بیان کررہا ہے تو اس کی شروط کڑی ہوں گی جنکی اسے پاسداری کرنا ہوگی:

اوّلاً:- وہ رائے کو ان کے اصلی مراجع سے اخذ کرے۔

ثانیاً:- وہ خود اسے درست طور پر سمجھے۔

ثالثاً:- ان کی بات کو من وعن درست طور پر نقل کرے۔ کیونکہ ایسی رائے کے اظہار کے ضرر کا دائرہ بہت وسیع ہوسکتا ہے۔جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

الف:- اس کا اوّلین ضرر اس کی ذات کو ہوگا۔

ب:- ان انسانوں کو بھی ضرر پہنچے گا جو اس کی بات کو سچ سمجھ کر اس پر اعتماد کرتے رہیں گے۔

ج:- دیگر انسانوں کی رائے میں فساد ہوگا اور ان کا اعتقاد بگڑے گا۔

د:- اس کا نقصان دنیا میں بھی ہوگا کہ وہ صراط مستقیم سے ہٹیں گے۔

ھ:- خسارہ اور نقصان آخرت میں ہوگا کہ باطل عقیدہ کی وجہ سے وہ ابدی سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

حق اظہار رائے اور دیگر کے حقوق کی رعایت

ہر عقلمند انسان جب رائے کے اظہار میں انسانی حریت کے دائرے سے خارج نہ ہو، وہ اس سے نہ نکلے اور وہ اپنے حق اور دیگر کے حق کی پاسداری کرے۔ اسے ان کے حقوق کی پاسداری اور رعایت کا احترام ہو تو وہ اظہار رائے میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت کرے گا تاکہ وہ رائے کے اظہار کے حق کا درست استعمال کر کے خود بھی مستفید ہو اور دیگر انسان بھی اس کی اس خیر سے مستفید ہوں۔ نیز اظہار رائے کے حق کے غلط استعمال کے شر سے وہ خود اور دیگر

انسان بھی محفوظ رہیں۔

ایک حقیقت جس کا ادارک اہم ہے

ہم مکرر کہتے ہیں کہ حضرت انسان وہ متمدن مخلوق ہے جس کی خیر سے وہ اور دیگر بنی نوع انسان اور اس کے شر سے وہ اور دیگر بنی نوع انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اس کے ہر عمل میں اس کی ذاتی اور دیگر بے پناہ انسانوں کی مصلحتوں کی رعایت ضروری ہے اور ہمارا موضوع سخن رائے کا اظہار بھی حضرت انسان کے اہم ترین اعمال میں سے ایک عمل ہے جس کا اس کی ذات اور دیگر انسانوں کی دنیا اور آخرت سے تعلق ہوتا ہے۔ یہ وہ اہم ترین انسانی عمل ہے کہ انسان کو اس میں انسانی حق وحریت کو اس لئے استعمال کرنا ہوگا کہ وہ اپنی اور دیگر بنی نوع انسان کی دنیا اور اپنی اور دیگر انسانوں کی آخرت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہوئے ''اظہار رائے کے حق کو استعمال کرے۔'' اور ہمیشہ مندرجہ ذیل اُمور اس کے پیش نظر رہنے چاہئیں:

۱- اس کے پیش نظر عمومی انسانوں اور مسلمانوں کی بھلائی ہو اور وہ کسی کے لئے باعث شر نہ بنے۔

۲- وہ عموماً انسانی سوسائٹی میں اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی ان کے مفادات کا تحفظ کرے۔ باین طور اپنی رائے کا اظہار کرے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو یا اس کی رائے انسانوں کے مابین عداوت اور نفرت کا سبب نہ ہو۔

۳- اظہارِ رائے میں عام انسانی نظام کا بھی تحفظ رہے۔ وہ انسانی معاشروں میں فتنہ وفساد کا موجب نہ بنے۔

یعنی اسلام نے انسان کو رائے کے اظہار کی جو آزادی دی وہ انسانیت کے دائرہ میں رہ کر ہی ہونی چاہئے تا کہ رائے سے انسانوں کو فائدہ پہنچے۔ ان کے عقائد سدھریں، ان کے

اخلاق سدھریں، ان کے مفادات کا تحفظ ہو، ان کے نظام میں بگاڑ کے بجائے اصلاح ہو۔ ورنہ رائے کے اظہار میں مادر پدر آزادی تو نہ صرف خود اس کی ذات اور دیگر بنی نوع انسانوں کے لئے خسارے اور مضرت کا باعث ہوگی۔ بلکہ یہ طریقۂ کار تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی سبب ہوگا۔

بحث و تحقیق کی آزادی کا حق

جس طرح ہر رائے دہندہ انسان کو انسانی دائرہ میں رہ کر رائے اور اظہار رائے کے آداب کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ہی اپنی رائے کو پیش کرنا ہوگا پھر دیگر کی رائے نقل کرنے کے آداب کی پاسداری کرتے ہوئے کسی کی رائے اور نقطۂ نظر کو نقل کرنا ہوگا نیز اسے اظہار رائے میں بھی اپنی اور دیگر انسانیت کے مفادات کی رعایت کرنا ہوگی۔ رائے دہندہ کو ان جملہ اُمور کی رعایت کے ساتھ ساتھ اس حق کا بھی اعتراف کرنا ضروری ہے کہ انہیں اس کی رائے میں بحث ونقد اور تحقیق کا مکمل حق حاصل ہے۔ اگر اس کی ذاتی رائے ہے تو اس میں حق وصواب میں تحقیق کرنے کا دوسروں کو حق ہے۔ پھر وہ اس کی رائے کو قبول کرنے یا انکار کا حق رکھتے ہیں۔ اور اگر کسی نے دیگر کی رائے نقل کی ہے تو اہل علم کو اولاً یہ حق حاصل ہے کہ اس کے نقل کرنے کی صحت وعدم صحت میں بحث و تحقیق کریں پھر انہیں یہ بھی حق ہے کہ اس رائے کے حق وصواب یا عدم صحت کے بارے تحقیق کریں۔ کیونکہ علمی میدان میں تو سچ اور حق سب انسانوں کا مشترکہ سرمایہ اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ کون ہے جو سچ کو برا سمجھتا ہے؟ کون عقلمند ہے جو حق سے روگردانی کرے گا؟ خصوصاً جب کوئی شارع اور شریعت یا رَبّ اور رسول کے نام پر بات ہو تو اس کی بحث و تحقیق کا حق اس لئے اہم ہوتا ہے کہ:

اولاً:- یہ اہلِ علم کا شرعی واجب ہے۔

ثانیاً:- یہ رائے کے اظہار کرنے والی کی خدمت ہے۔

ثالثاً:- یہ رائے کا مطالعہ کرنے والوں کی خدمت ہے۔
رابعاً:- یہ عموماً انسانوں کی خدمت ہے کہ شرعی حق وحقیقت لوگوں پر واضح ہو۔
خامساً:- وہ حق کو جانتے ہوئے اس پر عمل کرسکیں۔
سادساً:- اس طرح وہ دنیا میں صراط مستقیم پر قائم ہوں۔
سابعاً:- آخرت میں ابدی کامیابی کے مستحق قرار پائیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ دین وشریعت کے ہر باب یا احکام کے ہر شعبے میں رائے کا اظہار نہ مطلوب ہے نہ ہر دین دار کو اظہار کرنے کی اجازت ہے۔ وہ عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات۔ بندہ کو تو اللہ ہی کے حکم اور فیصلے کی اطاعت بخوشی قبول کرنا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ'' (الاحزاب:۳۶)

''کسی مؤمن مرد یا عورت کو اِختیار نہیں کہ جب اللہ اور رسول کسی بارے میں فیصلہ فرمادیں تو انہیں کچھ اختیار باقی رہے۔''

یہی اسلام ہے، یہی ایمان ہے، یہی تسلیم ہے، یہی اطاعت ہے، یہی وفا شعاری ہے کہ اللہ ورسول کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞'' (النساء)

''اے پیغمبر! مجھے تیرے ربّ کی قسم ہے! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک یہ اپنے ہر معاملے میں تمہیں اپنا حَکَم (فیصلہ کرنے والا) نہ

مان لیں، پھر آپ کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں۔''

ایمان واسلام کا یہی وہ عظیم ضابطہ ہے جس سے بندہ خود اپنے آپ کا محاسبہ کرسکتا ہے۔ یہی معیار اور کسوٹی ہے اہل ایمان کے ایمان پرکھنے کی۔ نیز اِرشادِ ربانی ہے:

''یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ''

(الحجرات:۱)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے پیش قدمی نہ کرو۔''

ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ کے سامنے کسی کو رائے زنی کی اجازت ہے نہ حاجت ہے۔ ہاں! جہاں خود اللہ اور اس کے رسول نے اہلِ رائے کو رائے دینے کی اجازت دی ہو وہاں رائے پیش کرنا اور پھر وہ بھی اہل رائے کا کام یہی بندۂ مؤمن کو روا ہے۔ جس طرح کہ حضرت معاذ نے فرمایا تھا کہ وہ اللہ کے حکم اور رسول اللہ کی سنت کے بعد ہی اپنی رائے کو بروئے کار لائیں گے۔ دین کے اصول اور ثابت اُمور میں تو یہی سراسر ایمان واطاعت ہے، البتہ دین کا مجتہد فیہ باب اور اُمت کو درپیش جدید مسائل جنہیں حوداث ونوازل کہتے ہیں ان میں بھی صرف اہل اجتہاد کو قرآن وسنت کی روشنی میں رائے زنی کا حق ہے پھر اس کا بھی ادب یہ ہے کہ اس باب میں اوائل سلف اُمت کا کسی رائے پر اجماع نہ ہو چکا ہو، اگر مسئلہ اصول کا ہو یا اوائل سلف کے اجماع کا تو اس میں خلف کے کسی فرد کو اپنی رائے پیش کرنے کا حق نہیں بلکہ اس کا یہ عمل بذات خود خلاف شرع ہوگا اور یہ عمل تحقیق نہیں تحریف ہوگا اور اِلحاد فی آیات اللہ کے زُمرے میں آئے گا۔ بلکہ ایسا کرنے والے کا یہ عمل اس کے دِین کی طرف نسبت کے اقرار سے خود اس کا اِنحراف شمار ہوگا۔ تو لہٰذا قرآن وسنت کے اُصولی مسائل میں نہ اُمت کے اجماعی مسائل میں رائے زنی ہوگی، صرف مجتہد فیہ باب اور حوادث ونوازل ہی میں ہوگی مگر رائے زنی

کون کرے گا؟

صاحبِ رائے کون؟

شریعت کے جس شعبے میں رائے زنی کی گنجائش ہے اس میں کس کی رائے معتبر ہوگی؟

حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ'' (النحل:۴۳) ''سوتم اہلِ علم سے پوچھا کرو!''

غیر اہل علم کو نہ صرف رائے زنی سے منع فرمایا بلکہ ان کے اس عمل پر شدید مذمت بھی فرمائی ہے:

''وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ'' (الاسراء:۳۶)
''جس بارے میں علم نہ ہو رائے زنی نہ کرو۔''

نیز فرمایا:

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۱۱۶ۭ''

(النحل)

''تم اپنی لاعلمی سے ہی اپنی زبانی یہ نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو یقیناً اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کامیاب نہ ہوں گے۔''

الغرض شریعت کے نام پر، اللہ اور رسول کے نام پر بات کرنا یا رائے زنی کے لئے رائے دہندہ کے پاس علم صحیح ہو، ایسا علم جو بندہ مؤمن کو شرعی رائے زنی کے اہل بنادے، اگر علم صحیح

نہیں، یا علم صحیح ہو مگر ایسا علم نہ کہ درجہ اجتہاد و رائے کی صلاحیت کا باعث ہو۔ تو ان صورتوں میں شرعی رائے زنی کا حق نہ ہوگا بلکہ اس کی حرمت اور وعید کا موجب ہوگا۔ اس لئے اہل اسلام کو ہر کس و ناقص کی رائے کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ شرعی رائے میں رائے کا میدان اور صاحب رائے کی علمی صلاحیت ہر دو کا تعین ضرور کرنا چاہئے تاکہ رائے میں غلطی یا صاحب رائے کے دجل اور مکر و فریب سے عوام الناس محفوظ رہیں۔ دراصل اسلام میں حریت رائے سے پہلے اختیار رائے کی صحت پھر رائے کو دیانتداری سے پیش کرنا، اگر رائے دیگر کی ہو تو اسے دیانتداری سے نقل کرنا اور صاحب رائے کا باصلاحیت ہونا، یہ سب امور اسلام کے انسانیت پر وہ احسانات ہیں کہ ان جملہ امور کی رعایت سے ہی رائے زنی میں افادیت ہوگی اور دیگر انسان مستفید ہوں گے۔ اور اگر ان امور کی پاسداری نہ ہو تو اس کے مضر اثرات سے فرد بھی اور معاشرہ بھی متاثر ہو گا۔

اسی بنیاد پر رائے زنی کے بارے امام شاطبی نے بڑی حکیمانہ بات فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اجتہاد کی دو قسمیں ہیں: ایک شرعاً غیر معتبر۔ دُوسرا معتبر۔ غیر معتبر یہ ہے کہ صاحبِ رائے ایسا شخص ہے کہ جو اِجتہاد کے ضروری علوم سے نابلد ہو۔ ایسے شخص کی رائے شریعت کے بجائے محض خواہش و اغراض پرستی پر مبنی ہوگی، محض اٹکل پچو سے وہ اپنی رائے کو رِواج دینے کی سعی کرے گا۔ ایسی رائے بے وقعت ہوگی۔ ایسا شخص ان اُمور میں رائے زنی کرنے کی جسارت کرے گا جہاں رائے زنی درست نہیں۔ ثانیاً: اس کی رائے مقررہ حدود میں بھی صائب نہ ہوگی جس کے نتیجے میں نہ صرف وہ گمراہ ہوگا بلکہ دیگر اِنسانوں کی گمراہی کا بھی سبب بنے گا۔

مرزا غلام احمد اور اس کا رائے زنی کی حدود سے تجاوز کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب لوگ جاہلوں کو راہنما بنالیں گے اور وہ انہیں بغیر علم کے فتوے دینے لگیں تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دیگر لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (۱)

بانیٔ سلسلہ قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی نے رائے زنی میں تمام حدود کو کراس کر دیا۔ اس نے شرعی امور میں سے اس باب میں بھی رائے زنی کی جو قرآن وسنت سے ثابت شدہ اصول اور اُمتِ مسلمہ کے ہاں مسلّمات ہیں۔ نیز صاحب وحی کی بیان کردہ تفسیرات قرآنی اور تشریحات نبوی سے کھلا انحراف کرتے ہوئے بلکہ خود اپنے ہی بیان کردہ عقائد سے بھی انحراف کیا۔ مرزا غلام احمد کا یہ عمل بذات خود شرعی حدود سے تجاوز ہے مگر اس عمل کی خطرناکی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب اس نے اور ان کی جماعت نے مسلسل طور پر اُمتِ مسلمہ کے اجماعی عقائد پر اشکالات وارد کرتے ہوئے اس سلسلے کو نہ صرف اپنی کتابوں میں جاری رکھا بلکہ آج اپنے جدید ترین میڈیا کو بھی اس خاطر بروئے کار لائے اور مسلسل اہلِ اسلام کو چیلنج کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے ثابت شدہ عقائد تقلیدی اور غیر تحقیقی ہیں۔ ایسی صورت حال میں اہل علم مسلمانوں کی ذمہ داری اور شرعی واجب ہے کہ وہ مرزا غلام احمد اور قادیانیت کے اس خطرناک اقدام کی روک تھام کریں۔ وہ اسلامی عقائد حقہ کا تحفظ کریں اور مرزا غلام احمد اور اس کی جماعت کی ان آراء کا علمی طور پر تعاقب کریں تا کہ اسلام کا اصلی چہرہ انسانیت کے سامنے آ سکے۔ اس کے عقائد حقہ کا تحفظ

(۱) عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان الله لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء، حتی اذا لم یبق عالماً اتخذ الناس رؤساً جهلاً فسألوا فأفتوا بغیر علم، فضلّوا وأضلوا (مشکوة ص: ۳۳ کتاب العلم)

ہو سکے۔ اُمت کے مسلمات میں کوئی تشکیک نہ پیدا کر سکے۔ نیز عمومی انسانیت بھی مرزا غلام احمد اور قادیانیت کی رائے زنی کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں۔ آج بعض مغرب زدہ طبقہ کی عجیب حالت ہے کہ مرزا غلام احمد اور قادیانیت کو تو اپنے غلط اور مخالف کتاب وسنت اور اجماعی تعلیمات کو تحقیق وتجدید کے نام سے تحریف کرنے کے حق کو وہ اور ان کے نگران تسلیم کریں مگر اہل حق، اہل اسلام اور اُمتِ مسلمہ جن کے نام پر مرزا غلام احمد اور قادیانیت اصول اسلام سے انحراف کرنے اور نقل کرنے کے ضوابط کی پاسداری کیئے بغیر اپنی جارحانہ کوششوں کو کھلے عام جاری رکھیں اور جب بھی کوئی حکومت، کوئی حکمران، کوئی باغیرت اہل علم اپنے حق بحث وتحقیق کو استعمال کرتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی سے ان کا رد کرے تو قادیانی اُمت کے لئے خیر خواہی اور بھلائی کی سعی کرے تو اس پر قادیانیت اور مغرب زدہ طبقہ واویلا شروع کر دے۔

مرزا غلام احمد کی تحریرات ومؤلفات قادیانیت کے بیانات، ان کے اُمتِ مسلمہ کے عقائد کی تضحیک علمائے اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے ساتھ استہزا اور توہین آمیز رویے اور فکری دہشت گردی میں نہ قرآن وسنت کے مقام کی پاسداری ہو نہ مسلمان اُمت کے عظماء کی عظمت کا تحفظ رہے، نہ ان کے مقدسات کے تقدس کا خیال کیا جائے.......وہ اپنی اس جارحانہ پالیسی میں عقائد اسلامیہ کی تغلیط وابطال کرتے رہیں۔ اہل اسلام کی تکفیر تک کا ارتکاب کریں تو یہ ان کا حق حریت رائے ہے اور اگر مسلمان اللہ کے کلام، اپنے نبی کی سنت اور قرآن وسنت اور تاریخی تسلسل سے ثابت شدہ اپنے عقائد اور اپنے مسلمات اپنی علمی وراثت جو ان کی شناخت ہے کا تحفظ چاہیں تو اس خالص شرعی واجب پر بین الاقوامی مسلم حق کو نہ قادیانیت تسلیم کرنے سے اعراض کرے بلکہ عالمی حقوق اظہار رائے اور تحقیق کے چمپئن اسے جارحیت سے تعبیر کرنے لگیں۔

دُنیا میں ہر معروف شخص، ادارے، اُمت حتیٰ کہ بین الاقوامی تجارتی کمپنیوں کی اپنی

شناختی اور ٹریڈ مارک یعنی علامات ونشانات ہیں جنہیں دیگر کوئی ادارہ یا شخص استعمال میں لائے یا ان کی شناخت علامات میں سوءتصرف کرے تو یہ بین الاقوامی جرم تصور کیا جائے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کی علمدار منتظمین اور اشخاص حرکت میں آجائیں، وہ ناجائز طور پر ان مخصوص علامات کو اپنے لئے استعمال کرنے والے یا ان علامات میں تبدیلی کر کے انہیں ناجائز استعمال کرنے کو بین الاقوامی جرم سمجھیں کیونکہ اس میں اس مخصوص ادارے کی حق تلفی ہے جس کے لئے کہ وہ ٹریڈ مارک خصوصی شناخت کا درجہ رکھتے ہیں۔ نیز اس میں دیگر صارفین کے ساتھ بھی دھوکہ دہی ہوگی کہ اصلی کی جگہ وہ نقلی اشیاء استعمال نہ کریں۔ مگر قادیانیت جب اسلام کے نام پر مخالف اسلام عقائد کو استعمال میں لائے، اُمتِ مسلمہ اور مسلمانوں کے نام سے غیر اسلامی عقائد کو ترویج دے تو ان کا یہ عمل قرآن وسنت، اسلام اور اُمتِ مسلمہ کی حق تلفی بھی ہی ہے اور انسانیت کے ساتھ دھوکہ دہی بھی ہے۔ عدل اور انصاف اور انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں کو بھی اس عمل میں اصل حق اہل حقوق کو لوٹانے میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ صرف اسلام ہی اسلام ہے، صرف اُمتِ مسلمہ اُمتِ مسلمہ ہے اور قادیانیت اسلام سے الگ ایک دین ہے اور قادیانیت مرزا غلام احمد کی طرف منسوب ایک اُمت ہے۔ صرف اسلامی عقائد ہی اسلامی عقائد ہیں۔ صرف اُمتِ محمد یہ ہی اُمتِ محمد یہ ہے، مرزا غلام احمد قادیانی کی اُمت یقیناً قادیانی اُمت ہے۔

کیونکہ نبی کی نسبت سے اُمت تشکیل پاتی ہے، نبی کے عقائد اُمت کے لئے اصول ہوتے ہیں، نبی کی لائی ہوئی تعلیمات اُمت کے لئے شریعت ہوتی ہے۔ جب قادیانی اُمت نے مرزا غلام احمد کو نبی مان لیا تو وہ اسی کی اُمت گردانی جائے گی، اُمتِ محمد یہ ہرگز نہیں۔ چاہے وہ حضرت محمد رسول اللہ کو ماننے کا اعلان بھی کریں جیسے کہ جناب محمد رسول اللہ کی نبوّت پر ایمان کے بعد مسلمان اُمتِ محمد یہ ہیں، چاہے وہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو مانتے ہیں۔ اسی طرح مرزا

غلام احمد کی نبوّت پر ایمان کے بعد قادیانی مرزا کی اُمت ہیں، چاہے وہ پہلے انبیاء کو ماننے کا اقرار بھی کریں۔ اس کے بعد ان کے عقائد اسی اُمت کے عقائد ہوں گے، اُمتِ محمدیہ کے نہیں۔ ان کی تعلیمات شریعت محمدیہ سے الگ ہوگئیں ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے اسلامی اصطلاحات کا استعمال شرعاً اور بین الاقوامی قوانین کے مطابق غیر قانونی ہوجاتا ہے۔ لہٰذا انسانی حقوق کی تنظیموں کو اُمتِ محمدیہ کے غصب شدہ حقوق کو جسے قادیانی اُمت نے ناجائز طور پر غصب کر رکھا ہے کہ وہ اپنے لئے اسلامی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ حقوقی تنظیموں کو قادیانیت کو اس عمل سے روکنا چاہئے۔ یہی کام تو حکومت پاکستان نے کیا جو ایک شرعی اور قانونی اقدام ہے۔

بہرحال یہ تو قادیانیت کی زیادتی اور دیگر تنظیموں کی سستی کی بات ہے جہاں تک مرزا غلام احمد کی اپنی آرا کے اظہار میں اظہار رائے کی حدود کی شرعی اور اجتماعی زیادتی کی بات ہے تو مرزا غلام احمد نے نام تو شریعت محمدیہ کا لیا مگر اصول شریعت اور اس کے مجمع علیہ اُمور میں بھی اپنی رائے کو دخل انداز کیا۔ مثلاً: ایک طرف تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول اور خاتم النّبیین کے بارے اہل اسلام والے عقائد کا لوگوں کے سامنے اعتراف کیا،(۱) مگر ان کی تالیفات اور آج کا قادیانی میڈیا رفع ونزول عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین کے اسلامی مفہوم کا منکر ہے۔

ایک وقت میں مرزا غلام احمد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوّت کو کافر اور خارج از اسلام اور ملعون کہتے رہے پھر خود اِدّعائے نبوّت کر بیٹھے۔(۲) اسی طرح انہوں نے

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں: براہین احمدیہ ص:۴۹۹، روحانی خزائن ج ا ص:۵۹۲۔
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں: مجموعہ اشتہارات ج:۲ ص:۲۹۷۔
(۲) حمامۃ البشری ص:۹۷ روحانی خزائن ج:۷ ص:۲۱۷ مجموعہ اشتہارات ج:۲ ص:۲۹۷۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی اقرار کیا کہ وہ اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے تھے۔[۱] مجھے عیسیٰ بن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں مگر بعد میں انہوں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کرلیا۔[۲] پھراس میں بتدریج ترقی کرتے کرتے خود مسیح بن مریم تک پہنچ گئے،[۳] اور پھر مسیح موعود اور مہدی منتظر بھی ہوگئے حتیٰ کہ انہوں نے ظلی و بروزی نبوّت کا دعویٰ کر کے خود کو محمد و احمد اور مستقل نبی تک کا دعویٰ کرلیا۔[۴] یاد رہے کہ نبوّت اور ختمِ نبوّت، رفع ونزول۔ یہ تمام اسلامی امور ہیں۔ ان کی اسلامی تشریحات ہیں مگر مرزا غلام احمد نے جی بھر کر ان تمام امور میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اب تو اہل اسلام کے لئے بھی ان مسائل میں تحقیق کا حق ہے بلکہ یہ ان کا واجب شرعی ہے اور بین الاقوامی طور پر ان کا مسلم حق بھی ہے۔

یہ اصطلاحات تو معروف ہیں مگر ان کے علاوہ مرزا غلام احمد نے اسلام کے نام پر بہت سی ایسی اصطلاحات بھی ایجاد کیں جن کا نام تک اسلامی مراجع میں نہیں۔ جیسے بروزِ محمد، ظلِ محمد،[۵] مثیلِ مسیح،[۶] شہر قادیان[۷] کا نام قرآن میں ہونا، غیر ظلی نبوّت[۸] وغیرہ وغیرہ۔

---

(۱) مقدمہ براہین احمدیہ ص:۳۰۷ حاشیہ روحانی خزائن ج:۱ ص:۴۹۔
(۲) ازالہ اوہام ص:۱۹۰ روحانی خزائن ج:۳ ص:۱۹۲۔
(۳) ازالہ اوہام ص:۳۹ روحانی خزائن ج:۳ ص:۱۲۲۔
(۴) اخبار بدر مؤرخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء ملفوظات ج:۱۰ ص:۱۲۷۔
(۵) ایک غلطی کا ازالہ ص:۸ روحانی خزائن ج:۳ ص:۱۹۲۔
(۶) ازالہ اوہام ص:۱۹۰ روحانی خزائن ج:۳ ص:۱۹۲۔
(۷) تذکرہ ص:۷۶ طبع سوم ازالہ اوہام ص:۷۷ حاشیہ روحانی خزائن ج:۳ ص:۱۴۰۔
(۸) مجموعہ اشتہارات ج:۳ ص:۲۷۰، تذکرہ ص:۳۵۲ (طبع سوم)۔

مرزا غلام احمد اور قادیانیت نے اصول میں رائے زنی کر کے لوگوں کو نئے عقائد مہیا کئے اور ان کا نام تجدیدات رکھا۔ نئے اصول پر جدید اُمت کی تشکیل کر دی۔ نئی نبوّت سے نئی اُمت پیدا کی جس سے اُمتِ مسلمہ میں تفریق ہوگئی۔ پہلی نبوّتوں کا گرچہ انکار نہیں مگر نبوّتِ جدیدہ کو تسلیم کرنا جدید اُمت کی تشکیل دلیل ہوتی ہے۔

موسوی لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انکار نہیں کیا مگر نبوّتِ موسیٰ پر ایمان کے بعد وہ اُمتِ موسیٰ کہلائے۔

عیسوی لوگوں نے بھی سابقہ انبیاء کا انکار نہیں کیا مگر نبوّتِ عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد وہ اُمتِ عیسیٰ کہلائے۔

محمدی لوگوں نے بھی سابقہ انبیاء اللہ کا انکار نہ کیا مگر نبوّتِ محمدی پر ایمان لانے کے بعد وہ اُمتِ محمدیہ کہلائے۔

نبوّتِ غلام احمد پر ایمان لانے والوں نے اگرچہ پہلی نبوّتوں کا انکار نہیں کیا مگر ان کے نبوّت قادیانی ماننے سے ان کا پہلی نبوّتوں کو ماننا نئی اُمت کی تشکیل ہونے سے انہیں روک نہیں بن سکتا۔

یہ ضابطہ سب اُمتوں میں مشترکہ سرمایہ ہے۔ قادیانی حضرات نے جملہ اُمتوں کی حق تلفی بھی کی۔ مسلمانوں کی خصوصاً اس لئے کہ ان کی اظہار رائے سے سب سے زیادہ زد اُمتِ محمدیہ پر بایں طور پڑی کہ وہ سابقہ اُمتوں میں سے ہونے کے مدعی نہیں بنے۔ ہاں اگر وہ کہتے کہ ہم نئے نبی کو ماننے کے بعد محمدی بھی ہیں۔ موسوی بھی ہیں کہ ان کو مانتے ہیں۔ عیسوی بھی ہیں کہ ان کو مانتے ہیں تو ان کی نبوّتِ جدیدہ پر ایمان کے بعد ان کے اس عمل کی زد سب اُمتوں پر پڑتی مگر انہوں نے صرف اُمتِ محمدیہ ہونے کا دعویٰ باقی رکھا لہٰذا اُمتِ محمدیہ پر زد سب سے زیادہ پڑی۔

لہٰذا اُمتِ مسلمہ سب سے بڑھ کر زیادہ قادیانیت کی زیادتی کا نشانہ بنی ہے۔

پھر قادیانیت نے صرف اُمتِ مسلمہ ہی کے اجماعی عقائد کو اپنے اشکالات کا نشانہ بنایا، قادیانیت صرف انہیں کی مخالفت میں رات دن اپنی جدوجہد صرف کر رہی ہے۔ان کی جملہ آراء زنی کا نشانہ اُمتِ مسلمہ کے ہی عقائد ہیں۔لہٰذا اُمتِ مسلمہ کو اپنا دِفاع اور اپنے حقوق کے تحفظ کا حق سب سے زیادہ ہے۔ پھر اگر یہ لوگ نکلے تو اُمتِ مسلمہ سے ہی نکلے۔ ہماری تو تمام تر کوشش صرف یہی ہے کہ یہ لوگ پھر سے اُمتِ مسلمہ کا حصہ بن جائیں اور جب اُمتِ مسلمہ ہونے کے مدعی ہیں تو کیونکر اُمت کے اجماعی اور اصولی مسائل کو قبول نہیں کرتے۔ان کا فرض ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے مسلمات کو تسلیم کرلیں تا کہ اُمتِ مسلمہ میں تفریق، وحدت میں بدل جائے۔ بہت سے وہ لوگ جو دھوکہ کھا چکے ہیں، وہ دھوکہ دہی سے محفوظ ہو جائیں۔ دیگر انسانیت بھی اسلام کی سچی تصویر اور حقائق کو جان سکے۔ ہماری تمام تر سعی اپنے تحفظ، قادیانیوں کی خیر خواہی، انسانیت کی بھلائی کے لئے اور اہلِ علم کی آگہی کے لئے ہے۔اب ہم آئندہ حلقوں میں قادیانیت کی وہ تحریفات پیش کریں گے جو انہوں نے ذات باری تعالیٰ،حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام،خصوصاً حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم،حضرت عیسیٰ علیہ السلام،حضرت مسیح کے رفع ونزول، ان کے معجزات کے انکار،ان کی والدہ طاہرہ کی توہین،علامات قیامت،مسلمانوں کے مقدسات،علمائے اسلام،حضرت مہدی منتظر کے بارے ناحق رائے زنی کر کے اظہار رائے کے حق کو ناجائز طور پر اُصولوں کی پاسداری کئے بغیر اپنی مرضی سے بغیر شرعی ضابطے کی رعایت کے استعمال کیا۔لہٰذا ہمیں اپنے حق تحقیق میں حریت حاصل ہے۔ جسے عمومی انسانیت اور قادیانی اہلِ عقل اور دیگر انسانی حقوق کی پاسداری کرنے والوں کو تسلیم کرتے ہوئے ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔ اگر چہ قادیانیت نے شرعی رائے کے اظہار کو شرع کی پابندی کے بغیر استعمال کیا ہے مگر ہم شرعی

تحقیق کے حق کو شرعی پابندی کے ساتھ استعمال کریں گے۔ ان شاءاللہ۔

✡✡✡

خلاصۂ مبحث

۱- اس محکوم ومقہور اور مغلوب الحال غلام انسان کو اصل حریت، وہ حریت اختیار رائے ہو یا حریت اظہار رائے، اسلام نے سب سے پہلے یہ حق دیا ہے۔

۲- اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ انسان دیانت داری سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرے۔اس میں کذب بیانی سے احتراز کرے۔

۳- اگر کسی دوسرے انسان کی رائے نقل کر رہے ہیں تو اس میں صحت فہم اور صحت نقل ہر دو کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۴- اگر کسی شرعی امر میں رائے دی جا رہی ہو تو صاحب رائے کو اہل علم اور اجتہاد کی شروط سے متصف ہونا ضروری ہے ورنہ اس کی رائے قابل اعتبار نہ ہوگی۔

۵- صاحب علم اور مجتہد بھی صرف مجتہد فیہ مسائل میں اپنی رائے دے سکتا ہے۔مجمع علیہ اموراور اصول میں نہیں۔

۶- جس طرح انسان کو رائے کے اظہار کا حق ہے اسی طرح دیگر کا بھی حق ہے کہ وہ اس کی رائے میں بحث ونقد اور تحقیق کریں۔کیونکہ سچ اور حق انسانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔

۷- مرزا غلام احمد نے رائے زنی کی حدود سے تجاوز کیا۔

۸- مرزا غلام احمد نے اُصول اور مجمع علیہ اُمور میں تشکیک ڈالنے کی سعی کی اور یہ اظہار رائے کی حدود سے تجاوز ہے۔

۹-مسلمانوں کو اپنے عقائد حقہ، مُسلَّمات دینیہ، اپنی دینی اور مذہبی شناخت کے تحفظ کا حق بھی ہے۔ قادیانیت کی پیش کردہ آرا میں نقد و تحقیق کا حق بھی ہے کیونکہ حق انسانیت کا سرمایہ ہے۔

۱۰-حق کا بیان اور حق تک پہنچانے کی سعی انسانیت کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ہے۔

ہماری دُعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ طالبینِ حق کو حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے اور اہلِ علم کو حق کے تحفظ اور بیان کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

✡✡✡

نمبر ⑤ از سلسلۂ ”دِین بھلائی ہے“

باری تعالیٰ جل شانہٗ
اور
مرزا غلام احمد قادیانی کا اُسلوبِ تعامل

باری تعالیٰ کا کوئی مثیل نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ خالقِ مخلوقات ہیں، و وہ قادرِ مطلق ہیں، ان کا کوئی مثیل نہیں، جملہ صفات کمال ان کے اندر جمع ہیں۔ وہ ہر نقص وعیب سے پاک ہے، ان کا ارشاد مبارک ہے:

''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝١١'' (الشوریٰ) ''اللہ تعالیٰ کی مثیل ونظیر نہیں، وہ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔''

باری تعالیٰ جل جلالہٗ کی ذاتِ مقدسہ نے اپنا جو وصف خود بیان فرمایا ہے، بندۂ مؤمن کے لئے اس سے سرِ موتجاوز دُرست نہیں۔ جس صفت کو ثابت فرمایا، اسے ثابت کرنا بندوں کا واجب ہے۔ انہوں نے جس صفت کی جس طرح نفی اپنی ذات سے فرمائی، اس کی اس طرح نفی کرنا ان پر واجب ہے۔ انہوں نے جہاں سکوت اختیار فرمایا، وہاں سکوت کرنا ہوگا۔ یہی ایمان کا شیوہ ہے۔ خالق کے شایانِ شان نہیں کہ اپنی عقل وفہم سے بندہ اس کے بارے کچھ کہے۔ اس کی ذات عالی عقل انسانی سے بالاتر ہے۔

سنہری ضابطہ

اسی لئے امام شافعی فرماتے ہیں کہ (یاد رہے کہ امام شافعی کا نام قادیانیت کے ہاں مجددین کی فہرست میں داخل ہے): [1]

(۱) عسل مصفی ج:۱ ص:۱۶۳۔

''میں ہر اس امر کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اللہ کی مراد کے مطابق مانتا ہوں اور رسول اللہ کی طرف سے آیا ہے اسے رسول اللہ کی مراد کے مطابق مانتا ہوں۔''

کلام اگر اللہ کا ہو اور مراد اس کی نہ ہو، کسی اور کی ہو تو یہ ایمان کے منافی ہے، اسی طرح کلام اگر رسول اللہ کا ہو اور مراد ان کی نہ ہو کسی اور کی ہو تو یہ بھی ایمان کے منافی ہے۔

یہی وہ ضابطہ ہے جس میں اہل ایمان بہت احتیاط برتتے ہیں، نہ وہ اللہ کی ذات میں زیادتی یا نقصان کرتے ہیں نہ اس کی کلام میں، اس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے۔

تجدیداتِ مرزا دَر شانِ باری تعالیٰ

ہمارا موضوع ذات باری تعالیٰ اور قادیانیت کی وہ تحقیق وتجدید ہے جو دراصل ذاتِ باری تعالیٰ کی شان میں قادیانی تحریفات کا نمونہ ہیں۔ مجددینِ اسلام ہر باب میں اور خصوصاً اس باب میں ہمیشہ شارع کی طرف سے وارِد نصوص اور ان کی مراد ہر دو کی پاسداری کرتے ہیں۔ وہ اپنی طرف سے زیادتی یا کمی نہیں کرتے، جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ذاتِ باری تعالیٰ میں بھی تمام حدود کو توڑنا روا رکھا۔

خدا تعالیٰ کے بے شمار ہاتھ پیر

مرزا غلام احمد ''توضیح المرام'' کے صفحہ نمبر: ۴۲، روحانی خزائن ج: ۳ ص: ۹۰ پر حق تعالیٰ شانہ کے لئے بے شمار طویل وعریض اعضاء ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''قیوم العالمین ایک ایسا وجودِ اعظم ہے جس کے لئے بے شمار ہاتھ، بے شمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض

اور طول رکھتا ہے۔ اور تیندوے کی طرح اس وجودِ اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحۂ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں۔''

یاد رہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ مقدسہ کا ایسا وصف کرنا، ان کے لئے عدد کے اعتبار سے شمار، پھر کمیت میں طویل وعریض اعضاء ثابت کرنا اور ان کے لئے تیندوے کی مثال یقیناً غیر شرعی عمل ہے جو قرآن حکیم کی نص قطعی کی کھلی مخالفت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ'' (النحل:۷۴) کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں پیش نہ کرو۔ نیز فرمایا: ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱'' (الشوریٰ) اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شئ نہیں، وہ سمیع اور بصیر ہے۔

اب حق تعالیٰ شانہ کے لئے مذکورہ مثالیں دینا اور ان کا یہ اندازِ بیان، کیا مرزا صاحب کے لئے کسی ایمانی حقیقت کو باقی رہنے دے گا؟

اللہ اور چور

اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی ''تجلیاتِ الٰہیہ'' کے صفحہ نمبر: ۴ پر اللہ تعالیٰ کے آنے کو چوروں کی طرح آنے کی مانند اقرار دیتے ہوئے رقم طراز ہے:

''تو تم اس خدا سے ڈرو جس نے میرے لئے یہ سب کچھ کر دکھایا، وہ خدا جس کے قبضہ میں ذرہ ذرہ ہے، اس سے انسان کہاں بھاگ سکتا ہے؟ وہ فرماتا ہے کہ میں چوروں کی طرح پوشیدہ آؤں گا۔''

(روحانی خزائن ج:۲۰ ص:۳۹۶)

میں خود خدا ہوں

مرزا صاحب نے ''آئینہ کمالات اسلام'' مندرجہ ''روحانی خزائن'' ج:۵ ص:۵۶۴

پرعربی زبان میں اپنے بارے میں یہاں تک دعویٰ کردیا کہ وہ عین اللہ ہے۔ یہ دعویٰ ملاحظہ کیجئے:

”ورأیتنی فی المنام عین اللّٰہ وتیقنت أننی ھو ولم یبق لی ارادة ولا خطرة ولا عمل من جھة نفسی وصرت کاناء منثلم بل کشیء تأبطه شیء آخر۔“

ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

”میں (مرزا قادیانی) نے خواب میں دیکھا کہ میں ہوبہو اللہ ہوں اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا اور میں ایک سوراخ دار برتن کی طرح ہوگیا ہوں۔“

خدا میرے وجود میں داخل ہوگیا

مرزا صاحب ایک طرف تو خود عین اللہ ہونے کا دعویٰ کررہے ہیں اور دوسری طرف اس سے بھی آگے ایک قدم بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اندر داخل ہوگئے ہیں، پھر تو مرزا صاحب اللہ تعالیٰ کی زبان بولنے لگتے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے وہ ”کتاب البریہ“ صفحہ:۸۶-۸۷ مندرجہ ”روحانی خزائن“ جلد:۱۳ صفحہ:۱۰۴-۱۰۵ پر رقم طراز ہیں:

”خدا تعالیٰ میرے وجود میں داخل ہوگیا اور میرا غضب اور حلم اور تلخی اور شرینی اور حرکت اور سکون سب اسی کا ہوگیا اور اس حالت میں، میں یوں کہہ رہا تھا کہ ”ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔“

قرآن نے اللہ تعالیٰ کے لئے مثیل ہونے کی صراحت سے نفی فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ“ (الشوریٰ:۱۱) (کوئی شئ اللہ کی مثیل نہیں)۔ مگر مرزا صاحب

اپنے بارے میں اپنی تالیف ''اربعین'' کے نمبر: ۳ صفحہ نمبر: ۱۷ پر لکھتے ہیں:

''اسی وجہ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور انجیل اور دانیال اور دوسرے نبیوں کی کتابوں میں جہاں میرا ذکر کیا گیا ہے وہاں میری نسبت نبی کا لفظ بولا گیا، بعض نبیوں کی کتابوں میں میری نسبت بطور استعارہ فرشتہ کا لفظ آ گیا ہے اور دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کے مانند۔'' (روحانی خزائن ج:۱۷ ص:۴۱۳)

ہم آج کی قادیانیت کو دعوت تامل دیتے ہوئے ان کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو رَبّ کا مثیل بتائے اور وہ رَبّ تعالیٰ کے ساتھ وحدت الوجود ہونے کا دعویٰ کرے کہ وہ اس کے ساتھ اس کی توحید و تفرید کی مانند ہو جائے، ایسے شخص کے لئے وہ کیا حکم شرعی لگائیں گے؟ مرزا صاحب کا اپنا کلام ان کے لئے حکم کو متعین کرتا ہے، صرف ذرا تامل کی ضرورت ہے۔ اہل ایمان کی تکفیر کرنے والے کی غیب سے یہی سزا مقرر ہوئی کہ اس کی زبان سے ایسا منکر دعویٰ اور اس قدر منکر قول نکلیں جو کہ اس کی تکذیب و تکفیر کی خود دلیل بنیں۔

باری تعالیٰ جل جلالہٗ کے بارے ایسے نازیبا دعوے مرزا صاحب نے صرف اپنی ذات تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ اپنی اولاد کے لئے بھی ایسی انہونی باتیں روا رکھیں۔ جیسا کہ ''حقیقۃ الوحی'' کے صفحہ ۹۵-۹۶ میں ہے کہ (بزعم مرزا) اللہ تعالیٰ کا خطاب مرزا کے نام یوں ہے:

''ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا گویا آسمان سے خدا اترے گا۔'' (روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۹۸، ۹۹)

خدا مرد، مرزا عورت

مرزا صاحب نے حق تعالیٰ شانہ کی طرف... معاذ اللہ... ایسے اُمور منسوب کئے کہ عقل

دنگ رہ جاتی ہے، اوراس کا تصور بھی بھیانک لگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کے ساتھ مردانگی کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوگئے۔ ''اسلامی قربانی'' ٹریکٹ نمبر ۳۴، از قاضی یار محمد قادیانی مرید مرزا قادیانی کی روایت ہے کہ:

> ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رُجولیت کی طاقت کا اِظہار فرمایا تھا، سمجھنے والے کے لئے اشارہ کافی ہے۔''

خدا تعالیٰ کے دستخط

مرزا صاحب نے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف ایسے اُمور کی نسبت کی کہ کوئی نبی یا مجدد تو کجا ایک ادنیٰ علم والا گنہگار مسلمان بھی اتنی جرأت نہیں کرسکتا۔ ان کی کتاب ''حقیقۃ الوحی'' علامت نمبر:۱۰۶ صفحہ:۲۵۵ مندرج در ''روحانی خزائن'' ج:۲۲ ص:۲۶۷ میں تحریر یوں ہے:

> ''ایک دفعہ تمثیلی طور پر مجھے خدا تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور میں نے اپنے ہاتھ سے کئی پیش گوئیاں لکھیں جن کا یہ مطلب تھا کہ ایسے واقعات ہونے چاہئیں تب میں نے وہ کاغذ دستخط کرانے کے لئے خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کیا اور اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تامل کے سرخی کے قلم سے اس پر دستخط کئے اور دستخط کرنے کے وقت قلم کو چھڑکا جیسا کہ جب قلم پر زیادہ سیاہی آجاتی ہے تو اسی طرح پر جھاڑ دیتے ہیں اور پھر دستخط کردیئے اور میرے پر اس وقت نہایت رقت کا عالم تھا اس خیال سے کہ کس قدر خدا تعالیٰ کا میرے پر فضل اور کرم ہے کہ جو کچھ میں نے چاہا بلا توقف اللہ تعالیٰ نے اس پر دستخط کردیئے اور اسی وقت میری آنکھ کھل گئی اور اس وقت میاں عبداللہ سنوری مسجد کے حجرہ میں میرے پیر دبا رہا تھا کہ اس کے روبرو

غیب سے سرخی کے قطرے میرے کرتے اور اس کی ٹوپی پر بھی گرے۔"

قادیانیت کو دعوتِ تامل

قادیانیت کے جال میں پھنسے ہوئے سادہ لوح لوگ ہوں یا ان کی ذمہ دار قیادت اور نمائندہ حضرات، ذرا غور اور تأمل سے کام لیں کہ کیا اس اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں روز اول سے آج تک کوئی ایسا شخص گزرا ہے چاہے وہ عام مسلمان ہو یا اہل علم وتحقیق کے طبقے کا کوئی فرد جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے بارے اس طرح گفتگو کی ہو، یا ان کی طرف کسی امر کے نسبت کرنے میں اسی طرح دیدہ دلیری سے کام لیا ہو جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا؟ کیا دین میں یہی تجدید ہے کہ اس طرح کی کفریات تحقیق وتجدید کے نام پر ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کی جائیں؟ کیا مجدد کا یہی کردار ہے؟

ہرگز نہیں! خدارا کچھ عقل وفہم سے کام لیں، ان تحریفات سے اپنی براءت کا اظہار کیجئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ جن کا نام خود قادیانیت کی مشہور تالیف "عسل مصفیٰ" میں مجددین کی فہرست میں مذکور ہے، ان کے اس بیان کو حرزِ جاں بنائیں، پھر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کے بارے جو ضابطہ شرعی انہوں نے اُمت کے سامنے وضاحت سے پیش کیا ہے کہ" میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کی مراد پر مانتا ہوں" کے مطابق اپنے ایمان دار ہونے کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کو اپنی عقل وفہم کے مطابق اپنے حاشیہ خیال میں نہ بٹھائیں، اور ان کفریات سے توبہ تائب ہو کر ایمان خالص اور مؤمنین مخلصین کے راستہ کو اختیار کریں۔

خلاصۂ مبحث

اس مبحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں پیش خدمت ہے:

۱- اہل ایمان ذات باری تعالیٰ کے وصف میں قرآن وسنت کی مقرر کردہ شرعی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔

۲- اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہر نقص وعیب سے منزّہ اور پاک ہے، اس کی کوئی نظیر ومثیل نہیں جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ان کی مثالیں بیان کی ہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کا اپنی عقل وفہم سے تصور یا اس ذات عالی کی ناقص عقل سے تصویر کشی کرنا ایمان کے منافی عمل ہے۔

۴- کسی بھی عام مسلمان یا مجدد نے ذات باری تعالیٰ کا ایسا وصف نہیں کیا جیسے کہ مرزا غلام احمد نے کیا۔

۵- مرزا غلام احمد قادیانی کے وصف باری تعالیٰ کے چند نمونے۔

ہماری حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اُمت کے خواص کو ان کے عوام میں دُرست منہج پر فہم دِین پیدا کرنے کی توفیق مرحمت فرمادیں، آمین یا ربّ العالمین!

✡✡✡

نمبر ⑥ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

حضراتِ انبیاء علیہم السلام
اور
مرزا غلام احمد قادیانی کا اُسلوبِ تعامل

مقامِ انبیاء علیہم السلام اور قادیانی اُسلوب

اللہ کی تمام مخلوقات میں حضرت انسان اشرف المخلوقات ہے، پھر انسانوں میں رتبہ میں اعلیٰ و افضل حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کا حق تعالیٰ نے خود انتخاب فرمایا۔ انہیں اپنے اور اپنی مخلوق کے مابین سفارت کا اعلیٰ و افضل منصب عطا فرمایا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے خصوصی عنایت سے ان کی گناہوں سے حفاظت فرمائی، معجزات سے ان کی تائید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے وظیفۂ رِسالت اور اللہ اور مخلوق کے مابین تعارف کی ادائیگی کو کما حقہ ادا فرمایا۔ سب انبیاء کی حقانیت اور ان کی عظمت کا اعتراف جزو ایمان ہے، ان میں سے کسی ایک کا انکار یا اہانت موجبِ کفر ہے۔

قادیانیت کا اُسلوب یوں ہے کہ وہ تمام آسمانی ادیان اور ان کی طرف منسوب اُمتوں کو اور دیگر انسانی سوسائٹی کو محض مرزا غلام احمد کی شخصیت اور اس کی تجدیدات (جو کہ دراصل تحریفات ہیں) کی فکری غلامی میں مبتلا کرنا چاہتی ہے۔ اسی ہدف کے حصول کے لئے مرزا غلام احمد، اس کے نگرانوں اور اس کے پیروکاروں نے مرحلہ وار تدریجی منصوبہ بندی اس طرح کی ہے کہ:

اولاً:- حضرات انبیاء علیہم السلام اور عظماء ادیان کی عظمت پھر ان کی شخصیات میں جرح وقدح، پھر مرزا غلام احمد کی شخصیت کی عظمت ان کی تعلیمات کو تجدیدات کے عنوان سے ابھارنا، پھر اپنے آپ کو فرقہ ناجیہ اور اہل تحقیق کے عنوان سے پیش کرنا، عمومی دُنیا اور خصوصاً عالم

اسلام کو درپیش مسائل اور مشکلات کے حل کو اپنے مزعوم آسمانی مأمور ومبعوث کے انکار کرنے سے جوڑنا اور ان کے حلول کا واحد راستہ مرزا غلام احمد کی بطور نجات دہندہ بیعت میں داخل ہونے میں منحصر کردینا۔

اب اس منصوبہ بندی کا قادیانیت کے اصل مراجع سے مطالعہ کیجئے جبکہ قادیانیت کے ذرائع ابلاغ عامہ سے روزانہ اس کا مشاہدہ کرسکتے ہیں۔

قادیانی منصوبہ بندی کی مرحلہ وار ترتیب یوں ہے:

انبیاء کی عظمت کا اعتراف

اولاً:- حضرات انبیاء علیہم السلام کی عظمت کا اعتراف اور ان کی تحقیر واہانت کرنے والے کی تکفیر۔

مرزا غلام احمد ''چشمۂ معرفت'' صفحہ:۱۹ مندرجہ ''روحانی خزائن'' ج:۲۳ ص:۳۹۰ میں کہتے ہیں:

> ''اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے اور سب پر ایمان لانا فرض ہے .... کسی نبی کی اشارہ سے بھی تحقیر سخت معصیت ہے اور موجب نزول غضب الٰہی۔''

ثانیاً:- ان کی عظمت کے ساتھ ساتھ ان کا مظہر اتم ہونا

مرزا غلام احمد حقیقۃ الوحی صفحہ: ۷۴ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کئے ہیں۔ میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں

یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہوں، یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔'' (روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۷۶)

چہرے کا دُوسرا رُخ

یہاں تک تو عظمت کا عقیدہ اور عقیدت کا اظہار ہے تاکہ مسلمانوں کو بتاسکیں کہ وہ بھی انہی کی طرح عقیدہ رکھتے ہیں اور ان عظماء سے عقیدت بھی اور مبالغہ یہ کہ ان کے مظہر اتم ہونے کا جھوٹا دعوی بھی۔ اب چہرے کا دوسرا رخ یوں شروع ہوتا ہے۔ اور اپنا خصوصی موقف وہ ''حقیقۃ الوحی'' کے تتمہ میں صفحہ ۱۳۵ پر یوں بیان کرتے ہیں:

''میں اس بات کا قائل ہوں کہ اس دُنیا میں کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس نے اجتہاد میں غلطی نہیں کی۔'' (روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۵۷۳)

اب انبیاء غلط کار ہوئے، مگر مرزا غلام احمد کا کام تو تب بنے گا کہ وہ ان سے آگے نکلنے کے مدعی ہوں تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس جانب قدم یوں بڑھایا کہ وہ اس کتاب کے صفحہ ۱۳۷ پر رقم طراز ہیں کہ:

''خدا تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے۔''

(روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۵۷۵)

یہ وہی نوح ہیں جن کے کمالات کا مظہر ہونے کا مدعی مرزا غلام احمد اب ان پر سبقت کا مدعی ہے، نہ صرف یہ بلکہ ان کی تحقیر بھی کر رہا ہے۔ اس سے قبل وہ اسی تحقیر پر کفر کا فتویٰ بھی دے چکے ہیں۔ یہ ایسا تناقض ہے جس کی اہل عقل وایمان کے کلام میں مثال نہیں ملے گی۔

اہانتِ انبیاء سے غرض

اس طرزِ تحریر سے غرض کیا ہے؟ وہ اس کلام سے واضح ہے جس کا اظہار مرزا غلام احمد نے اربعین کے نمبر ۳ کے تحت صفحہ نمبر:۳۱ پر ایک دعوے میں کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''اور یہ جو فرمایا کہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی یہ قرآن شریف کی آیت ہے اور اس مقام میں اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ ابراہیم جو بھیجا گیا تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس کی طرز پر بجالاؤ اور ہر ایک امر میں اس کے نمونے پر اپنے تئیں بناؤ۔'' (روحانی خزائن ج:۱۷ص:۴۲۰)

یہاں غور و تامل طلب کئی اُمور ہیں:

اولاً:- قرآنی آیت جن میں مخاطب حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ہیں، اسے خود اپنے اور اپنے رُفقاء پر فٹ کرنا۔

ثانیاً:- مقامِ ابراہیم مخصوص و متعین مقام کا نام ہے، اس میں تحریف کرنا۔

ثالثاً:- ابراہیم علیہ السلام مخصوص پیغمبر ہیں، خود کو وہی ابراہیم بنالینا۔

آخر کہاں کہاں زد پڑ رہی ہے۔ اسے تو قرآن نے اِلحاد فی آیات اللہ فرمایا ہے۔ یہ خود الگ ایک کفر ہے اور تمام کفروں سے بڑھ کر ہے کہ الفاظ کو ماننے کا دعویٰ بھی صرف اس لئے کہ ان کو اپنے مقاصد مذمومہ کے لئے استعمال میں لاسکیں۔

رابعاً:- کلام اللہ اور خود صاحب کلام کے حق میں اور جن کے بارے نازل ہوا ان کے حق میں اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہوسکتی ہے۔ اس پر تو وہ خود مرزا غلام احمد تکفیر کا فتویٰ صادر کر چکے تھے۔ واقعی تناقض اور پھر ایسا تناقض جس کی زد میں ذاتِ باری تعالیٰ، ان کے کلام، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ، خود سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابِ

کرام پر پڑ رہی ہو۔ مرزا غلام احمد ہیں کہ ایسی تحریفوں پر مدعی مجددیت مدعی محدثیت، مدعی نبوّت بنے بیٹھے ہیں اور جماعت قادیانیت ہے کہ بلا تامل ''آمنا وصدقنا'' کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں۔

خامساً:- پھر یہ دعویٰ ہے کہ تم سب اپنی عبادتوں اور عقیدوں میں مرزا غلام احمد کی اتباع اور اقتدا کرو۔ یعنی تم سب بھی ان عظماء کی عظمت کو دل سے نکال کر صرف مرزا غلام احمد کی عظمت اور سب کے طریقوں اور تعلیمات کو ترک کر کے مرزا غلام احمد کے طریقوں اور تعلیمات کو اپناؤ پھر جو اللہ کی طرف سے اُسوہ ٹھہرائے گئے، جن کے بارے قرآن نے کہا کہ ''ابراہیم علیہ السلام تمہارے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں'' ان سب نمونوں کو چھوڑ کر اب ہر اَمر میں اپنا نمونہ مرزا غلام احمد کو بنالو۔

سادساً:- مرزا غلام احمد کے اس کھلے اور واضح بیان کے بعد قادیانیت کے اہداف کے بارے میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس کے ہاں سب عظماء کی عظمت کی نفی ہی نفی ہے اور صرف اور صرف مرزا غلام احمد کی عظمت کا ہی اثبات اور اعتراف ہے جس کے حصول کی خاطر اسے اسلام کے دائرے سے باہر نکل جانا بھی آسان اور منظور ہے۔

اس طرح غور کریں کہ مرزا غلام احمد ایک وقت میں ''یوسف'' بھی بنتے ہیں پھر اس سے آگے کا رُخ کرتے ہیں اور ببانگ دہل اپنی فضیلت اور اس کی دلیل بھی بیان کرتے ہیں۔ اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ:۷٦ پر کہتا ہے کہ:

> ''پس اس اُمت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچایا گیا مگر یوسف بن یعقوب قید میں ڈالا گیا۔'' (روحانی خزائن ج:۲۱ ص:۹۹)

مرزا غلام احمد کی تحریر میں ان کا نبی سے افضلیت کا صراحت سے دعویٰ ہے، پھر اس کی

دلیل کا بھی بیان ہے کہ اسرائیلی یوسف کا جیل جانا اور میرا جیل سے محفوظ رہنا ان کے مفضول اور میرے افضل ہونے کی دلیل ہے۔

نبیوں کو اس طرح عیب دار بنانا، ان کی شان میں کھلی گستاخی نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر اپنے تئیں اُمتی ہوکر نبی سے افضل بننا یہ اسلام کے اجماعی عقیدہ کی کھلی مخالفت نہیں ہے؟

جملہ انبیاء سے مساوات اور ان پر تفوق کا دعویٰ

الحاصل مرزا غلام احمد کے کلام میں جملہ انبیاء سے مساوات، پھر ان پر تفوق اور افضیلت کا دعویٰ ان کی کتاب ''نزول مسیح'' کے صفحہ ۱۰۰ پر منظوم فارسی کلام میں ایک ہی جگہ اکھٹے طور پر موجود ہیں۔ ملاحظہ کریں:

انبیاء گرچہ بود اند بسے
من بعرفان نہ کمترم ز کسے
آنچہ دادست ہر نبی را جام
داد آن جام را مرا بہ تمام
زندہ شد ہر نبی بآمدنم
ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم
کم نیم زان ہمہ بروئے یقین
ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

(روحانی خزائن ج:۱۸ ص:۴۷۷، ۴۷۸)

اس کا اُردو میں خلاصہ ملاحظہ کریں:

اگرچہ انبیاء کی کثیر تعداد ہے، میں ان میں سے کسی سے بھی معرفت میں کم نہیں ہوں

(یہاں تک تو مساوات ہوگئی)۔

ان انبیاء میں سے ہر نبی کو ایک جام دیا گیا اور مجھے تمام کا مجموعہ دیا گیا (یہاں فضیلت وفوقیت کا دعویٰ ہے)۔

ہر نبی میری قمیص میں چھپا ہے (یہ اپنی فضیلت اوران کی تحقیر کا بیان ہے)۔

جو میری تکذیب کرے وہ ملعون ہے۔

یہ مرزا غلام احمد کا خصوصی اُسلوبِ لعنت ہے کہ پوری اُمتِ مسلمہ کو ملعون قرار دے کر اس خیرِ اُمت کی تحقیر کی جس کو اللہ تعالیٰ نے خیرِ اُمت فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ ''میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی''، مرزا غلام احمد کے ہاں وہ اُمتِ ملعونہ ٹھہری (والعیاذ باللہ)۔

حضرات انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کا دعویٰ، اُمتِ مسلمہ پر لعنت بھیجنے سے اصل غرض تو صرف مرزا غلام احمد کی شخصیت کو ہی منوانا ہے۔ یہی قادیانیت کا اصل ہدف ہے۔

اس مشن کا آغاز مرزا غلام احمد نے خود کیا، پھر ان کی اولاد، اتباع بھی اس مشن کی تکمیل میں کوشاں رہے ہیں اور آج ان کے ذرائع ابلاغ عامہ بھی مصروف عمل ہیں۔ غور کریں کہ مرزا بشیر احمد بن مرزا غلام احمد ''کلمۃ الفصل'' کے صفحہ: ۱۱۷ میں کس قدر رشدید رویہ اپناتے ہوئے رقم طراز ہیں، وہ کہتے ہیں:

> ''پس اب کیا یہ پرلے درجے کی بے غیرتی نہیں کہ جہاں ہم لا نفرق بین احد من رسلہ میں داؤد اور سلیمان اور زکریا ویحییٰ علیہم السلام کو شامل کرتے ہیں وہاں مسیح موعود جیسے عظیم الشان نبی کو چھوڑ دیا جائے۔''

قادیانیت کی فکری دہشت گردی

قادیانیت کی یہ فکری دہشت گردی ہے کہ وہ مسلمانوں کو جب وہ قادیانیت کے مزعوم عظیم الشان نبی مرزا غلام احمد کو قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں حضرات انبیاء کی ربّانی فہرست سے خارج کریں تو وہ پرلے درجہ کی بے غیرتی کے مرتکب ٹھہریں اور قادیانی اپنے بانی کو بلا دلیلِ شرعی مسیح موعود کا لقب دیں، اسے مہدی منتظر بنائیں، اسے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کے منصب پر بٹھانے کی ناکام سعی کریں، وہ پھر بھی راست باز، سبحان اللہ! یہ قادیانیت کی کیسی اُلٹی منطق ہے کہ راست بازی کو بے غیرتی کہیں اور بے غیرتی کو راست بازی، اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

باحمیت مسلمان اپنے اس عقیدہ کا جو قرآن وسنت سے ثابت ہے اس کا تحفظ کریں تو یہی دینی حمیت اور غیرت مندی ہے کیونکہ ایمان بالرسل کے قرآنی ضابطہ نے نبی خاتم اور ان سے پہلے انبیاء کو واجب ایمان بتایا ہے اور بعد والے ہر مدعی کو کذاب ودجال اور واجب الردّ بتلایا ہے۔ اسی کا اُمتِ مسلمہ تحفظ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوّت اور انبیاء اللہ کی تحقیر نے نہ صرف مسلمانوں کے فتاویٰ نے بلکہ خود انکے اپنے فتاویٰ نے بھی انہیں دائرۂ ایمان سے خارج کر دیا تھا۔ رہی بات ان کی حق کی طرف لوٹنے کی! تو ان کے لئے یہ رجوع الی الحق کا بہترین موقع ہے کہ وہ اس کے ذریعے اُمت کے دھارے میں واپس آسکتے ہیں، اپنی نسبت کو صرف حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالص کر دیں اور سابقہ انبیاء حضرات کی اہانت، اور مسلم اُمت کی طرح نہ انبیاء کی تحقیر کے نہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کے اجرا میں ان کے ساتھ شریک ہوں۔

✡✡✡

خلاصۂ مبحث

اس مبحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں پیش خدمت ہے:

۱-مخلوقات میں اشرف حضرت انسان اور انسانوں میں افضل حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

۲- انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب اس کے مقرب برگزیدہ بندے ہیں، جن کی عصمت اور معاصی سے حفاظت وعنایت خود حق تعالیٰ شانہ نے فرمائی۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے فرائضِ منصبی کو کما حقہ ادا فرمایا۔

۳-کوئی اُمتی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا چاہے اطاعت میں وہ کتنا ہی کامل ہو۔

۴-تمام انبیاء علیہم السلام کی تعظیم واجب اور کسی کا بھی انکار یا اہانت کفر ہے۔

۵- مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام نے اجتہادی غلطیاں کیں۔

۶- مرزا غلام احمد قادیانی نے انبیاء سے نہ صرف برابری بلکہ فوقیت کا دعویٰ بھی کیا۔

۷-نمونہ جات۔

ہماری حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اُمت کے خواص کو ان کے عوام میں دُرست منہج پر فہم دِین پیدا کرنے کی توفیق مرحمت فرما دیں، آمین یا رَبّ العالمین!

✡✡✡

نمبر ⑦ از سلسلۂ ”دِین بھلائی ہے“

سیّد المرسلین، خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس
اور
مرزا قادیانی کی تجدیدات وتحریفات

نقطۂ آغاز:

ہمارے آقا ومولی، اللہ کے تمام رسولوں کے سردار، جناب خاتم النّبیین والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ورتبہ کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!'' اللہ کے بعد مقام انہی کا ہے، ان کی ذاتِ عالی حق تعالیٰ کے قریب ترین، رَبّ العالمین کی عطا سے ان کا منصب ''رحمۃ للعالمین'' ہے، ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؈'' (الانشراح) کے مصداق صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جن کی ذاتِ مقدس کی عظمت یہ ہے کہ آپ خاتمیتِ مرتبی اور خاتمیتِ زمانی دونوں سے موصوف ہیں، یعنی افضل النّبیین بھی ہیں اور خاتم النّبیین بھی ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے تمام معصوم وبرتر بندوں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے انہی کی نصرت اور انہی پر ایمان لانے کا عہد ومیثاق لیا اور اس عہد وپیمان کے ذکر مبارک کو اپنے قطعی کلام معجز ومقدّس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبت بھی فرمادیا جس کی تلاوت تا قیامت ہوتی رہے گی، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے ان کی سیادت وقیادت کا اقرار بھی کیا اور اپنے اپنے ادوار نبوّت میں اس کا اظہار بھی کیا۔ اس عالم کے جملہ اہلِ ایمان سے انہی کی ذات مقدسہ پر ایمان لانے اور ان کی تعظیم وتوقیر کا مطالبہ قرآنِ حکیم میں ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

''لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ'' (الفتح:۹)

''تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے رسول کی تعظیم بجالاؤ اور اس کی نصرت کرو۔''

جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے کہ جن کی نصرت سے پس و پیش کرنے پر قرآنِ حکیم نے سخت تنبیہ فرمائی:

''اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ''

(التوبۃ: ۴۰)

''اگر تم رسول اللہ ... صلی اللہ علیہ وسلم ... کی نصرت میں پس و پیش کرو گے تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ نے تو اس کی اس وقت بھی نصرت کی تھی، جب اسے کافروں نے نکال دیا اور وہ دو میں دوسرا تھا جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُمت کے ہر فرد کو اسی طرح کی عقیدت و محبت رکھنا ہے اور آپ کی ذات کے لئے اسی طرح کی تعظیم و توقیر بجالانا ہے اور آپ کے لائے ہوئے دین کی نصرت کرنا ہے، اور یہی ان کے لئے بہتر ہے اسی میں ان کی خیر بھی ہے جبکہ اس میں پس و پیش کرنا خود ان کے اپنے لئے باعث خسارہ ہے، کسی شخص کے لئے یہ امر کبھی بھی باعث خیر نہیں ہوسکتا کہ وہ محبتِ رسول، تعظیمِ رسول، اور نصرتِ دینِ رسول میں کوتاہی کرنے والا ہو۔

پھر اہلِ ایمان میں کون ہے جو اپنی عقل و حواس اور اِیمان میں بھی ہو پھر حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عالی کی ہمسری کا مدعی ہو؟ یا ان کے مقامِ عالی کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہونے کا صرف تصور ہی کر سکے؟ یا اس عظیم شخصیت پر تفوّق اور برتری کا سوچ بھی سکے؟ اور

وہ اس کائنات ہستی میں ذی عقل وشعور ہو اور ایمان کے ادنیٰ درجہ سے ہی موصوف ہو، چہ جائیکہ یہ کہے کہ وہ تو روحانیت میں اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھ گیا ہے اور اس کی فتوحات، فتوحاتِ محمدیہ سے بھی اکبر، اعظم، اور اظہر ہیں، پھر ایسا کہنے والا اپنے آپ کو حضرت محمد رسول اللہ... صلی اللہ علیہ وسلم... کا خادمِ خاص اور آپ... صلی اللہ علیہ وسلم... کا متبعِ کامل بھی کہے، اور اس کی پیروکار جماعت اسے آپ... صلی اللہ علیہ وسلم... کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہونے کا اعلان کرے، اور آپ... صلی اللہ علیہ وسلم... پر سبقت کی دوڑ میں بھی اسے شریک سمجھے، اور یہاں تک دعویٰ کر لے کہ وہ آگے نکل چکا ہے... معاذ اللہ...! ایسی جسارت کہ جس معصوم ہستی اور طاہر ومطہر، صاحبِ سیرت شخصیت کو حق تعالیٰ شانہٗ نے پوری انسانیت کے لئے اُسوۂ حسنہ بنایا ہو، جو پورے عالم کے لئے شاہد ہو، مبشر ہو، نذیر ہو، بشیر ہو، عمومی بعثت، عمومی نبوّت ورسالت کے ساتھ مبعوث ہو، جس کی عمومی بشارت ونذارت سے اس کائناتِ ہستی میں بنی آدم کا کوئی فرد مستثنیٰ نہ ہو، کوئی شخص اس کی اُمت میں سے ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد اس بات کا بھی مدّعی ہو کہ سیّدالرسل، سیّدالطاہرین، رحمۃ للعالمین، خاتم النّبیین والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم نے بروزی طور پر اس کی صورت اختیار کی ہے اور پہلے سے روحانیت میں زیادہ قوی ہیں، زیادہ کامل بھی ہے، اور شدید بھی، معاذ اللہ...!

ایسا دعویٰ کرنے والا بے باک شخص یقیناً ایمان سے یکسر خالی ہی ہوگا، اس کے دعوے کو اِعتبار میں لانے والا بے حمیت بھی نعمتِ ایمان بلکہ نعمتِ عقل وشعور سے بھی محروم ہوگا...!

تاریخِ انسانیت میں مرزا غلام کی اوّلین جسارت

آدمیت کی تاریخ میں مسلمان تو کیا کسی دیگر ملت کے فرد نے بھی ایسی جسارت نہیں کی ہوگی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانیت میں بڑھ کر ہونے کا مدّعی ہو، کہ پھر وہ بھی

اسلام کے نام پر، اللہ جل شانہ کے نام پر، آسمانی تعلیمات کے نام پر، اس کی مقدس وحی اور اِلہامات وکشوفات کے نام پر، ان شرعی الفاظ واصطلاحات کا ایسا غیر شرعی استعمال کا ایسا ناحق اور ظالمانہ استعمال جس سے قرآن وسنت کی نصوص کے شرعی مفاہیم ہی بدل جائیں جس سے کسی عظیم کی عظمت باقی نہ رہے واضح آیات میں تحریف ہو، احادیثِ متواترہ کا انکار ہو، صرف ایک غیر معصوم شخصیت کو اُجاگر کرنے اور اس کی تعلیمات کو رِواج دینا ہی مقصدِ اعظم ٹھہر جائے، کیا یہ سب کچھ ہوا؟ ہاں! انسانی تاریخ میں ایسا ہوا ہے، مرزا غلام احمد اور اس کی جماعت نے ایسا کیا ہے، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم ہیں ان کا ظلّ ہونا، ان کا بروز ہونا، ان کے لئے بعثتِ ثانیہ ایجاد کرنا، پھر اس میں بروز کا اصل سے زیادہ زوردار ہونا، کامل ہونا، فتوحات میں بڑھ کر ہونا، اظہر ہونا، اکبر ہونا یہ سب کچھ مرزا غلام احمد قادیانیت نے کیا، اس ذات گرامی کے مقابل جس کی ذات اقدس کی عظمت کا تحفظ اللہ جل شانہ نے خود یوں فرمایا کہ جب کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہا کہ: ''محمد... صلی اللہ علیہ وسلم ...نے اللہ پر اِفترا پردازی کی ہے'' تو غیرتِ الٰہی جوش میں آئی پھر خود حق تعالیٰ شانہ نے نہایت زوردار تر دیدی اُسلوبِ بیان سے کفار کا رَدّ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''بَلۡ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ'' (السجدۃ:۳) بلکہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی حق پر ہیں، ان کا فرمان ہی حق ہے، جو رَبّ العالمین کی جانب سے ہے، کیونکہ وہ تو وحی ربانی سے ہی کلام کرتے ہیں اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ ''بَلۡ'' کے ساتھ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا یہ تحفظ ایسا ہی ہے جیسا مشرکینِ مکہ نے ذات باری تعالیٰ کے بارے میں کہا: ''اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا'' رحمٰن کی بھی اولاد ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا: ''بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾'' (الانبیاء) (جن ملائکہ کو تم اللہ کی اولاد کہتے ہو) بلکہ وہ تو اللہ کے برگزیدہ بندے

ہیں تو دونوں جگہ کلمۂ ''بَلٰ'' کے ساتھ زوردار ردّ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عالی اور اپنی شانِ توحید ہر دو مقاموں کے تحفظ کے لئے استعمال فرمایا ہے، پھر یقیناً یہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہی مقامِ مصطفیٰ کا تحفظ ہے کہ ابلیس نیند کی حالت میں بھی کسی کے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار نہ کر سکے۔ کس قدر جسارت ہے کہ کوئی غیر معصوم شخص خود کو اُمتی بھی کہے اور رسولِ اعظم، حضرت خاتم النّبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلّ و بروز ہونے کا دعویٰ بھی کرے، پھر یہ تمام کارروائی وحی، کشف اور اِلہام کے نام پر سر اَنجام دے، یہ جسارت تاریخِ بشریت میں اَوّلین جسارت ہے جس کے مرتکب مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانی جماعت ہے۔

حرّیتِ اِظہارِ رائے اور حرّیتِ بحث و تحقیق

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل و کرم سے مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ کی ہمارے اسلاف اور اکابرین کو توفیق دی اور ہمارے لئے بھی اس راہ کا تعین فرما دیا، ہماری نجات اور سعادتِ دارین اسی میں ہے۔

ساتھ ہی ہم اس امر کو واضح کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں، کہ اگر مرزا غلام احمد نے اپنی پوری جسارت و بے باکی اور پوری حرّیت و آزادی سے اپنی آرا کا اظہار کیا ہے تو ہمیں بھی حرّیت و آزادی سے یہ حق حاصل ہے کہ ہم اس کے اُسلوبِ بیان میں پوری چھان پھٹک اور بحث و تحقیق کریں، تاکہ حق باطل سے نکھر جائے۔

مرزا غلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل شدہ آیات کا خود کو مصداق ٹھہرانا!

تامل کا مقام ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور دُوسری طرف مرزا غلام احمد

کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تو قرآنِ حکیم میں حضرت خاتم النّبیین، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اعلان ہے:

''اے ایمان والو! ہم نے نورِ مبین کو کتاب مبین کے ساتھ بھیجا ہے، کہ وہ تمہیں اللہ کے حکم سے اندھیرے سے روشنی میں لاتے ہیں۔''

دُوسری طرف مرزا غلام احمد کا اپنے بارے میں یہ اعلان ہے کہ:

''میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اُس کے سب نوروں میں آخری نور ہوں، بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔''

(سفینۂ نوح مندرجہ روحانی خزائن، جلد ۱۹، صفحہ ۶۱)

پھر تامل کیجئے! ایک طرف اللہ جل شانہٗ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اَصحابِ کبارؓ کے بارے میں قرآن میں فرماتے ہیں:

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ....إلخ'' (الفتح:۲۹)

''حضرت محمد... صلی اللہ علیہ وسلم... رسول اللہ ہیں، اوران کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔''

دُوسری طرف مرزا یوں اعلان کرتا ہے کہ:

''محمد رسول اللہ اور صحابہؓ کی شان والی آیت میرے اور میرے رُفقاء کے لئے ہے۔''

مرزا غلام احمد قادیانی ''ایک غلطی کا ازالہ''، صفحہ: ۴، روحانی خزائن جلد: ۱۸ صفحہ: ۲۰۷

میں لکھتا ہے:

''پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب یہ وحی اللہ ہے ''محمد رسول اللہ والذین معه أشداء علی الکفار رحماء بینهم'' اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔''

یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ قرآن میں مذکور حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ مبارک کو مرزا اپنا نام قرار دے دے، جبکہ مرزا کا نام تو ''غلام احمد'' ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی، اسمِ گرامی ''محمدؐ'' ہے۔

نام اور اوصاف میں برابری سے آگے وحدت الوجود کا دعویٰ

مزید تامل کا مقام ہے کہ قادیانیت نے انتہائی جسارت کر کے قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدح وثنا کا مستحق ومصداق مرزا کی ذات کو قرار دینے کے بعد اپنا قدم مزید آگے بڑھایا ''کلمۃ الفصل'' صفحہ: ۱۸۳، پر مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

''ظلی نبوّت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریمؐ کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔''

معاذ اللہ...! اُمتِ مسلمہ میں وہ کون ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہونے کا مدعی ہو؟ پھر مرزا بزعم خود بڑھتا گیا اور یہاں تک دعویٰ کرلیا کہ مرزا غلام احمد اور آنحضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فرق نہیں ہے، وہ اس اَمر کا بزبانِ عربی یوں اعلان کرتا ہے:

''من فرق بینی و بین المصطفی فما عرفنی وما رآی۔''

جس نے میرے اور مصطفیٰ میں فرق کیا اس نے مجھے نہ پہچانا نہ دیکھا۔

(خطبہ الہامیہ ص:۲۵۹، روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۵۹)

سب تامل کریں اور قادیانی حضرات خصوصاً غور کریں کہ کون مسلمان یا عقل مند انسان ہے جو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا غلام احمد میں فرق نہ کرتا ہو۔ پھر مرزا نے تو اپنی ذات اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں وحدت کا یوں اعلان کیا ہے وہ کہتا ہے:

"صار وجودی وجودہ۔"

میرا وجود اسی کا وجود ہو گیا۔

(خطبہ الہامیہ ص:۲۵۸، روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۵۸)

قادیانیت نے یہاں تک کہہ دیا کہ دونوں میں دوئیت ہی نہ رہی، ہمارا سوال یہ ہے کہ مرزا غلام احمد اور آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس وحدت الوجود کی شرعی کیا دلیل ہے؟ دونوں شخصیات کے ایک ہونے اور ان میں ...معاذ اللہ... دوئیت نہ رہنے کی قادیانیت کے پاس کونسی حجتِ شرعی ہے؟

تامل کیجئے! کہ نظریۂ بروز کا یہ موجد ان تمام مراحل کو تجاوز کرتا چلا گیا اور بڑی جسارت سے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو کھڑا کیا، پھر وحدت الوجود پر پہنچا، پھر اس سے بھی آگے نکل کر مقامِ افضلیت کا یوں اعلان کرنے لگا، وہ اپنے منظوم عربی کلام میں کہتا ہے جس کا اردو ترجمہ یوں ہے کہ:

''آنحضرتؐ کے لئے تو صرف ایک چاند کو گرہن لگا جبکہ میرے لئے روشن سورج اور چاند دونوں کو گرہن لگا کیا تو اب بھی منکر ہے؟'' (اعجاز احمدی ص:۷۱، روحانی خزائن ج:۱۹ ص:۱۸۳)

نیز عربی زبان ہی میں کہتا ہے جس کا اردو ترجمہ یوں ہے:

''اسلام کا آغاز ہلال (ناتمام چاند) سے ہوا اور اللہ کی تقدیر میں اسے بدر (مکمل چاند) آخری زمانے میں اسی کی (مرزا) صورت میں ہونا قرار پایا ہے۔''

(خطبہ الہامیہ ص:۲۷۵، روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۷۵)

پھر عربی ہی میں گویا ہے:

''آنحضرتؐ کے زمانے میں فتح مبین کا زمانہ تو گزر چکا ابھی ایک دوسری فتح جو اس پہلی فتح سے اعظم، اکبر، اور اظہر (کا زمانہ باقی ہے) ہے۔ جو وہ غلبۂ اولی سے زیادہ شان والی، عظمت والی، زیادہ ظہور والی ہے جس کا زمانہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کا وقت ہونا مقدر ٹھہرا ہے ابھی وہ باقی ہے قرآن کریم کی ''سبحان الذی أسری بعبدہ'' (اللہ کی پاک ذات ہے جس نے اپنے بندے کو رات میں سیر کرائی) والی آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[۱]

آنحضرتؐ کی روحانیت چھٹے ہزار میں یعنی ان دنوں میں سابقہ اور پہلے ایام سے زیادہ زوردار قوت والی اور زیادہ کمال والی ہے جیسے کہ چودھویں کا چاند۔''[۲]

ان مذکورہ حوالوں کے مطابق مرزا غلام احمد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلال (ناقص چاند) اور اپنے آپ کو بدر (کامل چاند) کہا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بار چاند کا گرہن ہونا اور اپنے لئے دونوں یعنی سورج اور چاند کے گرہن ہونے کا ذکر کیا۔ پھر

(۱) خطبہ الہامیہ ص:۲۸۸، روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۸۸

(۲) خطبہ الہامیہ ص:۲۷۲، روحانی خزائن ج:۱۶ ص:۲۷۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کو فتح مبین اور اپنی فتوحات کو اعظم واکبر اور اظہر کہا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی بعثت سے دوسری بعثت (جو مرزا کی صورت میں ہے) کو روحانیت میں زیادہ زوردار، زیادہ کمال والی، زیادہ ظاہر ہونے والی ہونا قرار دیا۔ ان سب بیانات سے مرزا غلام احمد کی غرض وغایت کسی پر مخفی نہیں رہ سکتی، اور وہ یہ کہ جب اس کی ذات میں اوصاف فضلیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر ہیں وہ افضل واکمل اوراتم ہے، روحانیت میں زوردار ہے۔ ...معاذاللہ...! تو اَب اسی کی ذات کو شرعی اور روحانی مرجعیت حاصل ہونی چاہیے۔ ...معاذاللہ...! دیگر سب سے صَرفِ نظر کرو اور اسی پر نظر جمالو، پھر مرزا والی اسی ڈگر پر مرزا کی اولاد و پیروکار بھی چلے۔

مرزا بشیرالدین محمود کا بیان ''الفضل'' جلد: ۱۰ بتاریخ ۱۷/۷/ ۱۹۲۲ء میں یوں مرقوم ہے:

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پاسکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔''
(العیاذ باللہ)

(اخبار الفضل قادیان، مؤرخہ ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

واضح اہداف

خوب تامل کیجئے کہ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ وہ محمد اور احمد ہے، بلکہ روحانیت میں ان سے بھی زوردار اور اکمل ہے۔ فتح مبین میں ان سے اظہر ہے، پھر بروز نظریہ کا موجد اپنے اس نظریہ کو پیروکاروں میں رواج دے۔ عالمی ادارے اس کے پس پشت ہوں تو کس پر اس کے اہداف مخفی رہ سکتے ہیں کہ اس کی تمام سعی تمام عظماء کی عظمتوں سے ہٹا کر صرف مرزا کی ذات کی عظمت

جتلانے اوراس کی تجدیدات وتعلیمات کا سکہ منوانے کی خاطر ہے۔اس پر مستزاد کہ آپ آج کل قادیانی ذرائع ابلاغ عامہ کو دیکھ لیں۔مسلم اُمت تو اپنی ہر مجلس میں وہ مجلس قرآن کی تفسیر کی ہو یا حدیث کی تشریح کی یا ان کے احکام کے بیان کی ہر جگہ وہ مرجعیت اللہ کے بعد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے ہیں۔انہی کی سیرت کے تذکرے،مسلمانوں کی مجالس ومحافل کی زینت بنے رہتے ہیں۔مگر قادیانی مجالس ومحافل اور قادیانیت کے ذرائع ابلاغ عامہ صرف اورصرف مرزا غلام احمد اورتجدیدات مرزا پر اقتصار کئے ہوئے ہیں۔ان اہداف کے جانچنے میں مزید تسلی وتشفی کے لئے مندرجہ حوالہ جات بھی ملاحظہ ہوں،کہ کس طرح مرزا غلام احمد خود اپنے ہی تذکرے اپنی تالیف ''تذکرہ'' (جواس کا مجموعہ الہامات ہے) میں مختلف عنوانات سے کرتا ہے۔

''تذکرہ''صفحہ:۷۷۷ میں بقول مرزا اس کی وحی یوں ہے:

''صلى الله عليك وعلى محمد ''تجھ پر درود ہوں اور محمدؐ پر بھی۔

''تذکرہ''ہی میں صفحہ:۱۶۲ پر اپنے لئے مخصوص صیغہ کا اس طرح مدعی ہے کہ:

''میری وحی میں ہے:صلوا عليك صلحاء العرب وأبدال الشام ...... ويحمدك الله عن عرشه ...الخ ۔''

''تجھ پر عرب کے صالحین اور شام کے ابدال درود بھیجتے ہیں اور اللہ اپنے عرش پر تیرا ثنا خوان ہے۔''

''سیرت احمدی'' جلد:۳ صفحہ:۲۰۸ میں مرزا غلام احمد اپنی وحی یوں بتاتا ہے:

''اے محمد! سلسلے کے برگزیدہ مسیح! تجھ پر خدا کا لاکھ لاکھ درود اور لاکھ لاکھ سلام ہو۔''

یہ تو مرزا کی اپنی ذات کے لئے درود کے صیغوں کا ایک نمونہ ہے! ''تذکرہ'' میں مزید بہت ایسے تذکرے موجود ہیں، ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قادیانیت کے ہاں وحیٔ شریعت بند بھی، جاری بھی!

قادیانیت اعلان تو یہ کرتی ہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی شریعت بند ہے مگر مرزا غلام احمد اور اس کی رعیت قادیانیت کا عمل اپنے اس اقرار سے بہت مختلف ہے۔ ''تذکرہ'' (جو مرزا غلام احمد کی وحی اور کشف والہامات کا مجموعہ کہلاتا ہے) اس میں مندرج مرزا غلام احمد کی وحی کا مطالعہ کیجئے، صفحہ: ۹۴، ۲۷۹، ۳۴۷ پر مندرج وحی یوں ہے:

''ورفعنا لك ذكرك'' ''ہم نے تیرا ذکر بلند کردیا۔''

دُوسری جگہ وہ اس سورت کو اپنی وحی بتلاتا ہے:

''إنا أعطيناك الكوثر فصل لربك وانحر إن شانئك هو الأبتر۔''

''ہم نے تجھے کوثر عطا کی تو اپنے ربّ کی نماز ادا کر اور قربانی کر تیرا دشمن بے نام ونشان ہونے والا ہے۔'' (تذکرہ ص:۲۷۸)

''تذکرہ'' ہی میں مرزا غلام اسے بھی اپنی وحی قرار دیتا ہے:

''قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله۔''

آپ کہہ دیں اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' (تذکرہ ص:۶۳۶)

ان اوراق میں ہم نے مرزا کی وحی سے چند ایسے نمونے ذکر کئے ہیں جن کی مثالیں یا نظائر وحی محمدی میں موجود ہیں۔ مرزا کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان خطابات ومکالمات کا مصداق اس کی ذات ہے، نیز قادیانیت کا بھی یہی ایمان ہے کہ جن خطابات ومکالمات سے قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرمایا، اور جن نصوصِ قرآنیہ کا مصداق پوری اُمت کے ہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے، اُمتِ محمدیہ کے برعکس مرزا غلام احمد اوراس کی اُمت کے ہاں ان خطابات ومکالمات کا مصداق مرزا غلام احمد ہے۔

ابنائے ملت قادیانیت کو دعوت تامل دیتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اگر مرزا غلام احمد نے یہ نصوصِ قرآنیہ، قرآن سے اُٹھا کر اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں اپنی وحی کے نام پر رکھ دیں ہیں تو یہ علمی سرقہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ پر کذب وافترا بھی کہ مرزا اور قادیانیت نے وحی محمدی کو وحیٔ غلامی و مرزائی قرار دیا ہے، کیونکہ یہ وحی قطعی طور پر صرف اور صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر نازل ہوئی، ہرگز ہرگز ہرگز مرزا غلام احمد پر نازل نہیں ہوئی ہے۔ اور یہی عمل دجل بھی ہے، اس لئے کہ مرزا غلام احمد نے حق کو باطل سے ملانا چاہا۔ اور یہ اِلحاد فی آیات اللہ بھی ہے کہ مصداق وحی میں تبدیلی کی گئی۔

جب ان نصوصِ قرآنیہ کا مصداق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یقیناً قطعی طور پر وہی ہیں، تو مرزا کا اپنے آپ کو ان کا مصداق ٹھہرانا یہی تو اِلحاد فی آیات اللہ ہے، جو اہلِ اسلام اور قادیانیت کے ہاں بالاجماع کفر ہے۔ اور اگر قادیانیت یہ کہے کہ یہ مرزا غلام احمد کی مستقل طور پر وحی ہے تو اس صورت میں قادیانیت اور مرزا کا یہ ضابطہ اور عقیدہ کہاں گیا کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحیٔ شریعت کا نزول بند ہے؟ بلکہ اس وحی کو بند نہ

ماننے پر تو مرزا غلام احمد نے خود تکفیر کا فتویٰ صادر کیا ہوا ہے۔ بہر حال ''تذکرہ'' سے ماخوذ مذکورہ نمونے اور انہیں مرزا کی وحی قرار دینا اس کی تحریف پر اسے کفر الحاد کے فتوی سے نہیں بچا سکتی، وہ خود اپنے فتوی کا شکار ہو گئے، نہ ہی انہیں قادیانیت کی کوئی تاویل شرعی مواخذہ سے اور نہ علماء اہل اسلام اور اہل افتاء کے فتوی سے انہیں تحفظ فراہم کر سکتی ہے۔ کیونکہ وحی محمدی کو وحی مرزا قرار دینا۔ یا اس وحی قرآنی کو جس کے مصداق جناب محمد رسول اللہؐ ہیں اس کا مصداق مرزا کو بتانا، یا پھر مذکورہ وحی تشریعی کو مستقل مرزا کی وحی قرار دینا، تینوں اُمور میں ہر امر ایک ایسا شرعی جرم ہے جو قائل کو دائرہ اسلام میں نہیں رہنے دیتا۔

ہم نے اپنے اس مقالے میں مرزا کی وحی سے صرف چند نمونے ذکر کئے ہیں، کہ شاید قادیانی اُمت کے عقل مند افراد کچھ تدبّر سے کام لے لیں۔ ورنہ مرزائی وحی بنام ''تذکرہ'' میں تو بہت کچھ ہے، جس میں معمولی تامل کرنے سے حق اور حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی کہ کس طرح مرزا نے وحی ربانی اور مہبط وحی جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں کھلی جسارتیں کی ہیں اور وہ بھی دین کے نام پر اور اِسلامی اِصطلاحات کے استعمال کرتے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہونے کے نام پر۔ دراصل بروز کے غیر شرعی، غیر اِسلامی نظریہ کا سہارا لے کر مرزا نے ان تمام فضائل کو اپنے لئے ثابت کرنے کی ناکام سعی کی ہے، جن سے رَبّ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرمایا ہے۔

عجیب وغریب معاملہ ہے کہ اس خادم نے مخدوم سے آگے نکلنے کا دعویٰ بھی کیا، جسے اس کی اُمت نے بھی بلا تحقیق مان لیا، اور شور یہ مچایا کہ مسلمان تقلیدی عقائد پر ہیں اور ہم تحقیقی عقائد پر ہیں۔ بلکہ قادیانیت نے دعویٰ یہاں تک کیا ہے کہ محنت سے بننے والا اُمتی نبی، سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آگے نکل سکتا ہے ...معاذ اللہ...! اس بارے میں ایک حوالہ ہم پیش کر چکے

ہیں، مگر اب اس کی ایک علمی مثال مرزا غلام احمد کے اس دعویٰ سے مزید واضح ہوجاتی ہے۔ جو ''ازالہ اوہام مندرج روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ: ۴۷۳ میں درج ہے۔ مرزا غلام احمد لکھتا ہے:

''اگر آنحضرتؐ پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے بموجب منکشف نہ ہوئی ہو، اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصلی کیفیت کھلی ہو، اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو، اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کماھی ہی ظاہر فرمائی گئی۔''

مرزا کے اس حوالے کی رُو سے (معاذ اللہ):

۱- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابن مریمؑ کی حقیقت سے ناواقف تھے۔

۲- دجال کی حقیقت سے ناواقف تھے۔

۳- دجال کے گدھے کے بارے میں بھی ناواقف تھے۔

۴- یاجوج ماجوج کی گہری تہ سے نابلد تھے۔

۵- دابۃ الارض کی حقیقت نہ جانتے تھے۔ (معاذ اللہ)

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ ان پانچوں اُمور کی بلکہ ان کے علاوہ جملہ اُمور کی بھی حقیقت کو اولاً اللہ تعالیٰ جو ان کے خالق ہیں وہی جانتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مذکورہ اشیاء کے بارے میں ان کے اصل حقائق سے آگاہ فرمایا اور جو سکھانا تھا وہ سکھا دیا پھر ان کی حقیقت کو قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی جاننے والا ہوا نہ ہوگا۔ مگر قادیانیت اور مرزا قادیانی کا عقیدہ اس مذکورہ حوالہ سے بھی سامنے آگیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوسکا مگر مرزا کو پتہ چل گیا۔ قادیانیت کا یہ زعم حقیقت پر مبنی نہیں۔ ہاں یہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تجدیدات میں سے ضرور ہیں جو وہ لوگوں پر پیش کرتا رہا، جو دراصل اللہ اور رسول

اللہ کے علم کے مقابلے میں خالص تحریفات ہیں اور اِلحادفی آیات اللہ کے زمرے میں سے ہیں۔ کیونکہ ان مذکورہ شرعی حقائق کو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا۔ دراصل اللہ کا بیان وہی ہے انہیں ان کے ماسوا پر محمول کرنا اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ عجیب امر یہ ہے کہ ایک طرف تو مرزا غلام احمد نبی کریم کے بروز ہونے کا مدعی ہے تو سوال یہ ہے کہ بروز کو کیسے اصل سے بھی زیادہ علم ہو گیا؟ پھر اصل کو وحیٔ ربانی نے تعلیم دی، بروز کو کس نے؟ حق یہی ہے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان امور کے حقائق نہ کھل سکے اور مرزا غلام پر کھل گئے۔ ہمارا خیال ہے اور دعا بھی کہ ایسا ہی ہو کہ شاید قادیانیت کی اکثریت ان امور کے بارے میں جن کا ذکر ہم نے قادیانی ادب سے نقل کرتے ہوئے کیا ہے ہمارے ترتیب دینے سے پہلے جانتی ہی نہ ہو اور اگر ان میں وہ غور وفکر کرلیں تو ان شاء اللہ خود ہی حق اور راہ ہدایت پالیں گے۔

لہٰذا ہم قادیانی اُمت کو اتنی نصیحت برائے بھلائی ضرور کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بات ہی عین حقیقت اور حق ہوتی ہے۔ اگر مرزا کی اپنی معلومات ان کے علاوہ ہیں تو یقیناً یہ وحی ربانی نہیں، ہاں الہام غیر ربانی یا شیطانی ہی ہے، کیونکہ ارشاد ربانی ہے کہ شیاطین اپنے دوستوں کو وحیاں کرتے رہتے ہیں، تا کہ وہ اہل اسلام کے ساتھ جھگڑتے رہیں۔ اور الہام شیطانی کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ یقیناً واجب الردّ ہے اسی لئے تو مسلمانوں نے مرزا کی تحریفات کو اور اس کی شخصیت کو قبول نہیں کیا۔

الحمدللہ! کہ مسلمانوں نے تو اپنی نسبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات رحمانی سے وابستہ رکھا، ہماری دعا ہے کہ قادیانیت کا شکار ہونے والے اللہ کے یہ بندے بھی ویسا ہی ایمان لے آئیں جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کے بارے اُمت کو اطلاع دی ہے کیونکہ وحی ربانی کے وہی معانی و مفاہیم اور مراد جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، انہیں ماننا ایمان کہلاتا ہے۔ کیونکہ الفاظ اگر رحمان کے ہوں مگر مفہوم و مراد شیطان کی ہوتو یہ قرآنی الفاظ پر ایمان نہیں ہوگا، یہی تو کفر اِلحاد ہے۔

قادیانیت کے جال میں پھنسے ہوئے انسانی برادری کے افراد سے ہم چاہیں گے کہ وہ ہدایت کے اس ضابطہ میں خوب غور کرلیں کہ وحی رحمانی ہی ہدایت کا سرچشمہ ہے، اور وحی شیطانی نہیں۔ پھر جو وحی محمدی کے مخالف ہوتو وہ رحمانی نہیں، وحی شیطانی ہے۔ نیز وحی کا وہی بیان اسلام وایمان ہے جسے پیغمبر اسلام بیان فرمادیں ہم مزید اسی شرعی ضابطے کی وضاحت کے طور پر کہتے ہیں۔ کہ خود'' مرزا غلام احمد کا اپنا عقیدہ دعویٔ نبوّت سے پہلے یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں، اور دجال مسیح ضلالت ہے۔ پھر دابۃ الارض اور اسراء ومعراج اور حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہی عقیدہ تھا جو اُمتِ مسلمہ کا ہے بلکہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی کے مستحیل ہونے کے بارے میں بھی تو مرزا غلام احمد، جبریل علیہ السلام کے وحی کا ایک کلمہ لے کرآنے کو بھی عقیدہ ختمِ نبوّت ٹوٹ جانے کے مترادف کہتا رہا (جس کا حوالہ ہم اسی مقالہ میں نقل کر چکے ہیں) پھر بعدازاں مرزا اس کے برعکس جبرئیل کے بار بار آنے کا قائل ہوگیا، بلکہ اس نے جبریلؑ کا نام ہی آئیل رکھ دیا (کہ وہ بار بار آنے والے کو کہا جاتا ہے)۔

جبریل ''آئیل'' کیسے ہوگیا؟ لاینحل تناقض کا مرزائی حل

مرزا کی تحریروں میں اس قسم کا تناقض کیوں ہے؟ ہے تو لاینحل قضیہ، مگر اس کا جواب بھی مرزا غلام احمد کے کلام ہی میں مل جائے گا۔ کیونکہ فاعل اپنے فعل کی اور قائل اپنے قول کی جو

توجیہ کرے وہ قبول ہی کر لینی چاہیے۔ اس توجیہ کا نام تناقض ہے اور اس کا مرزائی حل بھی ہے، وہ کیا ہے۔ کیونکہ مرزا غلام احمد خود ہی تناقض کے بارے میں اپنی قابل فخر تصنیف ''براہین احمدیہ'' کی جلد:۵ صفحہ:۱۱۱، روحانی خزائن ج:۲۱ ص:۲۷۵ پر لکھتا ہے:

''صادق یعنی سچے کے کلام میں تناقض نہ ہوگا اور جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔''

ہم کہتے ہیں: سچ اگرچہ کڑوا ہو، ایک ہی بار اپنا کام کر دیتا ہے، مگر جھوٹ کو مصنوعی طور پر سچ بنانے کے لئے بار بار اور بے شمار جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ اس طرح مرزا کے کلام میں تنا قض کا حل بھی مرزا ہی کے کلام سے مل گیا اور وہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ ''سچے کے کلام میں تناقض نہیں مگر جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے!''

اب ہم پھر اس موضوع کی طرف آتے ہیں کہ مرزا کا حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی یا نزول جبریلؑ کے بارے میں اوّلاً کیا نظریہ تھا؟ پھر وہ کہاں پر اختتام پذیر ہوا؟ اس کے بارے میں عرض ہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی کے بارے میں مرزا غلام احمد اَوّلاً اسے یوں مستحیل گردانتا رہا، وہ ''ازالہ اوہام'' حصہ دوم ص:۵۸۳، روحانی خزائن ج:۳ ص:۴۱۴، پر گویا ہے:

''یہ بات مستلزم محال ہے کہ حضرت خاتم النّبیینؐ کے بعد پھر جبریلؑ کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد ورفت شروع ہوجائے اور ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو پیدا ہوجائے۔ اور جو اَمر مستلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے۔''

یعنی جب جبریلؑ کا نزول ہی محال ہے تو وحی کہاں سے اور کس طرح آئے گی؟ نیز مرزا

’’آسمانی فیصلہ‘‘صفحہ:۲۵،روحانی خزائن ج:۴ ص:۳۳۵ میں لکھتا ہے:

’’اے لوگو! مسلمانوں کی ذریت کہلانے والو! دُشمنِ قرآن نہ بنواور خاتم النّبیینؐ کے بعد وحی نبوّت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرواوراس خدا سے شرم کروجس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔‘‘

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر مرزا غلام خود وحی کے نزول کے مستحیل ہونے کے بعد وحی کے نزول کا قائل ہوجائے تو کیا مسلمانوں کو یہ حق ہوگا کہ اسے یا اس کی اُمت کو نصیحت کریں کہ تم دشمنانِ قرآن نہ بنو اور حیا کرو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزولِ وحی کے قائل ہوگئے ہو...؟

ملتِ قادیانیت کو مزید دعوتِ تامل

مرزا غلام، حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی نبوّت کے دعویٰ کا یوں انکار کرتا ہے’’مقدس جنگ‘‘ کے صفحہ ۶۷ پر یوں اعلان کرتا ہے:

’’میرا نبوّت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو اِلہام کا دعویٰ کرے وہ نبی بھی ہوجائے؟‘‘

(جنگ مقدس ص:۶۷،روحانی خزائن ج:۶ ص:۱۵۶)

اب ہمارا یہ حق بنتا ہے کہ ہم قادیانیت سے پوچھیں کہ جب تمہارے بانیٔ جماعت، نبوّت کے مدعی نہیں تو اس کے قبول نہ کرنے پر تم کیسے اس کے منکرین کی تکفیر کرتے ہو؟ پھر مرزا غلام تاکیدی طور پر صرف اپنے دعویٔ نبوّت کا منکر ہی نہیں ہے، بلکہ جن لوگوں نے اسے نبی مانا وہ خود ان کی تغلیط کرتے ہوئے’’حمامۃ البشریٰ‘‘ کے صفحہ:۷۹ پر لکھتا ہے:

’’میں نے ہرگز نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ میں نے ایسا کہا ہے کہ میں

نبی ہوں لیکن ان لوگوں نے جلدی کی اور میرے قول کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔''

(روحانی خزائن ج:۷ ص:۲۹۶)

بلکہ ایک وقت تھا کہ مرزا غلام احمد خود ہر مدعی نبوّت پر لعنت بھیجتا تھا۔ وہ ''تبلیغ رسالت'' جلد ۲ صفحہ ۹ پر لکھتا ہے:

''ہم بھی مدعی نبوّت پر لعنت بھیجتے ہیں ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے قائل ہیں اور آنحضرتؐ کی ختمِ نبوّت پر ایمان رکھتے ہیں۔''

ایک زمانے میں تو مرزا غلام احمد نزولِ وحی یا جبریلؑ کے آنے کو عقیدہ ختمِ نبوّت کے منافی گردانتا تھا اور اسے مہرِ نبوّت کے ٹوٹنے کے مترادف قرار دیتا رہا۔ وہ ''ازالہ اوہام'' صفحہ: ۵۷۷ حصہ دوم، وروحانی خزائن ج:۳ ص:۴۱۱، اور ''دافع البلاء'' صفحہ:۱۹ پر لکھتا ہے:

''ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریلؑ لاویں اور پھر چپ ہو جاویں یہ امر بھی ختمِ نبوّت کا منافی ہے، کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہوگئی تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے۔''

سوال یہ ہے کہ آج قادیانیت کس حجت سے مرزا غلام کی نبوّت کا اعلان کرتی ہے؟ اور اس سلسلے کے جاری رہنے کی قائل ہے؟

یہاں تک تو ہم نے مرزا غلام احمد قادیانی کے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختمِ نبوّت پر ایمان، وحی کے سلسلے کے بند ہونے، نبوّت کے بند ہونے اور نزول وحی چاہے وہ ایک ہی جملہ کیوں نہ ہو کو ختمِ نبوّت کے منافی ہونا بیان کیا ہے، صرف ایک بار اور صرف ایک ہی فقرہ لے کر جبریلؑ نہیں آسکتے، یہی عقیدہ بیان کرتا رہا۔ اسے ہم مرزا غلام احمد کی حیات کے پہلے

مرحلے سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب دوسرا مرحلہ ملاحظہ کیجئے جو پہلے مرحلے کے بالکل برعکس ہے، جس میں وہی محال ممکن ہوجاتا ہے، وحی کا نزول ایک بار نہیں، بار بار ہوتا ہے۔ فرشتہ وحی جبریلؑ سے آئیل (بار بار آنے والا) بن جاتا ہے۔ اور وہی مرزا غلام خود اپنے لئے نبوّت کا دعویٰ کردیتا ہے جو مدعی نبوّت پر لعنت بھیجتا تھا اور اپنے منکرین کو کافر قرار دیتا ہے پھر اُمتی نبی، ظلی نبی، تشریعی نبی، سے مستقل نبی بھی بن جاتا ہے، اور اپنی نبوّت کو مستقل ابدی عالمگیر نبوّت بھی گردانتا ہے مرزا غلام کی وحی کے الفاظ ملاحظہ کریں تو خود بخود حقیقت کی قلعی کھل جائے گی۔ وہ کس کس امر کا مدعی تھا؟، اور آج اس کی اُمت محض اسے شریعت کے شرعی فتاوی کی زد سے بچانے کی خاطر کیا کیا پاپڑ بیل رہی ہے؟۔

مرزا غلام احمد ''حقیقت وحی'' کے صفحہ ۱۰۳ پر عربی میں یوں اعلان کرتا ہے:

"جاء ني آئيل"

''اس جگہ آئیل خدا تعالیٰ نے جبرئیل کا نام رکھا ہے، اس لئے کہ بار بار رُجوع کرتا ہے۔'' (روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۱۰۶)

ہم قادیانیت سے پہلا سوال کرتے ہیں کہ بقول مرزا، جبریل کو اللہ تعالیٰ نے نزول سے منع کررکھا تھا تو پھر وہ مرزا غلام احمد کے پاس بار بار کیونکر آتا رہا؟ دوسرا سوال یہ ہے کیا مرزا کے پاس آنیوالا وہی جبرئیل تھا جسے اللہ تعالیٰ نے نزول سے منع کردیا تھا؟ یا آنے والا کوئی اور تھا؟ کیونکہ فرشتوں کے بارے میں تو قرآن حکیم کہتا ہے وہ اللہ کے اطاعت شعار بندے ہیں۔ جو اس کی حکم عدولی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرکے مرزا صاحب کے پاس بار بار آنے والا یقیناً کوئی اور ہوگا؟ جبرئیلؑ وحی ربانی والا فرشتہ نہیں ہوسکتا۔ وحی متلو یعنی قرآن یا وحی غیر متلو یعنی حدیث لانے والا اسے کیسے جرأت ہو کہ وہ مخالف قرآن وسنت وحی لے کر آئے۔ مگر مرزا کے

لئے مخالف قرآن اور مخالف سنت وحی لانے والا آئیل یقیناً جبرئیل امینؑ نہیں۔ کیونکہ اس کی لائی ہوئی وحی جبرئیل کی لائی ہوئی وحی سے بہت مختلف ہے، جو قرآن لے کر آتا رہا ہے، اسے کیسے جرأت ہوسکتی ہے کہ قرآن مخالف وحی لے کر نازل ہو؟

یہاں پر ہم ابنائے قادیانیت کو فکر و تامل کی دعوت ضرور دیں گے چاہے وہ ہمارے سوالوں کے جوابات دیں یا نہ دیں۔ ہماری غرض محض نصیحت ہے مزید اس امر میں غور کریں کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٔ نبوّت کرنے والے پر لعنت بھیجنے والا مرزا غلام احمد کس طرح خود نبوّت کی طرف تدریجی قدم بڑھاتا ہے؟۔

وہ ''حمامۃ البشریٰ'' کے صفحہ: ۸۲ پر کہتا ہے:

''میں بالقوۃ نبی ہوں بالفعل نہیں۔''

(روحانی خزائن ج: ۷ ص: ۳۰۰)

مرزا غلام احمد نے نبوّت کی جدید قسم ایجاد کی، یہ شریعت میں اضافہ ہے۔ دوسری طرف سے وہ وحی شریعت کے نزول کا بھی منکر ہے اور تشریعی نبوّت کے وجود کا بھی، بلکہ قادیانیت کے ذرائع ابلاغ تو آج تک یہی اعلان کر رہے ہیں کہ:

''وحی شریعت یا شریعت والی نبوّت حضورؐ کے بعد آنا کفر ہے۔''

(تجلیاتِ الٰہیہ ص: ۲۴، روحانی خزائن ج: ۲۰ ص: ۴۱۱، ۴۱۲، ایضاً قادیانی اخبار ''پیغامِ صلح'' لاہور جلد نمبر ۳۷، نمبر ۱۱، مؤرخہ ۱۵/ ۷/ ۱۹۵۰ء)

سوال یہ ہے کہ نبوّت کی کسی جدید قسم کا ایجاد کرنا کیا یہ شرعی امر نہیں؟

نادر نبوّت

پھر قادیانیت کا واضح اعلان ہے کہ جس نبوّت کو ہم مرزا کے لئے مانتے ہیں وہ ایسی نادر

قسم کی ہے جو آج تک وجود میں ہی نہیں آئی کہ '' مدعی نبوّت پہلے اُمتی ہو، پھر نبی بن جائے''، یعنی وہ ایک جہت سے اُمتی ہو اور ایک جہت سے نبی ہو۔ یہ '' اُمتی نبی'' کا تصور قبل از اسلام آنے والی شریعتوں میں ہے نہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں اس کا وجود ہے۔

یہاں پر قابل توجہ بات یہ ہے کہ '' نبوّت ایک شرعی اصطلاح ہے۔ اس کی کوئی بھی قسم ہو اس کا وجود'' ایک شرعی امر ہے اور '' وحی شریعت'' سے ہی ثابت ہوسکتا ہے اور وحی شریعت بالاجماع نازل نہیں ہوگی، اس کے نزول کو تو مرزائی خود بھی کفر جانتے ہیں تو مرزا کی وحی سے کیسے شرعی امر ثابت ہوں گے؟، تو ہم مزید پوچھتے ہیں کہ کیا نبوّت کی وہ نادر قسم '' اُمتی نبی'' جو مرزا صاحب کے ساتھ خاص ہے، یہ قسم جو ان کے ہاں شرعی امر ہے اور جتنے مسائل اس سے ثابت ہوں، وہ بھی ان کے ہاں شرعی ہیں، جب یہ قسم نبوّت غیر شرعی وحی سے ثابت ہوئی تو مرزا کی یہ نادر نبوّت اور اس کے تحت ثابت ہونے والے تمام مسائل اور تمام تجدیداتِ مرزا خود ہی غیر شرعی ہوگئیں۔ اُمتِ محمدیہ ان کی پابند نہ ہوگی، جیسے کہ وہ نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم ابنائے قادیانیت سے درخواست کریں گے کہ وہ بھی اس غیر شرعی کارروائی سے نجات حاصل کریں، کیونکہ اہل ایمان کو غیر شرعی وحی اور اس سے ثابت احکام سے برأت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ مومن وہ جو طاغوت اور شیطان سے کلیتًا برأت کا اظہار کرے۔ ابنائے قادیانیت یاد رکھیں کہ '' قوت والا نبی'' اور '' فعل والا نبی'' نہ ہونا،'' ظلی نبی ہونا''، بروزی نبی ہونا، اصلی نبی نہ ہونا''، وغیرہ وغیرہ یہ سب شرعی امور نہیں؟ اگر شرعی امور ہوتے، تو وحی شریعت تو بند ہے۔ اب تشریعی نبی آئے گا نہیں جو ان تمام امور کو جواز فراہم کرتا اور انہیں شرعی اصطلاحات بناتا۔ حق یہ ہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت۔ انہیں شرعی اصطلاحات بنائے گی۔ حق یہ ہے

کہ مرزا صاحب کی یہ جملہ اصطلاحات غیر شرعی اصطلاحات ہیں۔حق یہ ہے کہ حضرت خاتم النّبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تو کامل و مکمل ہے ان کے بعد کون ہے جسے یہ حق حاصل ہو کہ غیر شرعی امور کو شرعی قرار دے؟ کسی امر کو شرعی قرار دینا یہ صاحب شریعت کا کام ہے، غیر کا نہیں۔ایک طرف تو قادیانی حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبی اور وحی شریعت کے قائل نہیں اور ان کے ذرائع ابلاغ یہی اعلان بھی کر رہے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النّبیین، خاتم الشرائع ہیں۔مگر دوسری طرف دن دہاڑے یہ وارداتیں کہ غیر شرعی اُمور کو شرعی اِصطلاحات بنانے کے عمل کو جاری وساری رکھے ہوئے ہیں۔

مرزا غلام احمد کا اپنے لئے شریعت سازی کا بہانا

انتہائی قابلِ تامل امر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنے لئے شریعت سازی کا عجیب وغریب جواز گھڑا اور غیر منطقی بہانا بنالیا، جس کا ''چشمہ معرفت'' صفحہ: ۳۲۴ میں یوں اظہار بھی کیا ہے:

> ''اس طور سے خدا نے میرا نام نبی رکھا یعنی نبوّتِ محمد یہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہوگئی اور ظلّی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا۔''
>
> (روحانی خزائن ج: ۲۳ ص: ۳۴۰)

مرزا غلام احمد نے بغیر ''وحی شریعت'' کے اپنے لئے سب سے بڑا منصب (یعنی نبوّت) ثابت کرلیا۔ اس نے بغیر وحی شریعت کے نبوّت کی ایک قسم ظلّی نبوّت کو ثابت کرلیا۔ پھر تیسرا منصب خود ہی مرزا، سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا عکس اور پَرتو بن بیٹھا۔ حالانکہ وحی شریعت کا نزول اس کے ہاں منع ہے۔مرزا غلام احمد کے ان تمام دعووں کے اسلام، اُمتِ مسلمہ

اور دیگر بشریت سب پر مضر اثرات کے بارے میں ہم نے ایک مستقل مقالہ (نظریہ ظلّ وبروز) لکھا ہے، جس میں ان امور کا بیان ہے، مگر یہاں پر اتنا کہنا چاہیں گے کہ مرزا کا یہ غیر شرعی دعویٰ ایک طرف تو شرعی دلیل سے بالکل عاری ہے اور دوسری طرف عقل ومنطق کے بھی کلی طور پر خلاف ہے، اسلام یا کسی بھی آسمانی تعلیمات میں اصل وعکس ظلّ وبروز کا یہ تصورنہیں جس سے غرض مرزا کی یہ رہی کہ وہ منصب رسالت مآب پر عکس کے طور پر بیٹھ کر شریعت سازی کرے، بلکہ وہ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحدت وجود قائم کر کے اور اپنے وجود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اور عین محمد بنا بیٹھا۔ جس کا اعلان اس نے ''ایک غلطی کا ازالہ'' ص:۸، روحانی خزائن ج:۱۵ ص:۲۱۲ پر یوں کیا:

> ''جبکہ میں بروز آنحضرتؐ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمد مع نبوّتِ محمدیہ کے میرے آئینۂ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوّت کا دعویٰ کیا۔''

قادیانی حضرات پر واجب ہے کہ اس عبارت میں کئی اعتبارات سے تامل کریں۔ ہم اس وقت صرف اتنا ضرور عرض کریں گے۔ مرزا غلام احمد کے مذکورہ حوالوں میں بیک وقت اتنے بڑے بڑے دعوے ہیں جو وحیٔ شریعت کے بغیر ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوسکتے۔

اَوّلاً:- مرزا غلام احمد کا بروزی طور پر ''محمد'' ہونا۔

ثانیاً:- کمالاتِ محمدیہ کا اس میں عکس ہونا۔

ثالثاً:- مرزا غلام احمد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کوئی انسان نہ ہونا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ ان سب دعووں کے لئے کونسی شرعی وحی نازل ہوئی؟ حق وحقیقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ یہ سب غیر شرعی دعوے ہیں، جن کے لئے نہ شرعی وحی نازل ہوئی، نہ اس کی

ضرورت تھی۔ کیونکہ غیر شرعی اُمور، شرعی وحی سے ثابت ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ جھوٹے مدعی نبوّت کا اسی طرح کا دجل اور کذب ہوتا ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ ''میرے بعد مدعی نبوّت کذاب ہوں گے، وہ نبوّت کے باب میں کذب میں مبالغہ سے کام لینے والے ہوں گے اور اس کے ساتھ دجل میں بھی خوب مبالغہ کرنے والے ہوں گے۔ لہٰذا شریعت میں نئی نئی اصطلاحات داخل کرنا، شریعت کے نام پر غیر شرعی دعوے کرنا، حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عالی تک پہنچنے، ان کا ظلّ ہونے، انکا بروز بننے کی خاطر یہ تمام دعوے صرف اس لئے کئے گئے کہ مرزا غلام احمد خود شریعت سازی کے منصب پر براجمان ہو کر غیر شرعی امور کو شریعت قرار دیتا چلا جائے۔ کذب تو اللہ کے نام پر جھوٹا دعویٰ ہے۔ مگر دجل غیر شرعی اُمور کو شرعی قرار دینا ہے۔ حق کو باطل سے خلط کرنا ہے۔ پھر انہیں وحی قرار دینا اور ساتھ ہی تشریعی نبوّت اور وحی شریعت کا انکار بھی کرتے رہنا، پھر اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے ختمِ نبوّت پر ایمان کو بھی ثابت کرنا، انسانی تاریخ میں ان متنوع دجلوں سے بڑھ کر اور کیا دجل ہو سکتے ہیں...؟ یقیناً دیگر سب دجل ان سے ہیچ ہوں گے...!

ایک شخص انسانی معاشروں کے عقلی ضابطوں کے برخلاف اپنے وجود کو دُوسرے کا وجود قرار دے وہ خود کو دُوسرے کا عین کہے، وہ خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلّ و عین بنا کر شریعت سازی کرے اور اپنی نبوّت کو خاتم النّبیین کی نبوّت سے علیحدہ بھی نہ ہونے دے، بلکہ اپنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں دوئیت بھی نہ مانے، غور کریں کتنی بڑی جسارتیں ہیں کہ جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت کے حق میں کی گئیں۔ اتنی بڑی جسارتیں کہ شریعت سازی کے جملہ حقوق خاتم النّبیین کے بجائے اپنے لئے حاصل کر لینے کے بعد بھی وہ شخص اپنے آپ کو خادمِ مصطفیٰ، مُتبعِ کامل کہے۔ مرزا غلام احمد کی یہ تمام کارروائی انسانی

تاریخ میں کذب، مبنی برمبالغہ اور دجل، مبنی برمبالغہ ہردو کے عدیم النظیر نمونے ہیں۔

یہاں تک ہم نے مرزا غلام احمد کے دعویٰ بروز کے بعض مضر اثرات کی طرف بھی اجمالاً اشارہ کردیا ہے۔ ہمارے خیال میں قادیانیت کی بنیاد ہی اس نظریۂ بروز پر ہے کہ مرزا غلام احمد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ انسان ہے۔ وہ شریعت محمدیہ سے الگ شریعت بھی پیش کردے۔ جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر حملہ آور بھی ہو اور اِدّعائے نبوّت بھی کرلے، مگر ساتھ ہی ان کا ظل و بروز بھی بنا رہے۔

ہماری ابنائے قادیانی ملت سے ناصحانہ گزارش ہے کہ مرزا کے اس عمل کو نہ تو قرآن کی تائید حاصل ہے نہ حدیث رسول کی، نہ اُمتِ مسلمہ کے اجماع کی، نہ مجددین اسلام میں سے کسی مجدّد کی۔ لہٰذا غور کرلیں کہ ان الہامات وکشوفات اور وحیوں کا مصدر جن کے بل بوتے پر مرزا یہ ساری کارروائی کرتا رہا، ہرگز ہرگز وحی رحمانی نہیں تھی کیونکہ اس کا سلسلہ بالاجماع بند ہو چکا ہے، لازماً یہ الہامات اور وحییں کسی اور کے اشارے پر وضع کی جارہی تھیں، تاکہ اسلام کی بیخ کنی اسلام ہی کے نام سے کی جائے۔ وہی مرزا جو نبوّت کا دعویٰ کرنے پر دیگر پر تو لعنت بھیجتا رہا، وہ نہ صرف اپنی نبوّت کا بلکہ اپنی رسالت کا بھی ببانگ دہل (ایک غلطی کا ازالہ'' ص:۷ مندرج روحانی خزائن جلد:۱۸ صفحہ:۲۱۱) میں یوں اعلان کرتا ہے:

> ''میں رسول بھی ہوں، نبی بھی ہوں، یعنی بھیجا گیا بھی، اور خدا سے
> غیب کی خبریں پانے والا بھی۔''

پھر ...العیاذ باللہ... بزعم خود اپنے اس دعوے میں اللہ کو بھی ساتھ ملا لے بلکہ اللہ کی حقانیت کو اپنی نبوّت کے ساتھ مشروط کردے'' دافع البلاء'' ص:۱۵، مندرج روحانی خزائن جلد:۱۸ صفحہ:۲۳۱ میں مرزا نے اس بات کا یوں اظہار کیا:

''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''

ابنائے قادیانیت اس میں غور کرلیں کہ قادیان کا لفظ وحی محمدی میں تو نہیں، پھر یہ کس وحی میں نازل ہوا ہے؟ نیز مرزا غلام احمد کی شریعت کا تعین کس وحی نے کیا ہے؟ حق یہ ہے کہ یہ دونوں غیر شرعی امر ہیں؟

کیونکہ'' قادیان'' اور'' مرزا کی نبوّت'' دونوں غیر شرعی امر ہیں۔ جن کے لئے وحیٔ ربانی نہ نازل ہوئی نہ نازل ہوگی نہ اس کی ضرورت ہے، کیونکہ وحیٔ ربانی تو شرعی اُمور کے لئے نازل ہوتی ہے نہ کے غیر شرعی اُمور کی خاطر، یہ نکتہ سمجھنے کے لائق ہے۔

مرزا کا عالمگیر نبوّت کا دعویٰ

ہم قارئین کو مرزا غلام احمد کے اس آخری مرحلہ سے بھی متعارف کرانا چاہیں گے، کہ جو پہلے نبوّت کے دعویٰ کا منکر تھا، پھر بالقوۃ نبی بنا، پھر غیر تشریعی نبی بنا، آخر میں اس نے اپنی نبوّت کو عالمگیر اور مستقل نبوّت ہونے کا اعلان کر دیا وہ'' تذکرہ'' صفحہ ۳۵۲ میں یوں کہتا ہے کہ یہ میری وحی ہے:

"یأیها الناس إنی رسول اللّٰه إلیکم جمیعا"

''اے تمام لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

اگر کوئی قادیانی یہ تاویل کرے کہ یہ تو وحی محمدی ہے یہ تو قرآن کی آیت ہے، تو ہم اتنا عرض کریں گے کہ قرآن کی آیت کا تو مصداق متعین ہے۔ اور وہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی ہے، مگر تذکرہ میں مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ یہ اس کی وحی ہے اور اس سے مراد اس کی ذات ہے۔ یہ ایک شرعی امر ہے۔ تو یہ کونسی شرعی وحی سے ثابت ہو رہا ہے؟ یاد رہے کہ اگر یہ وحی محمد ہے تو کسی قرآنی آیت کو اس کے مصداق سے پھیرنا الحاد فی آیات اللہ ہے۔

اور اگر یہ مستقل وحی مرزا کی ہے تو وحی شریعت مرزائی اُمت کے نزدیک بند ہے۔ لہٰذا دوصورتوں میں ایک صورت متعین ہوگئی کہ یا تو یہ وحی شریعت نہیں؟ یا اس کا مصداق مرزا غلام احمد نہیں؟ اور مرزا کا یہ دعویٰ کہ وہ اس وحی کا مصداق ہے، درست نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر رسالت کے اعلان کے بعد کسی دیگر کی عالمگیر رسالت کا اعلان تو بالاجماع کائنات کا سب سے بڑا کذب اور غیر شرعی امر ہے پھر اس کی خاطر کہ کسی دیگر کے عالمگیر نبی ہونیکی سعی ہو، یہ کائنات کا سب سے بڑا دجل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ کلام نے یہ صراحت کے ساتھ بیان بھی کیا کہ میرے بعد اتنے مدعی نبوّت ہوں گے اور ہر ایک دو وصف ۱-کذب میں مبالغہ، ۲-دجل میں مبالغہ، کا مرتکب بھی ہوگا۔

ہم قادیانیت کے عقلاء کی خدمت میں عرض کریں گے کہ ان کے بانی مذہب مرزا غلام احمد قادیانی اپنی زندگی کے ابتدائی باون (۵۲) سال تک نہیں بلکہ آخری مرحلہ میں اس قسم کے خیالات واوہامات کا شکار ہوگئے تھے۔ کوئی ان کے دل میں یہ ڈالتا تھا کہ ’’آپ نبی ہیں، آپ محمد ہیں، آپ رسول ہیں، آپ عیسیٰ ہیں، آپ محمد کا ظلّ ہیں، آپ ان کا بروز ہیں، آپ احمد ہیں، آپ خاتم الانبیاء ہیں، آپ کرشن اوتار ہیں، آپ خدا ہیں، آپ مانند خدا ہیں، آپ خدا کی بیوی ہیں، آپ خدا کا بیٹا ہیں، آپ شیر ہیں، آپ گورنر جرنل ہیں۔ تو شریعت اسلامیہ میں ایسے اوہام یا الہامات یا وحییوں کا شرعی حل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ایسے اوہام یا الہاموں کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھیں گے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے: ’’شیاطین بھی اپنے دوستوں کی طرف وحیاں کرتے ہیں تاکہ انہیں حق کا مدمقابل بنادیں۔‘‘ لہٰذا ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کی پناہ میں آجانا چاہیے تھا، وہ نہ تو ایسے الہامات اور وحیوں کو خود حق سمجھتا۔ نہ کسی کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کرتا، بلکہ اپنے رَبّ سے ’’اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم‘‘ کے ذریعہ پناہ مانگتا۔

مگر مرزا نے اس کے برعکس انہی الہاموں کی بنیاد پر اپنے سابقہ عقائد (ختمِ نبوّت پر ایمان، حیاتِ مسیح پر اِیمان، دجال، دابۃ الارض، معراج مصطفیٰ، معجزاتِ انبیاء) پر ایمان وعقیدہ سے ہی برأت کا اظہار کر دیا۔ اور ''حقیقت وحی'' میں صاف کہہ دیا کہ:

''میں خدا تعالیٰ کی بیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کرسکتا ہوں؟''

یعنی مرزا کو بطور اُمتی جس وحی کا رَدّ کرنا فرض تھا، اس نے شرعی ضابطے اور شرعی مراجع یعنی کتاب وسنت اور اِجماعِ اُمت بلکہ پوری اُمت سے تو معذرت کر لی اور اس کے برعکس انہی غیر شرعی الہامات اور وحیوں کو اپنی بالقوۃ نبوّت، ظلّی نبوّت، بروزی نبوّت کی دلیل بنالیا، اس کا یہ عمل خالص غیر شرعی عمل تھا۔ لہٰذا آج ہم افراد ملت قادیانیت سے بطور نصیحت خاصہ انہیں مزید کہیں گے کہ خدارا وہ ایسی وحی اور الہامات اور ایسے صاحب وحی کے ساتھ شرعی معاملہ کریں۔ اور قرآن وسنت اور صاحب وحی جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمتِ مسلمہ کے ساتھ وفا شعاری کا ثبوت دیں۔ مرزا غلام احمد کی مخالف قرآن وسنت اور مخالف اجماع اُمتِ مسلمہ وحی ان سے برأت کا اظہار کریں۔ وہ وحی محمدی پر اعتماد کا اظہار کریں جو محفوظ ہے، مامون ہے، جسے اللہ کی طرف سے جبرئیلؑ امین لے کر آئے اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ امین پر نازل ہوئی، جس کے بعد نہ وحی کی ضرورت، اور جس پر نازل ہوئی ان کے بعد نہ کسی نبوّت کی ضرورت، اسی طرح یہ قادیانی حضرات اپنی عاقبت کو درست کرلیں، اپنے خالق کو راضی کرلیں، اور اُمتِ مسلمہ کے وسیع وعریض دائرے میں داخل ہوکر قلبی سکون واطمینان فکری راحت اور سعادت دارین اور شفاعت حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق دار بن جائیں۔ حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہماری اس کاوِش اور دُعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر آجانے اور اس پر چلنے کی توفیق بخشے، نورِ اسلام کی نورانیت کو عام کرے اور تمام اہلِ اسلام کو صراطِ مستقیم پر استقامت کی توفیق بخشے، آمین!

✡✡✡

خلاصہ مبحث

اب ہم اس مقالہ کا خلاصہ مبحث درج کرتے ہیں جو کہ کچھ یوں ہے۔

۱-عظمت مقام خاتم النّبیین صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

۲- مرزا غلام احمد کی جسارت یعنی خاتم النّبیین صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ وحدت الوجود کا دعویٰ۔

۳-آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی شان میں نازل شدہ آیات کا مصداق خود کو ٹھہرانا۔

۴-مرزا غلام احمد کی نادر نبوّت۔

۵-مرزا کا عالمگیر نبوّت کا دعویٰ۔

۶-حضرت خاتم النّبیین صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے بعد مرزا کا نزولِ جبرئیل اور وحی کا انکار پھر اصرار۔

۷-آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا اَوّلاً انکار پھر اِصرار۔

۸-شرعی اُمور کے لئے تشریعی وحی نازل ہوتی ہے غیر تشرعی اُمور کے لئے نہیں۔

۹-غیر شرعی وحی سے ثابت شدہ تمام دعوہائے مرزا اور قادیانی شریعت خود بخود غیر شرعی قرار پا گئے۔

۱۰-ابنائے ملت قادیانیت کا شرعی فریضہ اس شریعت سے برأت کا اظہار جو غیر شرعی ہے۔

۱۱- ابنائے ملت قادیانیت کے لئے سعادت دارین صرف اور صرف غیر شرعی تجدیداتِ مرزا سے براءت کے اظہار میں ہی ہے۔

نمبر ⑧ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

خصائصِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
اور
تجدیداتِ مرزا غلام احمد

خصائصِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بہ تقاضائے حکمتِ ربانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعض خصوصیات سے مشرف فرمایا، جو انہی کا خاصہ ہیں، ان میں سے بعض اُمور مندرجہ ذیل ہیں:

- ✡ حق تعالیٰ شانہ نے انہیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔
- ✡ انہیں طفولیت میں قوت گویائی عطا فرمائی گئی کہ بچپن ہی میں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی طہارت و براءت کا اظہار فرمایا، اور اپنی نبوّت کا اعلان فرمایا۔
- ✡ انہیں اس حالت میں دعوت توحید و رسالت کی توفیق بخشی گئی۔
- ✡ اِحقاقِ حق کا ذریعہ بنایا گیا۔
- ✡ ان کے معجزات میں سے مُردوں کو زندہ کرنا اور مورتیوں کو اُڑنے والے پرندے بنا دینا ہے۔
- ✡ انہیں دشمنوں کے نرغے سے رُوح وجسد سمیت آسمان کی طرف اُٹھا لیا گیا، (جسے ''رفع'' کہتے ہیں)۔
- ✡ قیامت سے قبل غلبہ اسلام کی خاطر وہ اُتریں گے، دُنیا میں شریعتِ محمدیہ کا بول بالا کرنے اور اس دُنیا سے ظلم کے خاتمے اور عدل وانصاف کے قائم کرنے میں حق تعالیٰ اپنے فضل

سے انہیں استعمال فرمائیں گے۔

✡ یہود نے جب ان کی والدہ ماجدہ کو متہم کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے انہیں قوّتِ گویائی عطا فرمائی، اس واقعے کو حق تعالیٰ جل شانہ نے قرآنِ کریم میں موضوع بھی بنایا۔

✡ ان کی والدہ صاحبہ عفیفہ طاہرہ حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے نام مبارک پر ایک سورت مبارکہ قرآن مجید میں موجود ہے، جس نے پورے قصے کا نقشہ کھینچ کر ان کی کامل براءت فرمائی۔

ان فضائل وخصائص اور عظیم الشان ذمہ داریوں کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کے لئے اُمتِ مسلمہ کے ہاں ان کا خصوصی مقام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اِسلام کا ان کے بارے میں اہتمام

اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل مقام ان کی عبدیت اور ان کی نبوّت ورسالت کو نہایت اہتمام سے بیان فرمایا۔ ان کی طرف منسوب اُمت کی طرف سے کئے گئے مبالغات جو ان کی شان کے منافی تھے، ان کی نفی فرمائی۔ نیز ان کے خلاف یہود کے غلط پروپیگنڈے کا رَدّ فرمایا۔ اور واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور ان کی والدہ محترمہ عفیفہ طاہرہ حضرت مریم علیہا السلام پر یہود کے اتہام کا بھی رَدّ فرمایا۔

اسبابِ غضب اللّٰہ (یہود پر اللّٰہ کے غضب کے اسباب)

قرآنِ کریم نے یہود پر اللّٰہ کے غضب کے اسباب کے طور پر جن اُمور کا ذِکر کیا، ان کی توضیح سورت المائدہ میں یوں فرمائی:

۱- ان کا میثاق توڑنا۔

۲- اللّٰہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرنا۔

۳- اللہ تعالیٰ کے نبیوں کا ناحق قتل کرنا۔

۴- ان کا یہ قول کے ہمارے دل غلاف میں ہیں (بطور کبر کے کہ گویا انہیں حق کو قبول ہی نہیں کرنا اور نہ انہیں اس کی ضرورت ہے)۔

۵- حضرت مریم علیہا السلام پر عظیم بہتان تراشی۔

۶- ان کا یہ قول کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو انہوں نے قتل کیا۔

یہود نے ہی لوگوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی اشاعت کی تھی تو حق تعالیٰ نے اس کی تردید میں قرآن میں یوں فرمایا:

''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ'' (النساء: ۱۵۷-۱۵۸)

''نہ ہی انہوں نے انہیں قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے تشبیہ دے دی گئی، اور جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا یقیناً وہ شک میں ہیں، انہیں سوائے گمان کے کچھ علم نہیں، اور یقینی طور پر انہوں نے نہ انہیں قتل کیا نہ سولی چڑھایا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اُٹھالیا۔''

اس قرآنی بیان کے بعد اُمتِ مسلمہ بالاجماع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتی ہے، جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

جب مرزا غلام احمد قادیانی پیدا ہوا تو وہ بھی اسی عقیدہ پر تھا اور باون (۵۲) سال تک اسی پر قائم رہا۔ پھر اس نے اپنے ہی الہامات کے زور پر اس میں تبدیلی کی اور پھر وہ اپنے خود ساختہ نظریہ مثیل کو حضرت عیسیٰ کے باب میں اسی انداز سے استعمال میں لایا جس انداز سے وہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نظریۂ بروز کو لایا تھا۔ مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ کی حیات ورفع کے بارے میں بھی عقیدہ تبدیل کیا۔ اس نے حضرت عیسیٰ پر طعن کے معاملہ میں یہود کے عمل کا نہ صرف اعادہ کیا، بلکہ اس میں مزید اضافہ بھی کیا۔ اوّلاً یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ باون سال کی عمر تک مرزا غلام احمد کا حضرت عیسیٰ کے بارے میں وہی عقیدہ تھا جو اُمتِ مسلمہ کا ہے اس نے اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' میں اسے نقل بھی کیا، مگر بعد میں خود اپنے اِلہامات کی بنیاد پر اس میں تبدیلی کردی۔

وہ مراحل جن سے مرزا کا گزر ہوا

مرزا کی تحریروں میں معمولی تامل کرنے سے یہ ظاہر ہوگا، کہ وہ حضرت عیسیٰ کے باب میں وہ پانچ مراحل سے گزرا ہے:

پہلا مرحلہ:- عظمت عیسیٰ کا اعتراف۔

دوسرا مرحلہ:- ان کے مثیل ہونے کا اِدّعا۔

تیسرا مرحلہ:- عیسیٰ بن مریم ہونے کا دعویٰ۔

چوتھا مرحلہ:- ان کی ذات مقدسہ اوران کی والدہ ماجدہ پر طعن وتشنیع۔

پانچواں مرحلہ:- ان پر اپنی فضلیت کا اعلان۔

ہم ان مراحل پر قادیانی مراجع کی روشنی میں کچھ تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔

پہلا مرحلہ

جس میں مرزا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت اورقرآنی بیان کے مطابق اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی عظمت کے اعتراف کے طور پر ''اعجاز احمدی'' صفحہ: ۲۵، ''روحانی خزائن'' جلد: ۱۹ صفحہ: ۱۳۴ پر لکھتا ہے:

''آپ (یعنی حضرت عیسیٰ) خدا کے مقبول اور پیارے تھے، خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر یہ تہمتیں لگاتے ہیں۔''

وہ مزید ''ضمیمہ براہین احمدیہ'' حصہ پنجم صفحہ:۱۰۱، ''روحانی خزائن'' جلد:۲۱ صفحہ: ۲۶۳ پر رقم طراز ہے:

''ہم تو قرآن شریف کے فرمودہ کے مطابق حضرت عیسیٰ کو سچا نبی مانتے ہیں۔''

دُوسرا مرحلہ

کہ مرزا مثیلِ مسیح ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی ''تذکرہ'' صفحہ: ۱۷۲، ''تبلیغ رسالت'': جلد:۱ صفحہ:۱۵۹ میں اب اپنا نیا نظریہ یوں پیش کرتا ہے:

''میں نے مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ اللہ کی وحی اور الہام سے کیا ہے۔''

تیسرا مرحلہ

وہ بعینہٖ عیسیٰ بن مریم ہے۔ اپنی کتاب ''تتمہ حقیقۃ الوحی'' ص:۱۷۵، ''روحانی خزائن'' جلد ۲۲، صفحہ:۵۲۱ پر یوں لکھتا ہے کہ:

''میں عیسیٰ بن مریم ہوں!''

چوتھا مرحلہ

حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ پر طعن و تشنیع۔ مرزا غلام احمد ''سفینہ نوح'' صفحہ:۲۰، ''روحانی خزائن'' جلد:۱۹ صفحہ:۱۸ پر تحریر کرتا ہے:

''اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا، پھر بزرگانِ قوم کے نہایت اِصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا، گو لوگ

اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیمِ تورات عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا؟ اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا؟ اور تعدادِ ازواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی؟ یعنی باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونے کے پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آئے؟ مگر میں کہتا ہوں یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آ گئی اس صورت میں وہ لوگ قابلِ رحم تھے نہ قابلِ اعتراض۔''

وہ مزید کہتا ہے:

''آپ (یعنی حضرت عیسیٰ) کے ہاتھ سوا مکر وفریب کے اور کچھ نہیں تھا، پھر افسوس کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں، آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں۔''

(سفینۂ نوح صفحہ:۲۰ مندرج در روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ:۱۸)

قراءِ کرام جان لیں گے مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہود کے اسی پُرانے اُسلوب کا نہ صرف اعادہ کیا ہے، بلکہ اس میں زیادتیاں کیں، پھر خوب کھل کر جو کچھ اس کے ضمیر میں مخفی تھا، اس کا اظہار کیا۔ اس کے بالمقابل ہم بھی علمی بحث وتحقیق کا مکمل حق رکھتے ہیں، تاکہ اس باب میں حق اور سچ کو پیش کرسکیں، جو اِنسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ انسانیت کے عظماء اور معصوم ومقدس ہستیوں کے بارے میں زبان درازیاں اگر حرّیتِ تعبیر اور فکری آزادی شمار ہوتی ہے۔ تو ان مقدس ہستیوں کے تقدس اور ان کی عظمت کی حمایت اہل ایمان کا شرعی واجب اور اخلاقی حق ہے جسے قادیانیت کو تسلیم کرنا ہوگا۔ پھر جبکہ ہم قادیانیت کے نظریات کو ان کی اصل کتابوں ہی سے نقل کریں اور ان کا ابطال قرآن وسنت کی روشنی ظاہر ہو جائے تو انہیں اس حق کو تسلیم کر کے اپنے ان باطل نظریات سے برات کا اظہار کر کے اپنی اور دیگر انسانیت کی بھلائی کی خاطر ان مقدس حضرات کے تقدس کو بہ دل وجان تسلیم کر لینا چاہیے۔ یہ بات یاد رکھیں

کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں جو کچھ قادیانیت نے کہا ہے کسی بھی مسلمان مجدّد کی زبان وقلم نے اس قسم کی حرکت نہیں کی ہے۔

مرزا کا حضرت عیسیٰ کو یوسف نجار کا غیر شرعی بیٹا قرار دینا

خصوصی طور پر یہ امر بھی باعث تامل ہے کہ مرزا غلام احمد کتنی بڑی جسارت کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کا غیر شرعی بیٹا اور یوسف نجار کی اولاد کہتا ہے۔

وہ ''سفینہ نوح'' کے صفحہ:۲۰ مندرج روحانی خزائن جلد:۱۹،صفحہ:۱۸ میں یوں لکھتا ہے:

> ''اور مریمؑ کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا، گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا، اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا اور تعدادازوج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنی باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونے کے پھر مریمؑ کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آئے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں اس صورت میں وہ لوگ قابلِ رحم تھے نہ کہ قابلِ اعتراض۔''

ایک طرف قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی بغیر باپ کی ولادت کو اپنی قدرت کا اظہار بتائے اور حضرت مریم علیہا السلام کی طہارت کو قرآن میں ثبت فرمائے اور دوسری طرف مرزا غلام احمد اس قرآنی بیان اور اُمت کے اجماع کو توڑتے ہوئے عظیم الشان نبی اللہ اور ان کی والدہ ماجدہ کی اہانت کرنے کا مرتکب ہو۔ پھر قادیانیت کے ہاں یہی مجدّد دِین، مصلح اُمت

اور انسانیت کا نجات دہندہ کہلائے اور قادیانیت کھلے طور پر اپنے ذرائع ابلاغ عامہ پر اس کی شخصیت کا پرچار کرنے میں رات دن مشغول نظر آئے؟ پھر مرزا غلام احمد نے مریم صدیقہ کے ساتھ ساتھ غیور افغانیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا (واللہ اعلم! اس سے اس کی غرض کیا تھی؟) ساتھ ہی حضرت مریم کو نہایت برے طور پر متہم کیا (العیاذ باللہ)۔

وہ ''ایام صلح'' کے صفحہ: ۴۷ کے حاشیہ بمع مندرج ''روحانی خزائن'' جلد: ۱۴، صفحہ: ۳۰۰ پر یوں لکھتا ہے۔

> ''پانچواں قرینہ ان کے وہ رُسوم ہیں جو یہودیوں سے بہت ملتے ہیں، مثلاً ان کے بعض قبائل ناطہ اور نکاح میں کچھ چنداں فرق نہیں سمجھتے اور عورتیں اپنے منسوب سے بلاتکلف ملتی ہیں اور باتیں کرتیں ہیں۔ حضرت مریم صدیقہ کا اپنے منسوب کے ساتھ قبل نکاح کے پھرنا اس اسرائیلی رسم پر پختہ شہادت ہے، مگر خوانین سرحدی کے بعض قبائل میں یہ مماثلت عورتوں کی اپنے منسوبوں سے حد سے زیادہ ہوتی ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات نکاح سے پہلے حمل بھی ہو جاتا ہے، جس کو بُرا نہیں مانتے، بلکہ ہنسی ٹھٹھے میں بات کو ٹال دیتے ہیں، کیونکہ یہود کی طرح یہ لوگ ناطہ کو ایک قسم کا نکاح ہی جانتے ہیں جس میں پہلے مہر بھی مقرر ہو جاتا ہے۔''

اس بیان میں حضرت مریم علیہا السلام کو اس طرح متہم کرنا، حضرت عیسیٰ کی گستاخی اور ان کی والدہ محترمہ کی اہانت کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم کی صراحت سے مخالفت اور کھلم کھلا اِجماعِ اُمت سے خروج ہے۔ مگر مرزا غلام احمد کے لئے سب عظماء کی حرمت کو محض اپنی شخصیت کے قائم کرنے کے لئے داؤ پر لگانا معمول کا عمل ہے۔

مرزا غلام احمد کا حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات سے اِستہزا کرنا

مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ کے ان معجزات کو جن کا ذِکر قرآنِ حکیم نے صریح لفظوں میں فرمایا، نہ صرف کھلے طور پر اِنکار کیا بلکہ ان کا مذاق بھی اُڑایا۔

وہ ''ازالہ اوہام'' جلد: ا ص: ۱۵۴-۱۵۵ اور ''روحانی خزائن'' جلد: ۳ ص: ۲۵۴-۲۵۵ میں لکھتا ہے:

> ''سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک بار مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو، جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیرو ں سے چلتا ہو، کیونکہ حضرت مسیح بن مریمؑ اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدّت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے، اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے، اور جیسے انسان میں قویٰ موجود ہوں انہیں کے موافق اعجاز کے طور پر بھی مدد ملتی ہے۔''

مرزا قادیانی کی اس تحریر میں قرآنِ حکیم کے صریح الفاظ کا انکار ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت ہے، ان کے بغیر باپ کے پیدائش کا اِنکار ہے، ان کے معجزات کا بھی اِنکار ہے، یہ اُمور جو قطعی نصوص سے ثابت شدہ ہیں اور مسلم اُمت کے ہاں اجماعی طور پر مُسلَّمہ مسائل میں سے ہیں۔

یاد رہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو عقل وفراست اور ظاہری وباطنی اوصافِ جمیلہ میں کمال عطا فرماتا ہے، مگر مرزا غلام احمد کی جسارت دیکھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے

اُولوالعزم پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ''موٹی عقل والا، جاہل عورتوں جیسا، عام لوگوں کی طرح، گالی گلوچ دینے والا، جھوٹ بولنے والا'' تک گردانتا ہے، اور پھر ''مثیلِ مسیح'' ہونے کا مدعی بھی ہے۔

وہ ''انجام آتھم''، ص:۵، ''روحانی خزائن'' جلد:۱۱، ص:۲۸۹، میں کہتا ہے:

> ''متی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عقل بہت موٹی تھی، آپ جاہل عورتوں سے اور عوام الناس کی طرح مرگی کو بیماری نہیں سمجھتے تھے بلکہ جن کا آسیب خیال کرتے تھے، ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی، ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا، اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے، مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں، کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے، یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کس قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی، جن جن پیشگوئیوں کا اپنی نسبت توریت میں پایا جانا آپ نے فرمایا ہے، ان کا کتابوں میں نام ونشان نہیں پایا جاتا۔''

ہم قادیانیوں سے پوچھتے ہیں کہ جب بقول مرزا کسی بھی نبی کی اہانت کفر اور سب کی تعظیم واجب ہے، مستزاد اس پر مرزا غلام احمد کا حضرت مسیح علیہ السلام سے مماثلت بلکہ عین مسیح بن مریم ہونے کا دعویٰ بھی ہے، جن اُمور میں ان کی تمام ملت ان پر اِیمان لائی ہوئی ہے، ان اقوال کے بعد خود مرزا غلام احمد اب مذکورہ اہانتوں کے بعد کس حکم شرعی کا مستحق ٹھہرتا ہے؟ دراصل یہ ایسی تضاد بیانی ہے کہ کسی بھی ادنیٰ عقل، ادنیٰ ایمان والے کے قول یا تحریر میں تصور نہیں کی جاسکتی۔ چہ جائیکہ مدعیٔ مثیل مسیح، مدعیٔ عینِ مسیح اور مدعیٔ مسیحِ موعود، اور اپنے آپ کو ملہم ومحدث کہنے والے کے کلام میں ہو۔ دراصل یہی وہ تضاد ہے، جس میں ادنیٰ تامل اور غور وفکر نہ

صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی حقیقت کو آشکارہ کر دیتا ہے، بلکہ ہر ذِی عقل وشعور بھی حق وصداقت کو بآسانی پاسکتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے ہدایت مقدر ہو۔شاید کہ حق تعالیٰ شانہ محض اپنے فضل وکرم سے ابنائے ملتِ قادیانیت کی آنکھوں کو کھول دے...!

حق تعالیٰ شانہٗ کے انبیائے کرام علیہم السلام، اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلیم پاتے ہیں، وہ علم وفضل میں اپنے دور کے اعلم الناس (علم میں سب سے بڑھ کر) ہوتے ہیں، انہیں کسی بشر سے تعلیم کی حاجت پیش نہیں آتی۔خود مرزا غلام احمد نے اس بات کا اپنی تحریروں میں اعتراف بھی کیا ہے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برگزیدہ، اُولوالعزم نبی ماننے کے باجود ان کے بارے میں ''انجام آتھم''ص:٦ حاشیہ پر اور ''روحانی خزائن'' جلد:١١، ص:٢٩٠ پر لکھتا ہے:

> ''اور نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو اِنجیل کا مغز کہلاتی ہے، یہودیوں کی کتاب طالمود سے چُرا کر لکھا ہے، اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا میری تعلیم ہے، لیکن جب سے چوری پکڑی گئی عیسائی بہت شرمندہ ہیں۔''

دُنیا شاہد ہے اور قرآن وسنت ناطق ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کثیر معجزات سے نوازا، قرآنِ حکیم کی نصوصِ قطعیہ نے انہیں ثبت فرمایا، اب کسی مؤمن کے لئے روا نہیں کہ وہ ان کے ان قسم ہا قسم کے معجزات کا اِنکار کرسکے، مگر مرزا غلام احمد قادیانی ہے کہ اسے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کا کوئی معجزہ نظر ہی نہیں آتا، بلکہ وہ ان کے معجزات کی تضحیک کرتا نظر آتا ہے، وہ ان کے پرندوں میں نــفــخ کے معجزے کے بارے ''انجام آتھم''ص:٦، ''روحانی خزائن'' جلد:١١ ص:٢٩٠ پر لکھتا ہے:

''عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے، مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا، اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دی اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولا دٹھہرایا، اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا اور نہ چاہا کہ معجزہ مانگ کر حرام کار اور حرام زادہ بنیں۔''

نیز اُمتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے بشر کو معلّم نہیں مقرر کیا جاتا، بلکہ باری تعالیٰ ہی خود انہیں تعلیم دیتے ہیں، اور اس امر کا اعتراف بھی مرزا غلام احمد نے اپنی سیرت میں کیا ہے؟ مگر حضرت عیسیٰ کے باب میں وہ ''انجام آتھم'' مندرج در ''روحانی خزائن'' جلد:۱۱ص:۲۹۰ میں یوں کہتا ہے:

''آپ (یعنی عیسیٰ) کا ایک یہودی اُستاد تھا، جس سے آپ نے توریت کو سبقاً سبقاً پڑھا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ یا تو قدرت نے آپ کو زیرکی سے کچھ بہت حصہ نہ دیا تھا، یا اُستاد کی یہ شرارت ہے کہ اس نے آپ کو محض سادہ لوح رکھا، بہرحال آپ علمی اور عملی قویٰ میں بہت کچے تھے۔''

ہم اتنا کہیں گے کہ اس سے بڑھ کر ایک اُولی العزم نبی کی کیا توہین ہوسکتی ہے؟ کہ اوّلاً اس کا معلّم مقرر کیا جائے، اور پھر اس معلّم کو شرارتی اور نبی کو کند ذہن بتلایا جائے (العیاذ باللہ)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ انبیاء کو عالی اخلاق والا، عالی حسب ونسب والا، کمالِ عقل وفہم والا بنایا، مگر مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا اظہارِ خیال کیا ہے؟ ملاحظہ کیجئے!

وہ ''ضمیمہ انجامِ آتھم'' ص:۷، ''روحانی خزائن'' جلد:۱۱ص:۲۹۱ پر لکھتا ہے:

''اور آپ (عیسیٰ) کے ہاتھ میں سوا مکروفریب کے اور کچھ نہیں تھا، پھر

افسوس کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں، آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں۔''
(معاذ اللہ!)

پوری اُمتِ مسلمہ انبیائے کرام علیہم السلام کی نہ تو عیب جوئی کرتی ہے اور نہ ہی ان مقدس شخصیات کو عیب دار بناتی ہے، کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو قائل کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ حضرات انبیا علیہم السلام جو خود دیگر کے لئے نمونہ ہوتے ہیں، وہ بذاتِ خود کس طرح اپنے عیوب گنوائیں گے؟ نہ ہی یہ ان کی سنت ہے کہ ایک نبی دیگر نبی کی عیب جوئی کرے۔ وہ تو ایک دوسرے کی تعظیم و تقدیس سکھاتے ہیں۔ مگر مرزا غلام احمد جو دعویٰ تو یہ کرتا ہے کہ وہ ایک جانب سے اُمتی اور دُوسری جانب سے نبی ہے۔ وہ جملہ اُمتیوں اور تمام انبیاء کی سنت کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف عیب دار بناتا ہے، بلکہ انہیں خود اپنی ہی ذات کے لئے ''عیب جو'' بھی بتاتا ہے، پھر خود ان کے ایسے عیب شمار کرنے لگتا ہے، جو کسی عام شریف اُمتی کی بھی شرافت کے خلاف ہوں۔

مرزا غلام احمد ''ضمیمہ انجامِ آتھم'' ص:۷، ''روحانی خزائن'' جلد:۱۱ ص:۲۹۱ میں کہتا ہے:

''اور آپ کے ہاتھ میں سوا مکر اور فریب کے کچھ نہیں تھا، پھر افسوس کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں۔ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زِنا کار اور کسبی عورتیں تھیں، جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ مگر شاید یہ بھی خدائی کے لئے ایک شرط ہوگی۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدّی مناسبت درمیان

ہے، ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے اور زِناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے، اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے، سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہوسکتا ہے۔''

''جرم ایک کرے مجرم دُوسرا ٹھہرے'' کا غیر اِسلامی تصوّر

اسلام اور دیگر کسی بھی دِین، یا انسانی سوسائٹی میں ایک انسان کا جرم دُوسروں کے سر تھوپنا خلافِ شرع وخلافِ عقل ہے، مگر مرزا غلام احمد ہے کہ وہ شرعی پابندیوں یا عقلی ضابطوں اور معاشرتی آداب سے آزاد ہوکر عیسائی اُمت کی کوتاہیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سر تھوپتے ہوئے ''سفینۂ نوح''، ص:۷۳، ''روحانی خزائن'' جلد:۱۹، ص:۷۱ پر لکھتا ہے:

''یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے، اس کا سبب یہ تھا کہ عیسیٰ شراب پیا کرتے تھے، شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پُرانی عادت کی وجہ سے۔''

اپنے ہی قول وفعل کی تردید سب سے بڑی اخلاقی کمزوری اور بزدلی ہوتی ہے۔ مرزا غلام احمد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے، جب علمائے اسلام کی طرف سے اس پر اِعتراض ہوا تو اس نے دو طریقہ اختیار کئے۔ اَوّلاً:- اِعتراض کرنے والے کو بُرا بھلا کہا۔ ثانیاً:- اپنے اس اُسلوب کے لئے عذرِ لنگ تلاش کرلیا کہ میری نیت تو اس اہانت سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو قائم کرنا ہے۔ یاد رہے کہ دِینِ اسلام میں یہ ہر دو اَمر فی حدّ ذاتہٖ خلافِ شرع ہیں۔ مرزا غلام احمد کے اس عذرِ لنگ کا حوالہ ہم پہلے پیش کرچکے ہیں، اب حضرت عیسیٰ کے بارے میں اسے نصیحت کرنے والوں پر وہ کیسے برستا ہے؟

پڑھیے! مرزا غلام احمد ''سفینہ نوح'' ص:۲۰،''روحانی خزائن'' جلد:۱۹ ص:۱۸ پر لکھتا ہے:

''مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح بن مریمؑ کی عزّت نہیں کرتا، بلکہ میں تو مسیح کے چاروں بھائیوں کی عزّت کرتا ہوں، کیونکہ وہ پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں، نہ صرف اس قدر، بلکہ میں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیروں کو بھی مقدس سمجھتا ہوں، کیونکہ یہ سب بزرگ مریمؑ بتول کے پیٹ سے ہیں، اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدّت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا، پھر بزرگانِ قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کرلیا۔ (حاشیہ میں ہے:) یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں، جو یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھیں۔''

اَوّلاً:- اس عبارت میں مرزا غلام احمد نے ان لوگوں کو جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی اہانت پر اُسے نصیحت کی، انہیں مفسد اور مفتری کا لقب دیا، حالانکہ یہ کھلی حقیقت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر خود اِفترا پردازی کرتا رہا ہے۔

ثانیاً:- اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے چار بھائی، بہن ثابت کئے۔

ثالثاً:- جن میں سے دو بہنیں تھیں۔

رابعاً:- ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ علیہا السلام پر قبل از نکاح حمل ہونے کی تہمت لگائی۔

خامساً:- انہیں یوسف نجار کی بیوی ثابت کرنے کی سعی کی۔ ہم قادیانیت سے پوچھتے ہیں کہ کیا مرزا غلام احمد کے یہ اقوال قرآن وسنت کی زبان میں افتراءات نہیں ہیں؟ ایسے کہنے

والا خود مفتری نہیں ہے؟ پھر وہ کیسے دوسروں کو مفسد و مفتری کہتا ہے...؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مرزا غلام احمد کا بدخلقی کا بہتان

اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو خود تعلیم بھی دیتے ہیں اور ان کی اخلاقِ فاضلہ پر خود تربیت بھی فرماتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تربیت یافتہ اُولی العزم نبی تو بقول مرزا بداخلاق ٹھہریں، اور مرزا خود اپنے لئے اللہ کی طرف سے اپنی تعلیم و تربیت کی نسبت کر کے خود کو اپنی اُمت کے لئے ''اُسوۂ حسنہ'' ٹھہرا لے...!

وہ ''چشمہ مسیحی'' کے صفحہ:۱۱، مندرج روحانی خزائن، جلد:۲۰ ص:۳۴۶ میں لکھتا ہے:

> ''حضرت عیسیٰ نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا، دوسروں کو یہ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو حق مت کہو، مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولدالحرام تک کہہ دیا۔''

پھر ''ست بچن'' ص:۱۷۲ مندرج روحانی خزائن، جلد:۱۰ ص:۲۹۶ میں لکھتا ہے:

> ''یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے، اور یہ خراب چال چلن نہ خدائی کے دعویٰ کے بعد بلکہ ابتدا ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری ہی کا ایک بدنتیجہ ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم و محبت مشرکانہ عقیدہ

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کو اپنے مقرّبین کی تعظیم کرنے اور ان سے محبت کا حکم دیا ہے، وہی قلوب میں ان کی محبت کو ڈالتے بھی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾''

(مریم)

''اللہ تعالیٰ لوگوں میں ایمان وعمل صالح والوں کی محبت پیدا فرما دیتے ہیں۔''

حضرات انبیاء علیہم السلام تو قربِ الٰہی کے اعلیٰ مقام پر ہوتے ہیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو صاحبِ کتاب، صاحبِ بشارت، صاحبِ رفع، صاحبِ نزول اور اس اُمتِ محمدیہ کے ساتھ خصوصی تعلق والے ہیں کہ اپنی وفات سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بن کر اِسلام کے غلبے کے لئے کوشاں ہوں گے، اور پھر وہ سچے مسیح موعود ہیں جو ہرگز ہرگز ناکام نہیں، بلکہ کامیاب ہی کامیاب ہیں۔ ایسے عظیم الشان نبی اللہ اور مسیح موعود کا ذِکرِ خیر اور ان سے محبت کیسے جہالت یا شرک ہوسکتا ہے؟ (جبکہ اس میں اعتدال ہو، افراط وغلوّ یا تفریط وتقصیر نہ ہوں)۔ مسلمان اُمت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو عقیدہ رکھتی ہے، وہ معتدل بھی ہے، اور حق بھی ہے، اس میں وسطیت بھی ہے، اس میں نہ نصاریٰ کا افراط وغلوّ ہے اور نہ ہی یہود کی تفریط وتقصیر ہے، پھر مسلمانوں کے ایسے سچے عقیدے کو مرزا غلام احمد کس طرح مبنی بر جہالت اور اہلِ شرک جیسی محبت سے تعبیر کرتا ہے، جبکہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنے کی تعلیم خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

مرزا غلام احمد ''ضمیمہ براہین احمدیہ'' مندرج ''روحانی خزائن'' جلد:۲۱ ص:۲۶۲ میں لکھتا ہے:

''پھر نہ معلوم ناداں لوگوں کو حضرت عیسیٰ سے کیسی مشرکانہ محبت ہے کہ آنحضرتؐ کے زخم تو قبول کر لیتے ہیں مگر عیسیٰ کا مجروح اور زخمی ہونا ان کی شان

سے بلند تر سمجھتے ہیں اور شور ڈالتے ہیں کہ ان کی نسبت ایسا کیوں کہتے ہو؟ اور ان کو دُنیا سے الگ خصوصیت دینا چاہتے ہیں، وہی آسمان پر چڑھ کر زمین پر اُترنے والے، وہی اس قدر لمبی عمر پانے والے، مگر خدا نے ان کو (حضرت عیسیٰ) کو پیدائش میں اکیلا نہیں رکھا بلکہ کئی حقیقی بھائی اور کئی حقیقی بہنیں ان کی ایک ہی ماں سے تھیں۔''

اہلِ اسلام کا ایمان ہے کہ وہ انسانی عظماء جو ہر حال میں کامیاب ہی کامیاب ہوتے ہیں، کبھی بھی ناکام نہیں ہوتے، وہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی کامیابی کی علامت اَحکامِ ربانی پہ استقامت سے عبارت ہے، جس میں انبیاء علیہم السلام سرِفہرست ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں ناکام اور نامراد کہنا سب سے بڑا کذب ہے اور اہانت انبیاء ہے۔

مرزا غلام احمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے ''نصرت الحق'' مندرج ''روحانی خزائن'' جلد ۲۱ ص:۵۸ میں بڑی جسارت سے لکھتا ہے:

''غرض جس قدر جھوٹی کرامتیں اور جھوٹے معجزات حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کیئے گئے ہیں، کسی اور نبی میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی، اور عجیب تر یہ کہ باوجود ان تمام تر فرضی معجزات کی ناکامی اور نامرادی جو مذہب کے پھیلانے میں کسی کو ہوسکتی ہے، وہ سب سے اوّل نمبر پر ہیں، کسی اور نبی میں اس قدر نامرادی کی نظیر تلاش کرنا لا حاصل ہے۔''

اللہ کے کسی نبی کے بارے میں اس قدر بدزبانی اور ناحق بات کہنا پھر اپنے مافی الضمیر کو اس قدر آزادی سے بیان کرنے والے کو جاننا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کے ماننے والوں کو بھی اس قسم کی الزام تراشیوں کے رَدّ اور ان میں بحث وتحقیق اور ان کے شرعی حکم کو بیان کرنے کا پورا

حق ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناکام گرداننے والے (خودمدعی نبوّت بھی) اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے معجزات کے منکر (خودمدعی مسیح موعود بھی) کی ناکامیوں اور نامرادیوں کو شمار کرنے کا بھی پورا پورا حق رکھتے ہیں۔ پھر ایسے بیان باز کے اس عمل کے شرعی حکم کا بیان کرنا ان پر شرعی و اجب بھی ہے، تاکہ انسانیت ایسے مفتری کی افترا پردازی سے محفوظ رہ سکے، جو سچوں کو جھوٹا، ان کامیابوں کو ناکام، اور بامراد کو نامراد کہے۔

مرزا غلام احمد کا قدرتِ باری تعالیٰ سے اِستہزا

حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں حضرت عیسیٰ کی بغیر باپ ولادت کو مظہر قدرت ربانی اور خصوصیت عیسیٰ شمار فرمایا ہے، مگر مرزا غلام احمد ہے کہ وہ اس مظہر قدرتِ ربانی کو حضرت عیسیٰ کی محرومیوں میں شمار کرتا ہے۔

وہ ''چشمہ مسیحی''، مندرج ''روحانی خزائن'' جلد: ۲۰،ص: ۳۵۶ پر لکھتا ہے:

''جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزارہا کیڑے مکوڑے خودبخود پیدا ہوجاتے ہیں اور حضرت آدمؑ بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو پھر حضرت عیسیٰ کی اس پیدائش سے کوئی بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہونا بعض قویٰ سے محروم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔''

مرزا کا اِنکارِ حیاتِ عیسیٰ اور ان پر افضلیت کا دعویٰ

قرآن وسنت تو حیاتِ عیسیٰ کے بارے میں بار بار اعلان کر رہے ہیں اور اُمتِ مسلمہ کا ہر دور میں اس پر اِجماع رہا ہے، مگر مرزا قادیانی ہے جو اسے باطل عقیدہ قرار دے رہا ہے۔

وہ ''تحفہ گولڑویہ''، مندرج ''روحانی خزائن'' جلد: ۱۷ ص: ۹۴ میں لکھتا ہے:

''حضرت عیسیٰ کا ایک زندہ رسول ماننا یہی وہ جھوٹا عقیدہ ہے، جس کی

شامت کی وجہ سے کئی لاکھوں مسلمان اس زمانہ میں مرتد ہو چکے ہیں۔''

تامل کیجیئے! کہ اَوّلاً حضرت عیسیٰ کی عظمت کا قائل، پھر اپنے لئے مثیلِ مسیح ہونے کا مدعی، آخر ایک مرحلے میں ان کی شخصیت کو کس قدر بے رحمانہ اور ظالمانہ طور پر مجروح کرنے کی ناکام سعی کرتا ہے، اب وہ اس مرحلے میں داخل ہوتا ہے کہ وہ اپنی شخصیت کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عظمت کا اعلان کرے۔

مرزا غلام احمد ''چشمہ مسیحی'' مندرج ''روحانی خزائن'' جلد:۲۰، ص:۳۵۴ پر لکھتا ہے:

''میں عیسیٰ مسیح کی ہرگز ان اُمور میں اپنے پر کوئی زیادتی نہیں دیکھتا، یعنی جیسے اس پر خدا کا کلام نازل ہوا، ایسا ہی مجھ پر بھی ہوا، اور جیسی اس کی نسبت معجزات کیے جاتے ہیں میں یقینی طور پر ان معجزات کا مصداق اپنے نفس کو دیکھتا ہوں بلکہ ان سے زیادہ۔''

پھر وہ مرزا غلام احمد ''دافع البلاء'' ص:۲۰، روحانی خزائن ج:۱۸ ص:۲۴۰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت کا یوں اظہار کرتا ہے:

''ابنِ مریم کے ذِکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے!''

نیز ''دافع البلاء'' ص:۱۳، روحانی خزائن، جلد:۱۸، ص:۲۳۳ پر محرّر ہے:

''خدا نے اس اُمت میں مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے، اور اس نے اس دُوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔''

مرزا غلام احمد نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنی ذُرّیت کے لئے بھی وجوہ فضیلت بیان کرتا

چلا جاتا ہے، وہ ''تریاق القلوب'' ص:۹۸، روحانی خزائن ج:۱۵ ص:۲۱۷ میں لکھتا ہے:

''یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد (پنگوڑے) میں باتیں کیں، مگر اس لڑکے نے تو پیٹ ہی میں دو مرتبہ باتیں کیں، پھر ۱۴/جون ۱۸۹۹ء کو وہ پیدا ہوا۔''

پھر اسی ڈگر پر مرزا کی اولاد بھی چلی۔

مرزا بشیر احمد بن مرزا غلام احمد ''حقیقت النبوّۃ'' ص:۲۵۷ پر اپنے والد کی فضیلت میں یوں گوہر افشانی کرتا ہے:

''بعض اُولی العزم نبیوں سے آگے نکل گیا، چنانچہ خدا تعالیٰ نے مسیح ناصری جیسے اُولی العزم نبی پر اسے فضیلت دی۔''

مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ کے بارے اپنی آرا کے اظہار یا ان کی شخصیت کی تنقیص اور اپنی تعظیم میں اس قدر وسعت سے جی بھر کر لکھا، کہا، اور بیان کیا کہ بعض علماء نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ان کی حد سے تجاوز کرنے والے ...معاذ اللہ...! مغلظات اور لفظی دہشت گردی کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دے رکھا ہے۔ اس کے لئے مولانا نور محمدؒ ٹانڈروی کی ''مغلظاتِ مرزا'' اور حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی ''حیاتِ مسیح''، کا مطالعہ کرلیجئے۔

الغرض! اللہ کے نبیوں اور اُمتِ اسلامیہ کے مجدّدوں اور مصلحین کی نہ یہ زبان ہے اور نہ ہی ایسا اُسلوبِ بیان ہے، جو مرزا غلام احمد نے اختیار کیا، کیونکہ جملہ نبیوں اور رسولوں کی عظمت اور ان کی حقانیت پر اِیمان اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کا جزوِ ایمان ہے، ہماری حق تعالیٰ شانہٗ سے دُعا ہے کہ وہ جملہ انسانیت کو حق بات کو حق طور پر کہنے اور اسے قبول کرنے کی ہمت عطا فرمائے،

آمین!

غرض وغایت اوران کے حصول کا قادیانی طریق کار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں مرزا غلام احمد کے مذکورہ اُسلوبِ بیان سے اس کی غرض وغایت بعینہٖ وہی ہے جو اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ''نظریۂ بروز'' سے تھی کہ وہ لوگوں کو اپنی شخصیت کی طرف متوجہ کرے، پھر اس غرض کے حصول اور اس مقصد تک وصول کے لئے اس کی رَوِش یوں رہی کہ عظماء کی عظمت کا اعتراف کرے، پھر ان سے مماثلت کا مدعی ہو، پھر ان پر جرح وقدح کرے، پھر ان پر اپنی عظمت کے دعویٰ کرے۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان کی بابت مرزا غلام احمد کی تحریروں اور مکالمات کا دائرہ کچھ زیادہ ہی وسعت اختیار کر گیا کہ ان کی ذات مقدسہ سے اُمتِ مسلمہ کے مستقبل میں بہت سے امور وابستہ ہیں، جن کا ہم نے شروع میں ''خواصِ عیسیٰ'' کے عنوان سے ذِکر کر دیا ہے۔ مرزا صاحب اور اس کی اُمت کا مستقبل مسلمانوں کے ان عقائد کی موجودگی میں جو قرآن وسنت کی واضح تعلیمات اور اُمتِ مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہیں ہرگز روشن نہیں ہوسکتا۔ ہماری دُعا ہے کہ حق تعالیٰ قرآن وسنت کے نور سے جملہ انسانی قلوب کو منوّر کرے، انسانی افکار کو روشن فرمائے۔ انسانیت حق وصداقت سے مالا مال ہوکر دارین کی سعادت کی حقدار ٹھہرے۔ ہم ملتِ قادیانیت کے افراد کے لئے بھی اسی مخلصانہ دُعا پر اس مقالے کو ختم کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کے حق میں بھی درج بالا دُعا قبول فرمالے، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ، آمین!

خلاصۂ مبحث

۱-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعض خصوصیات۔

۲-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ عالی میں اوّلین طعن کرنے والے اور آخرین طعن کرنے والے۔

۳-مرزا غلام احمد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس کے تدریجی مراحل: اَوّلاً:-تعظیم کا اعتراف۔ ثانیاً:-مثیل ہونے کا دعویٰ۔ ثالثاً:-ان کی والدہ ماجدہ اور ان کی شخصیت میں طعن۔

۴-مرزا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اِنکار اور اِستہزا۔

۵-قرآن کی براءت اور مرزا کا حضرت مریم علیہا السلام پر اتہام۔

۶-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے والد کا اِثبات۔

۷-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت اور ان پر بداَخلاق ہونے کا اِلزام۔

۸-مرزا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور ان کی حیات کا اِنکار۔

۹-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مرزا کا مسلمانوں کے عقیدے کو جاہلانہ اور مشرکانہ عقیدہ کہنا۔

۱۰-مرزا کے اہداف اور مرزائی طریقۂ کار۔

نمبر ⑨ ازسلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

وحیٔ متلو: قرآنِ کریم
وحیٔ غیر متلو: احادیثِ رسول
اور
مرزا غلام احمد قادیانی کا اُسلوبِ تعامل

وحیٔ متلو (قرآنِ کریم) اور وحیٔ غیر متلو (احادیثِ رسول) کے ساتھ مرزا غلام احمد کا تعامل

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت، خاتم الاُمم اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ جس طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کے نبی ہیں، اسی طرح ان کی شریعت بھی عالمگیر اور قیامت تک کی انسانیت کی رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ خالقِ انسان ہی کی وضع کردہ شریعت ہے۔ اور خالق ہی اپنی مخلوق کے لئے نظام سازی کا حق رکھتا ہے۔ ہر صانع ہی اپنی صنعت کو چلانے کے طریقے یا سلیقے سے واقف ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' (الاعراف: ۵۴)

''اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی خالق ہے اور حکمرانی اسی کا حق ہے۔''

باری تعالیٰ نے اپنی وحی (جو اس کے وضع کردہ دستور کی نصوص سے عبارت ہے) جناب محمد رسول اللہ پر نازل فرمائی، انہوں نے ہی اپنے نبی کو قرآن اور اس کا بیان عطا فرمایا۔ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی طور پر قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھام لینے اور ان کی ہی طرف اپنے ہر معاملے میں رُجوع کرنے کا حکم اُمت کو دیا ہے۔ اِرشادِ نبوی ہے:

''میں نے تمہارے اندر اللہ کی کتاب اور اپنی سنت کو چھوڑا ہے،
اگر میرے بعد تم ان دو سے وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔''

اس ارشادِ نبوی میں اللہ کی کتاب اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہر دو کا اُمتِ محمدیہ کے ساتھ رہنا، دونوں میں پوری اُمت کی پورے طور پر رہنمائی کی قابلیت کا ہونا، دونوں کا تا قیامت اللہ کے حفظ وعنایت سے محفوظ و مامون رہنا، اس کی ضمانت بھی ہے۔

انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہوگا کہ اس میں وحی ربانی یعنی قرآن وسنت حضرت انسان کو یہ کہہ دیں کہ ہم تجھے الوداع کہتے ہیں۔ اب تو کسی اور کے حوالے۔ وحی کی رہنمائی میں آجانے کے بعد کسی انسان کو ہرگز ہرگز یہ تصور نہیں کرنا چاہئے کہ اب اس کا کوئی قائد اور راہنما نہیں ہے۔ اُمتِ مسلمہ تا قیامت قرآن وسنت کی معیت میں رہے گی۔

اللہ کا فضل وکرم اور عنایت دیکھیں کہ ایک وقت تھا جب الفاظ ونصوص کے خزینے صرف انسانی سینے تھے، حق تعالیٰ کی خصوصی عنایت سے قرآن وسنت انسانی صدور میں محفوظ رہے، پھر ان سینوں سے قرآن وسنت ہر قسم کی تحریف وتاویل سے پاک قرطاس وکاغذ کی زینت بنے۔ پھر اللہ کی قدرت ''یخلق مالا تعلمون'' وہ کچھ پیدا کروایا جسے تم نہیں جانتے تھے

قرآن کریم – وحیٔ متلو

قرآن اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے، وہ آخری آسمانی کتاب ہے، جس کا ہر ہر لفظ، قطعی ہے، جو محفوظ ہے۔

قرآنِ کریم کے نزول سے لے کر آج تک پوری انسانیت کو کھلے عام چیلنج دیا گیا کہ اگر تم اس بارے میں شک میں ہو کہ یہ خالق کی طرف سے نہیں تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ۔ تمام انس وجن مل کر باہمی معاونت سے بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ قرآن تو وحی متلو ہے جو پورے کا پورا

متواتر طور پر نقل ہوا ہے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہبطِ وحی ہیں، جن پر قرآن نازل ہوا۔ اور اس کا بیان بھی جوان پر نازل ہوا۔ ہر قسم کی تحریف، ہر قسم کی تبدیلی اور تغیر سے محفوظ، یہ تو وحی کی پہلی قسم ہے، جسے ''وحیٔ متلو'' یا ''قرآنِ حکیم'' کہا جاتا ہے۔

احادیثِ رسول–وحیٔ غیر متلو

وحی کی دوسری قسم غیر متلو ہے چاہے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک قول، آپ کا عمل یا آپ کی طرف سے کسی کے قول و عمل پر موافقت و رضا ہو۔ کیونکہ آپ وحی سے قول فرماتے ہیں، وحی کے تابع آپ کا عمل ہوتا ہے، اور وحی کے موافق آپ کی رضا و غضب ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا قول و عمل اور رضا و غضب بھی اپنی خواہش نفس کے تابع نہیں بلکہ شارع اور صاحب وحی کے تابع ہوتا ہے، اس لئے اسے بھی وحی کا درجہ دیا گیا۔ مگر دونوں وحیوں میں فرق یہ ہے کہ وحی غیر متلو بتمامہ قرآن کی طرح متواتر طور پر منقول نہیں ہے۔ وحیٔ غیر متلو جو تواتر سے منقول ہے، وہ تو متواتر ہے اور اس کے ماسوا مشہور یا آحاد ہے، مگر سب کی حجیت سے مؤمن کو انکار نہیں۔

نقل و حیین

قرآن و سنت کو تا قیامت اُمتِ مسلمہ کے تمام شعبہ جاتِ حیات میں مرجعیت حاصل رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی سنتِ حکیمہ یہ ہے کہ اس نے زمانۂ نزولِ وحی سے ہی دونوں وحیوں کے نقل و تحمل، ان کے الفاظ و نصوص اور ان کے مطالب و مدلولات اور مراد شارع کے تحفظ کا خصوصی اہتمام فرمایا اور اس کے اسباب کے طور پر ہر دور میں ایسے رجال کار کو مأمور و متعین فرما دیا اور نقل شریعت کا ایسا محکم سنہری سلسلہ قائم فرما دیا کہ ہر سابق کا حفظ و ضبط اور علم و عمل لاحقین کے لئے قابل اعتماد رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس دِین کا ہمیشہ ثقہ اور قابلِ اعتماد

رِجالِ کا تحمل کرتے رہیں گے۔‘‘

قرآن وسنت نے اپنے نزول سے دائمی طور پر تا قیامت پوری انسانیت کے ساتھ چلنا ہے تو حکمت ربانی اور سنت یزدانی ہے کہ قرآن کے الفاظ اور سنت کے نصوص اور ہر دو کے معانی ومطالب اور مراد کا تحفظ فرمایا گیا۔ اور یہ عجیب امر بھی واقعی حقیقت ہے کہ آغاز میں دونوں کا جمع وتحفظ بھی صرف سینوں میں رہا۔

وحی متلو قرآن نے اپنے نزول سے آج تک انسانیت کو چیلنج کیا، مگر کوئی آج تک اس جیسے کلمات نہ لا سکا۔ ہر دور میں اس کے حفاظ کی کثرت رہی کہ تمام ظاہری وسائل تحفظ ختم بھی ہو جائیں تو وہ تب بھی محفوظ و مامون رہے۔ پھر جمع وتدوین کا دور بھی آ گیا اور قرآن بھی یکجا جمع ہوا اور سنت، وحی غیر متلو کو بھی مدوّن کیا گیا۔ جس طرح جامعین قرآن نے اس کے حفاظ سے لیا، جامعین سنت نے بھی ایک ایک حدیث کو اس کی سند کے ساتھ قابل اعتماد اور ثقہ حفظ سے مدوّن فرمایا، تا کہ اسلام کے مصادر میں تشکیک پیدا کرنے والے اپنی کارروائی نہ کر سکیں۔ پھر بھی ایسے لوگ ہر دور میں پیدا ہوئے جو اہل دین اور شریعت کی آزمائش کا سبب بنے۔ ان میں سے بعض نے نصوص میں تشکیک پیدا کرنے کی ناکام سعی کی جبکہ بعض نے نصوص والفاظ کو تو قبول کیا مگر ان کے معانی ومراد کو نہ لیا۔ اس طرز عمل سے ایک طرف اہل حق کی استقامت اور دوسری طرف اہل انحراف کا امتحان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن ہی میں ان کے اس کردار کو الحاد فی آیات اللہ کہہ کر اس طرز تعامل کی مذمت فرمائی اور اہل حق نے نصوص کی مراد کے تحفظ پر پہرہ دیا۔ اس خاطر انہوں نے زبان سے، قلم سے، اپنے علم سے حتی کہ اپنے عمل اور مادی قوت سے بھی دین کا تحفظ کیا۔ اس کی تفصیل کا مع امثلہ ہمارے مقالہ ’’نصوص شریعت اور طرزِ تعامل‘‘ میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

دونوں وحیوں کا تحفظ ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت کی اس سنتِ ربانیہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ: ''اہل علم کا یہ گروہ دین کی اصلی شکل وصورت کو قائم رکھنے، اور اس کے منور چہرے کے حسن وجمال کی بقا کی خاطر ہمیشہ جدوجہد کرتا رہے گا، اور ہر غلو کرنے والے کی تحریف اور ہر باطل کی کج روی کی نشاندھی کرتے ہوئے دین کا تحفظ کرے گا۔'' پھر اس عظیم عمل کو سرانجام دینے والے اُمتِ مسلمہ کے آخری طبقے کے اہلِ علم کے اس عمل عظیم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اُمت کے اوّلین طبقہ اور افضل ترین گروہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ اجر میں شریک ہونے کی بشارت بھی دی ہے۔

کتاب وسنت کے ساتھ مرزا قادیانی کا تعامل

وحیین یعنی کتاب وسنت (وحیٔ متلو اور وحیٔ غیر متلو) ہر دو کے ساتھ مرزا غلام احمد کا معاملہ کیا رہا؟ ہم اپنے اس مقالے میں اسی طرف اشارہ کریں گے۔ مگر مناسب ہوگا کہ آغاز میں ہم دونوں وحیوں کے بارے مرزا غلام احمد کے سابقہ اقرارات واعترافات کا بھی ذکر کرلیں، تاکہ ان کی بعد والی تحریفات بنام تجدیدات کی حیثیت بھی خوب کھل کر سامنے آسکے۔ اور ان کا شرعی حکم بھی متعین ہوسکے کہ واقعی یہ تجدیدات نہیں، تحریفات ہیں، جن سے قبل اس کا اقرار نامہ یوں ہے، مرزا غلام احمد ''کتاب البریہ'' میں یوں اقرار کرتا ہے:

> ''ہم کتاب وسنت پر اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ صحابہ کرام کے اجماع سے سرمو انحراف نہیں کرتے، نہ اجماعی مسائل سے کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کے فرشتوں اور پوری خلقت کی لعنت کا موجب ہے۔''

پھر وہ خود ہی یوں انحراف کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' حاشیہ

صفحہ:۵۷اور ''تذکرہ''...جوان کی وحیوں اور اِلہامات کا مجموعہ ہے...کے حاشیہ صفحہ: ۷۴ پر اپنی وحی اور الہام کے الفاظ یوں نقل کرتا ہے:

''إنا أنزلناه قريبًا من القاديان ۔اس کی تفسیر یہ ہے کہ إنا أنزلناه قريبًا من دمشق بطرف شرقي عند المنارة البيضاء۔ کیونکہ اس عاجز کی سکونتی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے۔''

مرزا غلام احمد اور قادیانیت، جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی تشریع کو محال بتاتی ہے، اور آج بھی اپنے ذرائع ابلاغ پر کھلے طور پر وہ اعلان کرتے ہیں اور اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ قرآنِ محمد اور حدیثِ محمد کی پیروکار ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ نص ''إنا أنزلناه قريبًا من القاديان '' (ہم نے اسے قادیان کے قریب اُتارا)...معاذ اللہ...قرآنِ محمد کی کس سورت کے کس پارے کی کونسی آیت ہے؟

یقیناً اور ہرگز ہرگز یہ الفاظ وحیٔ محمدی، متلو ہو یا غیر متلو، قرآن مجید ہو یا حدیثِ نبوی شریف ان میں کہیں بھی اس کا وجود اور ثبوت نہیں۔ پھر اس نص مرزائی کی خود ہی مرزا غلام احمد یوں تفسیر کرتے ہیں کہ:

قادیان سے مراد ''دمشق'' ہے اور اس کی مشرقی جانب سے مراد میرا محلّہ ہے جو مشرقی سمت میں ہے۔ (تذکرہ ص: ۷۴)

سوال یہ ہے کہ کس تفسیر کی رُو سے دمشق، قادیان کی تفسیر بن سکتا ہے؟ اور کس لغت میں مشرقی سمت لفظ ''قریب'' کی تفسیر ہوسکتی ہے؟ غور کیجئے کہ وحیٔ محمدی (وحی جو شریعت ہے) اور مرزا کی وحی جو مخالف شریعت ہے کے مابین کوئی ربط نہیں۔ مرزا کی مذکورہ وحی تو کھلی دلیل ہے کہ ایسے صاحبِ وحی کا حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔

یہ کیا ماجرا ہے کہ مرزا غلام احمد باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحیٔ شریعت کے انکار کے بھی نئی نئی وحیاں اور اِلہامات پیش کرتا رہا۔ اس امر کی وضاحت بھی قادیانیت نے خود ہی کر دی ہے، مرزا غلام احمد کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد رقم طراز ہیں:

> ''ہم کہتے ہیں کہ قرآن کہاں موجود ہے؟ قرآن موجود ہوتا تو کسی کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ مشکل تو یہی ہے کہ قرآن دُنیا سے اُٹھ گیا ہے، اسی لئے تو ضرورت پیش آئی کہ محمد رسول اللہ کو بروزی طور بر دوبارہ دُنیا میں مبعوث کر کے آپ پر قرآن شریف اُتارا جائے۔''

(کلمۃ الفصل ص: ۱۷۳، از صاحبزادہ مرزا بشیر احمد ایم اے)

مرزا بشیر احمد کا یہ حوالہ درحقیقت اسلام اور قادیانیت کے مابین فیصلہ کن کلمہ ہے، گویا قادیانیت کا یقین و ایمان ہے کہ:

- ✡ قرآن موجود نہیں رہا، وہ اُٹھ گیا ہے۔
- ✡ اگر ہوتا تو کوئی (یعنی مرزا غلام احمد) نہ آتے، یعنی آنے والا حسبِ ضرورت آتا ہے۔
- ✡ آنے والا محمد رسول اللہ کا بروز بن کر آیا ہے۔
- ✡ آنے والے کا مقصدِ آمد قرآن شریف کا اُتارا جانا ہے۔

قرآن نہ ہونے سے مراد اگر الفاظ نہیں ہیں تو کوئی بشر اس کا قائل نہیں۔ جملہ بنی نوع بشر وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم سبھی قرآنِ کریم کے تواترِ لفظی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر قرآن کے عدم وجود سے مراد اس کے ان معنی و مفاہیم کی نفی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے تھے اور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، مفسرین، محدثین، فقہائے اسلام، مجدّدینِ اُمت کے واسطے

سے مسلسل سند کے ساتھ اُمت میں منتقل ہوتے رہے ہیں، وہ بھی اسی طرح موجود ہیں۔علمائے اسلام نے مرزا غلام احمد اور قادیانیت کو اس مذہب کے آغاز سے ہی یہ امر سمجھانے کی سعی کی ہے کہ جب قرآنی الفاظ اور قرآنی مفاہیم ومطالب موجود ہیں، تو اِیمان ان دونوں یعنی الفاظ کو اور شارع کی مراد کو ماننا ہے۔

شارع کے الفاظ کو ماننا اور شارع کی مراد کو رَدّ کر دینا، قرآن کی زبان میں اِلحاد فی آیات اللّٰہ ہے۔قادیانیت کو اپنے اس اُسلوب کو ترک کر کے الفاظِ شارع اور مرادِ شارع ہر دو کو اَپنا عقیدہ و ایمان بنانا ہوگا، ہر دو کو تسلیم کرنا ہوگا، ورنہ جسے مرادِ شارع منظور نہیں، اللّٰہ تعالیٰ کو اس کا اقرار بھی منظور نہیں۔

خیر ہم بات کر رہے ہیں کہ قادیانیت کا یہ قول کہ قرآن موجود نہیں، یہ قول باطل ہے، اس لئے کہ قرآن اپنے الفاظ میں بھی موجود ہے اور اپنے الفاظ کی مراد میں بھی موجود ہے۔ پھر قادیانیت نے اپنے اس مفروضے پر کہ قرآن موجود نہیں، دیگر اَحکام وضع کئے۔اگر قرآن موجود نہیں، تو اَب اسے وجود میں لانا ہے، اور اسے وجود میں لانے کے لئے کسی نئے کے آنے کی ضرورت ہے، اور وہ نیا آنے والا مرزا غلام احمد ہے، جو کہ بروزِ محمد ہے۔ یہ تھا قادیانی بے بنیاد مفروضہ، جس پر مرزا اپنی وحیاں وضع کرتا رہا، یا اس کی طرف وحی کرنے والا اسے وحیاں بھیجتا رہا۔

ہم کہتے ہیں کہ

اَوّلاً:–قرآن موجود ہے، وہ اپنے الفاظ میں بھی اور اپنے مفاہیم ومراد میں بھی موجود ہے، وہ ہرگز ہرگز اُٹھ نہیں گیا، وہ پوری قوت ورُوحانیت سے موجود ہے۔وہ کہیں گیا نہیں کہ اسے موجود کرنے کے لئے کسی کے آنے کی ضرورت پڑے۔ پھر یہ موجود قرآن جس ذاتِ اقدس پر

نازل ہوا، ان کی نبوّت تا قیامت باقی ہے۔ نہ انہوں نے، نہ ان پر نازل قرآن نے، ان کے ظل کی خبر دِی ہے، نہ سنت میں کہیں اس کا ذکر موجود ہے۔ نہ اس کے بروز کی اللہ تعالیٰ نے خبر دِی ہے، نہ اللہ کے رسول نے کوئی اشارہ فرمایا۔ لہٰذا ظل و بروز کے نام پر آنے والا قرآنِ محمد کو موجود کرنے نہیں آیا، بلکہ وہ کسی دیگر وحی و الہام کو قائم کرنے آیا ہے۔ اگر وہ قرآنِ محمد کو قائم کرنے آتا تو ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① ''(القدر) کی بجائے اس کی وحی ''إنا انزلناه قريبا من القاديان '' نہ ہوتی۔ اور ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② ''(البلد) کی جگہ '' قادیان محل نبی ہے'' نہ ہوتی۔ یقیناً مرزا غلام احمد ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨ '' (الحجر) کو ماننے کے بعد کبھی نہ کہتا کہ قرآن اُٹھ گیا ہے، یا قرآن موجود نہیں رہا۔ نیز جب اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ''(المائدۃ:۳) کہہ کر کسی دیگر وحی سے، اور: ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ '' (الاحزاب:۴۰) فرما کر کسی دیگر صاحبِ وحی سے مستغنی کر دیا...!

تو اَب کسی وحی کی بات کرنا، یا کسی آنے والے کا سوچنا، قرآن اور مہبطِ قرآن کا اِنکار ہے، کیونکہ تا قیامت تو اب صرف قرآن اور صاحبِ قرآن ہی کا زمانہ ہے کسی دیگر کا نہیں۔

یہاں تک تو ہم نے مرزا غلام احمد کی وحی ''إنا انزلناه قريبًا من القاديان '' پر بات کی ہے۔ اب قرآن کے بارے میں جسے مرزا غلام احمد موجود کرنا چاہتے ہیں، آیئے انہیں کی زبانی سنتے ہیں:

اُمتِ مسلمہ تو قرآن کو اللہ کا کلام کہتی ہے، مرزا غلام احمد کا نقطۂ نظر جاننے کے لئے ان کی کتاب ''تذکرہ'' (مجموعہ الہامات) کے صفحہ:۹۹ کا مطالعہ کریں، وہ لکھتے ہیں:

''قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔''

واقعی جب قرآن سے مراد مرزا غلام احمد کے منہ کی باتیں ہیں تو یہ واقعی، موجود نہیں تھا، جو مرزا غلام احمد کے آنے کے بعد ہی وجود میں آیا ہے۔ مسلم اُمت کو تو اس پر ایمان کے تناظر میں، نہ مرزا غلام احمد کی ضرورت تھی، نہ انہیں اس کا انتظار تھا، نہ اس کے قرآن کا۔ اسی لئے قرآنِ محمد کے ہوتے ہوئے اُمتِ مسلمہ نے مرزا غلام احمد، یا اس کی مخالفِ قرآن تعلیمات کو قبول نہ کیا۔

رہے وہ لوگ جنہیں مرزا غلام احمد کا انتظار تھا، یا جنہوں نے اسے قبول کیا، انہیں ہم دعوتِ تامل دیتے ہیں اور ان سے کچھ سوالات بھی کرتے ہیں کہ:

۱- جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائم اور باقی رہنے کے بعد انہیں کیونکر قرآنِ مرزا کی ضرورت پڑی؟

۲- خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی نبوّت عامہ کے بعد انہیں کیونکر کسی دیگر کی نبوّت کی حاجت ہوئی؟

۳- جب کسی مجددِ اُمت، کسی ملہم ومحدث، کسی صحابی وتابعی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ قرآن میرے منہ کی باتیں ہیں۔ تو ایسی جسارت کرنے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟

۴- مرزا غلام احمد کو بروزِ محمد ہونے کا دعویٰ ہے۔ اس دعویٰ کو کس قرآنی آیت یا کس حدیث کی تائید حاصل ہے؟

۵- پھر اصل کی وحی اور بروز کی وحی میں کوئی فرق ہوتا ہے؟

۶- دونوں کی وحی میں جب فرق ثابت ہو جائے تو مرزا غلام احمد کے بروز ہونے کا

دعویٰ خود بخود باطل ہوجاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد جس عظیم ہستی کے بروز ہونے کا مدعی ہے، وہ خود ہی ان کی اور اپنی وحی میں فرق کا بھی مدعی ہے۔یعنی خود ہی اپنے دعوے کا رَدّ کرنے والا بھی ہے۔

مرزا غلام احمد ''حقیقۃ الوحیٰ'' ص:۲۱۱ مندرجہ ''روحانی خزائن'' جلد:۲۲ ص:۲۲۰ میں رقم طراز ہے:

''میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان اِلہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا تعالیٰ کی دُوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہوں اس طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے، خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔''

(حقیقۃ الوحی ص:۲۱۱، روحانی خزائن ج:۲۲ص:۲۲۰)

یہ کھلا اعتراف ہے کہ قرآن شریف (وحی محمدی) اور الہامات مرزا دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ پھر وہ مثال سے اس فرق کو مزید اس طرح واضح کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں:

''میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا تعالیٰ کی دُوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہوں اس طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔''

پس یہ کھلا اعتراف ہے کہ اصل یعنی حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر الگ اللہ کا کلام نازل ہوا، اور مرزا غلام احمد جو ان کا بروز ہونے کا مدعی ہے، اس پر الگ کلام نازل ہوا، (وہ کس کا ہے) ہمیں اتنا بتانا ہے اب وہ کیسے بروزِ محمد رہا؟ اس طرح سے مرزا غلام احمد نے خود ہی اپنے نظریۂ بروز کو باطل ثابت کر دیا۔

پھر مرزا غلام احمد اس امر کی مزید تاکید کررہا ہے، وہ اپنی کتاب ''نزول مسیح''، ص:۹۹ مندرجہ ''روحانی خزائن'' ج:۱۸ ص:۴۷۷ میں اپنے فارسی منظوم میں قرآنِ محمد اور اس پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں لکھتا ہے:

''میری وحی قرآنِ کریم کی طرح ہر غلطی سے پاک ہے، میں حلفاً کہتا ہوں کہ وہ بھی کلامِ مجید ہے جو رَبّ کریم وحدہٗ سے نکلا ہے، میں اپنی وحی پر یقین میں عیسیٰ کے اپنی وحی پر اِیمان سے، موسیٰ کے تورات پر اِیمان سے، اور حضرت محمد کے قرآن پر اِیمان سے کم نہیں ہوں، ملعون ہے جو جھوٹ بولے۔''

کتنا ہی کھلا اعتراف ہے بزبان خود وحیٔ مرزا کے الگ ہونے کا کہ جس طرح ان رسولوں کا اپنی وحیوں پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن پر اِیمان ہے، میرا اپنی وحی پر اس سے کم پختہ ایمان نہیں ہے۔ تو یہ بھی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ مرزا بروزِ محمد نہیں ہے۔ جس طرح وہ بروزِ موسیٰ نہیں، جس طرح وہ بروزِ عیسیٰ نہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک اپنی وحی میں دُوسرے کا بروز نہیں، بلکہ ہر ایک اصلِ مستقل ہے۔ تو جب مرزا غلام احمد علانیہ اپنی وحی کو مستقل کلام اللہ گردانتا ہے تو کس طرح وہ بروزِ محمد ہوسکتا ہے؟ اس کا یہ موقف خود اس کے دعوے کی نفی ہے...!

قادیانیت کو دعوتِ تامل!

ہم اُمتِ قادیانیت کو دعوت تامل دیتے ہوئے یاددلاتے ہیں کہ ''تذکرہ'' قادیانی ادب میں وہ کتاب ہے، جس کے سرورق پر یہ عبارت ثبت ہے ''وحیٔ مقدس حضرت مسیح موعود علیہ السلام'' جب مرزا غلام احمد کا خود یہ دعویٰ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اور وہ ان کا ظل اور بروز، تو مرزا غلام احمد کی تصدیق کرنے والے اس کے ہر اُمتی کا بھی یہی عقیدہ ہے، اسی لئے تو وہ آنکھیں بند کرکے مرزا غلام احمد کی ہر وحی کو، ہر اِلہام کو، ہر کشف ورُؤیا کو مقدس جانتے

ہوئے قبول کرتے چلے جاتے ہیں، چاہے وہ وحیٔ محمدی، قرآنِ محمدی، حدیثِ محمدی کے کتنا ہی معارض ومخالف ہو۔ قادیانی ملت کے اس اُسلوب کی اصل رُوح ہی مرزا کا نظریۂ ظل وبروز ہے، جو ان کے ہاں اصل ایمان ہے، اور بقیہ سب اُمور اسی کے مضر اثرات ہیں۔

اس نقطۂ نظر کی وضاحت اور قادیانی حضرات کی خیر خواہی اور نصیحت کی خاطر اَب ہم چند معروضات برائے تامل پیش کرتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ہادیٔ برحق کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ ہر طالبِ حق قادیانی اگر بغور اس کا مطالعہ کرے گا تو آسانی سے سبیلِ ہدیٰ پالے گا، حق اس پر منکشف ہوجائے گا اور عقیدۂ بروز وظل کا غیر شرعی عقیدہ جو مرزا غلام احمد کے تمام دعووں کی بنیاد ہے، خود بخود اس کا بطلان بخوبی طور پر انہی کے بیانات کی روشنی میں معلوم ہوجائے گا۔

اوّلاً:- قادیانی ادب میں ''تذکرہ'' کا وجود ایک مُسلَّمہ حقیقت ہے، پھر اس کی حیثیت بھی ہر قادیانی کو معلوم ہے، ہر قادیانی پابند ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہ مرزا غلام احمد کی مقدس وحی ہے۔ علاوہ ازیں ہر مسلمان کا ایمان ہے اور ہر قادیانی بھی زبان سے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ قرآن مجید وہ وحیٔ مقدس ہے جو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ قادیانی حضرات جب دو الگ اور مستقل وحیوں کے وحیٔ ربانی ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان وحیوں کے مہبط (جن پر یہ وحییں نازل ہوئیں) دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ یہی عقیدۂ بروز کی نفی ہے، اور دونوں شخصیتوں کے متبائن (الگ الگ شخصیت) ہونے کا اقرار، اور عقیدۂ بروز کا اِبطال ہے۔ دُوسری وحی والا نہ پہلے کی عین ہوسکتا ہے، نہ اس کا ظل اور نہ ہی بروز ہوسکتا ہے، ورنہ دو وحیاں نہ ہوتیں۔ نہ ہی دُوسرا شخص الگ وحی کا مدعی ہوتا، نہ اس کی وحی پہلے سے الگ وحی ہوتی، نہ ''تذکرہ'' کا تذکرہ ہی ہوتا، نہ اسے وحیٔ مقدس کا نام دیا جاتا۔ ''تذکرہ'' مرزا غلام احمد کی وحی کا وجود ان کے عینِ محمد واحمد، ظلِ

محمد واحمد اور بروزِ محمد واحمد ہونے کی نفی ہے۔ اگر اصل و بروز کی ایک حیثیت ہوتی تو قادیانی دو وحیوں کا وجود نہ مانتے وہ وحیِ محمد پر اِکتفا کرتے، وہ قرآنِ محمد ہی کو کافی سمجھتے، انہیں ''تذکرہ'' کی حاجت پیش نہ آتی۔

ثانیاً:۔ ''تذکرہ'' کے محتویات بھی قابلِ تامل ہیں۔ قادیانی حضرات بنظرِ غائر یا بنظرِ قادیانیت اس کا مشاہدہ کرتے ہی ہیں، ''تذکرہ'' کے مندرجات تین طرح کے ہیں:

✡ یا تو اس میں وہی الفاظ وتراکیب ہیں جو وحیِ محمد میں موجود ہیں، اور مرزا نے دعویٰ کیا کہ وہ اس پر بھی نازل ہوئیں۔ مثال کے طور پر:

"إنا أعطيناك الكوثر......الخ۔"

(تذکرہ ص:۹۴)

"هو الذي أرسل رسوله بالهدىٰ..الخ۔"

(تذکرہ ص:۴۵،۳۶۶)

"وداعيًا إلى الله بإذنه......الخ۔"

(تذکرہ ص:۵۲)

"قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني...الخ۔"

(تذکرہ ص:۲۲۰،۲۲۱)

"وما أرسلناك إلاَّ رحمة للعالمين" (تذکرہ ص:۸۱)

وغیرہ وغیرہ۔

سب جانتے ہیں کہ یہ وحیِ محمدی ہے، مرزا غلام احمد نے اپنی طرف منسوب کرکے اوران آیات کا جو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہیں، خود کو مصداق بتاکر اِلحاد فی آیات اللہ کا اِرتکاب کیا ہے۔ اگر مرزا مدعی ہے کہ یہ مجھ پر نازل ہوئی ہیں تو پھر یہ تشریعی

وحی ہے، جو بقول مرزا اور قادیانیت بند ہوچکی ہے۔ اب پھر سے یہ کیسے شروع ہوگئی؟

پھر بھی اگر قادیانیت مصر ہے تو یہ بزعمِ خود اس بات کا اقرار ہوگیا کہ مرزا بروزِ محمد نہیں، نہ عینِ احمد ہے ورنہ اس کی وحی بھی وحیٔ محمد ہوتی، مگر بزعمِ مرزا غلام احمد یہ اس کی اپنی وحی ہے۔

✡ اب دُوسری قسم وہ الفاظ وتراکیب ہیں جو وحیٔ قرآن وسنت سے کاٹ کاٹ کر جوڑا ہوا کلام ہے۔ یہ بھی بذاتِ خود آیات میں تحریف اور پھر اس کے بروز ہونے کی نفی کررہی ہے۔ ورنہ اس کے بزعم، مرزا کی وحی اس شکل وصورت یا بناوٹ میں کیوں مختلف ہوتی؟

✡ تیسری قسم وہ ہے جس کے الفاظ ومفہوم مخالفِ قرآن ہیں، جیسے ''تذکرہ'' ص:۳۸۴ میں یہ وحی:

''یا أحمد! فاضت الرحمة علی شفتیك۔''

''اے احمد! رحمت تیرے ہونٹوں پر بہہ گئی۔''

اسی طرح ''تذکرہ'' میں ص:۲۴۲ میں یہ وحی:

''أنت مِنّی بمنزلة عرشي، أنت مِنّی بمنزلة ولدی۔''

''تم میرے لئے میرے عرش کی مانند ہو، تم میرے لئے میرے بیٹے کے مانند ہو۔''

''إنا إنزلناہ قریبًا من القادیان ۔''

''ہم نے اسے قادیان کے قریب اُتارا۔''

(تذکرہ ص:۷۴)

اور جیسے:

''آسمان سے کئی تخت اُترے، پر تیرا تخت سب سے اُوپر بچھایا گیا۔''

(تذکرہ ص: ۶۴۳)

یا جیسے:

''تم میرے لئے ایسے ہو جیسے میری توحید وتفرید۔''

(تذکرہ ص: ۶۶)

یا یہ کہ:

''مرزا غلام احمد، محمد ہے، احمد ہے، موسیٰ ہے۔''

(حقیقۃ الوحی تتمہ ص: ۶۷، روحانی خزائن ج: ۲۲ ص: ۵۰۲)

وغیرہ وغیرہ۔

کیونکہ قرآن میں تو قادیان کا کہیں ذِکر نہیں، نیز وحیٔ ربانی قرآن وحدیث میں مرزا غلام احمد کے تخت کا ذِکر ہے، نہ اس کے سب سے اُوپر ہونے کا، نہ ہی قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرزا کے تعلقِ تفرید وتوحید کا ذِکر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحیٔ ربانی کا نزول اور کسی بھی شخص کا اِدّعائے نبوّت، خلافِ شرع اُمور میں سے ہیں، جس کا اِرتکاب قادیانیت نے کیا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ ''تذکرہ'' کو وحیٔ مقدس کا نام دیا گیا، جبکہ وحیٔ مرزا غلام احمد کے مندرجات اور اس کی مخصوص قسم کی نبوّت باہم متناقض اُمور ہیں۔

''تذکرہ'' میں مندرج الفاظِ قرآن والی وحی، یہ قرآنی الفاظ میں سرقہ کا اِرتکاب ہے، جو شرعی طور پر حرام ہے۔ اگر ایسا نہیں بلکہ بزعمِ مرزا غلام احمد اس کی مستقل وحی ہے تو اس کا ظلیت وبروزیتِ محمد کا دعویٰ باطل ہے۔

''تذکرہ'' میں دُوسری قسم وحیٔ محمدی کے الفاظ کو جوڑ کر تیار کئے گئے جملے ہیں۔ یہ عمل

تحریف کا اِرتکاب ہے، جو شرعی جرم ہے۔ اور اگر وہ بزعمِ مرزا غلام احمد اس کی وحی کی شکل ہے تو پھر مرزا غلام احمد کا دعویٰ ظلیت و بروزیت باطل ہے کہ اس کی وحی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے علیحدہ ہے۔

''تذکرہ'' میں تیسری قسم کی وحی مرزا جو مخالفِ قرآن ہے کہ مرزا غلام احمد ''اُمتی نبی'' ہے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبعِ کامل اور خادمِ خاص ہے۔ اس کی نفی بھی کر رہی ہے اور ظل و بروز کی بھی نفی کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد کے معارض نبی ہونے کی دلیل ہے۔

یہاں تک تو ہم نے وحی متلو قرآنِ حکیم اور مرزا غلام احمد کی تجدیدات (تحریفات) کے بارے میں چند معروضات پیش کی ہیں۔ اب وحیٔ غیر متلو حدیثِ رسول اور مرزا غلام احمد کی تجدیدات (تحریفات) پر کچھ پیش کرتے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کے ہاں حدیثِ رسو ل اللہ اور مرزا غلام احمد کی تجدیدات (تحریفات)

اسلام میں قرآنِ کریم کے بعد مرجعیت حدیثِ رسول اللہ کو حاصل ہے۔ وہ اسلامی شریعت کا دُوسرا اَساسی مأخذ ہے۔ اُمتِ مسلمہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہوگا جس کا دِل حدیثِ رسول اللہ کی عظمت سے لبریز نہ ہو، جو اس کی حجیت کے بارے میں شک کرے، یا کسی دیگر کو تشکیک میں ڈالے۔ نیز اُمتِ مسلمہ میں آج تک کوئی ایسا فرد نہیں گزرا جو اپنے کلام کو کلامِ رسول کا درجہ دے۔

قادیانیت کے ہاں حدیثِ رسول کے معیار کی شرط!

مرزا غلام احمد قادیانی وہ شخص ہے جس نے پوری اُمت سے ہٹ کر حدیث کے بارے میں ایسا معیار مقرر کیا، جسے قادیانیت اس کی ''تجدیدات'' کا نام دیتی ہے، جبکہ اصل میں وہ مُسلّماتِ اُمت میں تحریف میں سے ہے کہ اس نے حدیثِ رسول کی مقبولیت کو اپنے یعنی مرزا

غلام احمد کے اِلہام سے موافقت کے ساتھ مشروط کردیا۔

وہ ''اعجازِ احمدی'' ص: ۳۰، ۳۱ مندرج روحانی خزائن ج: ۱۹ ص: ۱۴۰ پر رقم طراز ہے:

> ''تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دُوسری حدیثوں کو ہم رَدّی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔''

چونکہ مرزا کے معتقدات مخالفِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ مخالفِ حدیث بھی ہیں، اسی لئے اس کی اسی شرط نے بجائے مخالف حدیث عقائد کو پھینکنے کے ان احادیث رسول کو پھینکنے کا ضابطہ تیار کیا جو اس کے معتقدات کے مخالف ہیں، حالانکہ مرزا کا دعویٰ ہے کہ وہ اُمتی نبی، ظلی نبی اور بروزی نبی ہے۔ اُمتی ہونے کے ناطے اس کے اِلہامات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، بلکہ کسی اُمتی کے نظریات کی صحت و بطلان کا میزان قرآن وسنت ہیں، نہ کہ حدیث رسول کی صحت کا معیار کسی اُمتی کے نظریات ٹھہریں، اور کہا جائے کہ اگر حدیث فلاں شخص کے نظریات کے مخالف نہیں تو وہ حجت، ورنہ ردّی میں پھینکنے کے لائق؟ دراصل یہ مرزا غلام احمد کی خلافِ شرع منطق تجدید (تحریف) ہے جو اَبنائے قادیانیت کے لئے دعوتِ فکر و تامل ہے۔

قادیانی حضرات کو چاہئے کہ وہ بھی اُمتِ مسلمہ کی طرح قرآن وسنت کی تعلیمات اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے سلف وخلف کے مابین اس اجماعی ضابطے کی رعایت کرتے ہوئے مرزا غلام احمد کے نظریات کو کتاب وسنت پر پیش کریں، پھر ان کے قرآن وسنت کے مخالف ہونے کی بنا پر اُنہیں رَدّ کردیں۔ یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کی ہدایات کی حسن تطبیق ہے۔ یہی حق پر اِستقامت اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا

موجب اور سعادت دارین کا ضامن ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۱'' (الحجرات)

''اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کی بات پر کسی کو مقدم نہ رکھو، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، یقیناً وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔''

نیز اِرشادِ ربانی ہے:

''وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ'' (الحشر:۷)

''اور تمہیں جو کچھ رسول... صلی اللہ علیہ وسلم ...عطا کریں لے لو! اور جس سے وہ تمہیں باز کریں، رُک جاؤ!''

قادیانیت کے ہاں حدیثِ رسول کو مرزا غلام احمد کے مخالف نہ ہونے کے ساتھ مشروط کرنا قرآن وسنت کی تعلیمات کی کھلی مخالفت ہے۔ پھر قادیانیت نے اس باب میں مزید مرزا غلام احمد کو کیا مقام ومنصب دیا ہے؟ اسے مرزا بشیر احمد ابن مرزا غلام احمد کی زبانی سنئے:

''قرآنِ کریم اور اِلہاماتِ مسیحِ موعود دونوں خدا تعالیٰ کے کلام ہیں، دونوں میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے مقدم رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حدیث تو بیسیوں راویوں کے پھیروں سے ہمیں ملی ہے، اور اِلہام براہِ راست، اس لئے مرزا صاحب کا اِلہام مقدم ہے، نہ اس لئے کہ وہ رسول اللہ کے قول سے معتبر ہے، بلکہ اس لئے کہ اس کے راویوں سے معتبر ہیں، مسیحِ موعود سے جو باتیں ہم نے سنی ہیں وہ حدیث کی روایت سے معتبر ہیں، کیونکہ حدیث ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نہیں سنی، سچی حدیث اور مسیحِ موعود کا قول

مخالف نہیں ہوسکتے۔‘‘

مرزا بشیر احمد کے اس بیان میں مندرجہ ذیل اُمور کا بیان ہے:

۱-قرآن مرزا کے کلام سے مقدم نہیں۔

۲-حدیث کے راویوں سے مرزا کے قول کے ناقلین معتبر ہیں۔

۳- چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اَبنائے ملتِ قادیانیت کے درمیان راویوں کے واسطے ہیں، لہٰذا مرزا کا کلام زیادہ قابلِ اعتبار ہے حدیثِ رسول سے۔

جبکہ حق یہ ہے کہ اللہ اور رسول کا کلام ہر دیگر کے کلام سے مقدم ہے۔ کلام اللہ وحیٔ متلو اور کلامِ رسول اللہ وحیٔ غیر متلو، ہر دو وحیٔ محمد یہ کی دونوں قسمیں وحیٔ متلو (قرآن مجید) اور وحیٔ غیر متلو (احادیثِ رسول) دونوں مقدس وحی ہیں، جو سراسر حق ہی حق ہیں، نور ہی نور ہیں، جن کے مخالف کسی دیگر کا کوئی اِلہام یا وحی ہرگز ہرگز مقدس یا معتبر نہیں ہوسکتا۔

ہماری مخلصانہ دعوت

ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانیت کو عموماً اور ابنائے ملتِ قادیانیت کو خصوصاً ان باطل تعلیمات کے شر سے محفوظ فرمائے۔ انہیں قرآن وسنت کی حقیقی عظمت سے آشنائی عطا فرمائے اور ان کی نورانیت اور رُوحانیت سے مستفید فرمائے، کیونکہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ’’تم میرے بعد اگر قرآن وسنت سے وابستہ رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔‘‘

خلاصۂ مبحث

ہم نے مرزا غلام احمد یا قادیانیت کی ان دو وحیوں کے بارے جو اقوال پیش کئے ہیں، ان کا خلاصہ حاضرِ خدمت ہے کہ قادیانیت کے نزدیک:

۱-قرآن موجود نہ رہا تو کسی موجود کرنے والے کی ضرورت پیش آ گئی۔

۲- وہ شخصیت مرزا غلام احمد قادیانی کی ہے جس کی منہ کی باتیں قرآنِ کریم ہیں۔

۳-قرآنِ کریم اور اِلہاماتِ مرزا، اللہ کا کلام ہیں۔

۴-قرآنِ کریم اِلہاماتِ مرزا پر مقدم نہیں۔

۵- احادیثِ رسول اور ہمارے درمیان راویوں کے واسطے ہیں، جبکہ مرزا غلام احمد اور اس کے اقوال اور ان کے راویوں کے درمیان ایسے راوی نہیں، لہٰذا وہ زیادہ معتبر۔

۶- جو حدیث مرزا غلام احمد کے اِلہام کے مخالف ہو، وہ ردّی میں پھینکنے کے لائق ہے۔

✡✡✡

نمبر ⑩ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

حضراتِ صحابہ کرام واُمہات المؤمنین

(رضوان اللہ علیہم اجمعین)

اور

تجدیداتِ مرزا

یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی صحابہ کرامؓ واُمہات المؤمنینؓ کے بارے میں تحریفات

اسلام اور اُمتِ مسلمہ میں صحابہ کرامؓ کا مقام اور قادیانی تجدیدات

پوری اُمتِ مسلمہ کا اس پر اِجماع ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سیّدالرسل حضرت خاتم النّبیین کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام مخلوقات میں افضل ہیں، جن کی فضیلت میں قرآنِ حکیم میں آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں۔ ان کے قلوب کے ایمان سے مزین ہونے اور ان کے دِلوں کے کفر وفسوق اور نافرمانی سے طاہر ومطہر ہونے کا اعلان خود رحمٰن نے قرآن میں فرمایا۔

علام الغیوب نے صحابہ کرامؓ کے رُشد وہدایت پر اِستقامت اور اللہ کی طرف سے تقویٰ کے ہر حال میں ان کے ساتھ چسپاں رہنے کی بھی خبر دِی۔ قرآنِ حکیم میں شارع نے انہیں معیارِ اِیمان قرار دِیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سنت کو اپنی سنت قرار دیا۔ صحابہ کرامؓ اس اُمت میں ہدایت کے ستارے ہیں، ان کی عظمت ومحبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت کی علامت اور ان سے بغض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بغض سے تعبیر فرمایا۔

صحابہ کرامؓ کے تشریعی مقام کو ہم نے اپنے مقالہ ''الدین'' میں مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ عہدِ اَوّل سے اُمتِ مسلمہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اس عقیدے پر قائم ہے۔ علمائے عقیدہ نے بھی تصریح کی ہے کہ صراطِ مستقیم پر صرف وہی لوگ ہیں جو صحابہ کرامؓ کا ذِکرِ خیر کریں اور جس نے اس کے علاوہ ان کا ذِکر کیا وہ سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔

لہٰذا اُمتِ مسلمہ حضراتِ صحابہ کرامؓ اور اُمہات المؤمنینؓ کے بارے میں گہری عقیدت رکھتی ہے، وہ ان کا ہمیشہ ذِکرِ خیر کرتی ہے، حتیٰ کہ وہ ان کے مابین ہونے والے خلافات میں بھی اپنی زبان دراز نہیں کرتی۔

صحابہ کرامؓ کو شارع کی طرف سے جو شرعی تحفظ اور مخصوص القاب حاصل ہیں، مسلمان اُمت انہیں، انہیں کا خاصہ جانتے ہیں۔

مقامِ صحابہؓ کے متعلق قادیانی جسارت!

دُوسری طرف مرزا غلام احمد قادیانی، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے شرعی حدود سے کھلے طور پر تجاوز کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ اسی امر کا مطالعہ ہم اس مقالے میں کریں گے۔

قادیانیت ان القاب کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، ان کے اَصحابِ کرامؓ اور اُمہاتُ المؤمنینؓ کے ساتھ خاص تھے، انہیں مرزا اور اس کی بیوی کے لئے استعمال کرنے کی جسارت کی، اور جو اَلقاب اَصحابِ رسول...رضوان اللہ علیہم اجمعین...کے لئے خاص تھے، انہیں کھلے طور پر اپنی کتب میں، اپنے بیانات اور اپنے میڈیا پر مرزا غلام احمد قادیانی کے رُفقاء کے لئے استعمال کرتی ہے۔ وہ مرزا غلام احمد کو ''علیہ السلام''، مرزا کی بیوی کو ''اُمّ المؤمنین'' اور اس کے ساتھیوں کو ''رضی اللہ عنہم'' کہتے ہیں۔ (۱)

اگر کوئی طعن کرے تو کہتے ہیں کہ یہ تو ہم لغوی اعتبار سے کہتے ہیں، جیسے کہ خود مرزا کو جب کسی نے کہا کہ آپ کیسے نبی ہیں؟ جبکہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو کوئی نبی

---

(۱) ملفوظات احمدیہ ج:۲ ص ۳۶۳

نہیں آسکتا۔ تو اس نے کہا کہ: ''میں لغوی طور پر نبی ہوں۔ یعنی خبر دینے والا کے معنی میں۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص:۴، روحانی خزائن ج:۱۸ ص:۲۰۸)

قادیانیت کے اُمتِ مسلمہ کے افضل ترین عظیم رجال، اَصحابِ رسول کی جگہ مرزائی شخصیات کو دینے کا انداز ملاحظہ فرمائیے۔

صدیقِ اکبرؓ اور قادیانیت

اُمتِ مسلمہ میں ''صدیقِ اکبر'' حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ اَوّل، امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہا جاتا ہے، جو بالاتفاق اُمتِ مسلمہ کے افضل ترین فرد ہیں، مگر مرزا غلام احمد ان پر اپنی فضیلت کا اظہار یوں کرتا ہے:

وہ ''مجموعۂ اشتہارات'' کے ج:۳ صفحہ:۲۷۸ پر لکھتا ہے:

''میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ حضرت ابوبکرؓ کے درجہ پر ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: ابوبکرؓ کیا وہ تو بعض انبیاء سے بہتر ہے۔''

ابوبکرؓ و عمرؓ اور قادیانیت

قادیانیت، خلیفۂ اَوّل حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں نہ صرف مرزا کی فضیلت کا عقیدہ رکھتی ہے، بلکہ انہیں...معاذ اللہ...اس لائق بھی نہیں سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے جوتے کا تسمہ کھولیں۔

قادیانیت کے ''رسالۂ المہدی'' جنوری اور فروری ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں ہے:

''ابوبکرؓ و عمرؓ کیا تھے وہ تو حضرت مسیحِ موعود کی جوتیوں کے تسمہ کھولنے کے بھی لائق نہ تھے۔'' (معاذ اللہ)

مرزا غلام احمد کا خلیفۂ اَوّل قادیانیت کے نزدیک

قادیانیت نے حکیم نورالدین خلیفۂ اَوّل مرزا غلام احمد قادیانی کو قادیانی اُمت کا ابوبکر قرار دِیا۔

''سیرۃ المہدی'' ج:۳ ص:۲۷۷ پر مرزا غلام احمد قادیانی کا فرزند مرزا بشیر احمد رقم طراز ہے:

> ''خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھ سے ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم صاحبہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت صاحب آخری سفر میں لاہور تشریف لے جانے لگے تو آپ نے ان سے کہا کہ مجھے ایک کام درپیش ہے، دُعا کرو، اور اگر کوئی خواب آئے تو مجھے بتانا۔ مبارکہ بیگم نے خواب دیکھا کہ وہ چوبارہ پر گئی ہیں اور وہاں حضرت مولوی نورالدین صاحب ایک کتاب لئے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! اس کتاب میں میرے متعلق حضرت صاحب کے اِلہامات ہیں، اور میں ابوبکر ہوں۔ اور دُوسرے دن مبارکہ بیگم سے حضرت صاحب نے پوچھا کہ کیا کوئی خواب دیکھا ہے؟ مبارکہ بیگم نے یہ خواب سنائی تو حضرت صاحب نے فرمایا: یہ خواب اپنی اماں کو نہ سنانا۔ مبارکہ بیگم کہتی ہیں کہ اس وقت میں نہیں سمجھتی تھی کہ اس سے کیا مراد ہے۔''

مرزا غلام احمد کا حضرت علیؓ سے افضلیت کا دعویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی خلافت کو اِسلام کے خلیفۂ رابع حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا سے افضل گردانتا ہے۔

''ملفوظاتِ احمدیہ'' ج:۲ ص:۱۴۲ پر رقم طراز ہے:

''پُرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو، اب نئی خلافت لو! ایک زندہ علی تم میں موجود ہے، اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ علیؓ کی تلاش کرتے ہو۔''

مرزا غلام احمد کا حضرت اِمام حسینؓ سے افضلیت کا دعویٰ

قادیانیت کا مرزا غلام احمد تو نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہے۔

اُمتِ مسلمہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی روشنی میں اہلِ جنت کے نوجوانوں کا سردار مانتی ہے۔ ان کی عظمت اور ان کے ساتھ عقیدت سے تمام مسلمانوں کے قلوب لبریز ہیں، اور کیوں نہ ہوں؟ وہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، حضرت علی المرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء کے فرزندِار جمند ہیں۔ مگر مرزا غلام احمد اپنی کتاب ''اعجاز احمدی'' کے صفحہ: ۶۹ مندرجہ روحانی خزائن ج: ۱۹ ص: ۱۸۱ میں لکھتا ہے:

''اور مجھ میں اور تمہارے حسینؓ میں بہت فرق ہے، کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے۔''

مرزا غلام احمد اپنی کتاب ''نزول المسیح''، میں اپنے عربی منظوم میں کہتا ہے:

قالوا قد فضل الحسين نفسه
أقول نعم واللّٰه ربي سيظهر

ترجمہ:- ''اور انہوں نے کہا کہ: اس شخص نے خود کو حسین پر فضیلت دی۔ میں کہتا ہوں کہ: ہاں! واللہ میرا رَبّ اس کو ظاہر کرے گا۔''

(اعجاز احمدی ص: ۵۲، روحانی خزائن ج: ۱۹ ص: ۱۶۴)

مرزا کا دعویٰ ۱۰۰ حسین میری جیب میں ہیں

مرزا اپنے فارسی منظوم میں کہتا ہے:

کربلا است سیر ہر انم
صد حسین است در گریبانم

ترجمہ: ''میں ہمہ وقت کربلا میں سیر کرتا ہوں، اور سو حسین میری جیب میں ہیں۔'' (نزول المسیح ص:۹۹ روحانی خزائن ج:۱۸ ص:۴۷۷)

مرزا بشیر الدین ابن مرزا غلام احمد کا یہ بیان مجلّہ ''فضل'' عدد نمبر:۸۰ شمارہ برائے جنوری ۱۹۲۶ء میں درج ہے:

''میرے گریبان میں سو حسین ہیں، لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں حضرت مسیحِ موعود نے فرمایا ہے: میں سو حسین کے برابر ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں: اس سے بڑھ کر اس کا یہ مفہوم ہے کہ سو حسین کی قربانی کے برابر میری ہر گھڑی کی قربانی ہے، وہ شخص جو اہلِ دُنیا کے فکروں میں گھلا جاتا ہے، جو ایسے وقت میں کھڑا ہوتا ہے جب کہ ہر طرف تاریکی اور ظلمت پھیلی ہوئی ہے اور اسلام کا نام مٹ رہا ہے، وہ دن رات دُنیا کا غم کھاتا ہو، اسلام کو قائم کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی قربانی سو حسین کے برابر نہ تھی؟ پس یہ تو ادنیٰ سوال ہے کہ حضرت مسیحِ موعود اِمام حسینؓ کے برابر تھے یا ادنیٰ؟ حضرت امام حسین ولی تھے، مگر ان کو وہ غم اور صدمہ کس طرح پہنچ سکتا تھا جو اِسلام کو مٹتا دیکھ کر حضرت مسیحِ موعود کو ہوا؟ حضرت امام حسین ایسے وقت ہوئے جب لاکھوں اولیاء موجود تھے، اسلام اپنی شان وشوکت میں تھا، ایسی حالت میں ان کو وہ غم کہاں ہوسکتا تھا؟ جو

اس شخص کو ہوا، جو ایسے حالات میں مبعوث ہوا جن حالات میں خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت رسول کریمؐ کی شہادت سے بڑی تھی؟ نہیں، اس لئے کہ جو تکلیف آپ کو اِسلام کے لئے اُٹھانی پڑی وہ حضرت امام حسینؓ کو نہیں اُٹھانی پڑی۔ اسی طرح حضرت مسیحِ موعود کی شہادت بھی بہت بڑی ہوئی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے گھر پر رہے، پھر کس طرح امام حسین سے بڑھ گئے؟ میں کہتا ہوں کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح فوت ہوئے جس طرح امام حسین فوت ہوئے؟ نہیں، مگر کوئی ہے جو کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی امام حسین کی قربانی سے کم تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سکینڈ کی قربانی حضرت امام حسینؓ کی ساری عمر کی قربانی سے بڑی تھی۔ پس جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی بڑی تھی، اس طرح وہ شخص جو انہی حالات میں کھڑا ہوگا جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، اس کی قربانی بھی بہت بڑھ کر ہوگی، اسی لئے حضرت مسیح موعود نے کہا:

کربلا است سیر ہر انم
صد حسین است در گریبانم

کہ مجھ پہ تو ہر لمحہ سوسو کربلا کی مصیبتیں گزرتی ہیں، اور میں تو ہر گھڑی کربلا کی سیر کرر ہاہوں۔“

باپ...یعنی مرزا غلام احمد قادیانی...نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضلیت کا دعویٰ کیا، تو بیٹا، باپ کے دعوے پر اِستدلال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے حضرت حسینؓ سے افضل تھے، اسی طرح مرزا غلام احمد بھی ان سے افضل ہے۔

غور کریں کہ یہ اثر ہے اس خطرناک نظریۂ بروز کا کہ مرزا مدعی ہے کہ وہ ظل و بروزِ محمد ہے، لہٰذا ہر وہ فضیلت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے لئے ہے، مرزا غلام احمد قادیانی بھی اس کا پورے طور پر مستحق ہے۔ہم نے اپنے مقالہ ''ظل و بروز'' میں اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت حسین ہر دو سے افضلیت کا دعویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی، عیسائیوں اور شیعہ حضرات سے اکٹھے مخاطب ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے کا اعلان کرتا ہے، وہ ''دافع البلاء'' صفحہ:۱۷ مندرجہ ''روحانی خزائن'' ج:۱۸ ص:۲۳۳ پر رقم طراز ہے:

> ''اے عیسائی مشنریو! اب ربنا المسیح مت کہو۔ اور دیکھو کہ آج تم میں ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے۔ اور اے قومِ شیعہ! اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا منجی ہے، کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے کہ اس حسین سے بڑھ کر ہے۔''

مرزا کی بیوی ''اُمّ المؤمنین''

مرزا غلام احمد نے ''اُمّ المؤمنین'' کا لقب، جو اہلِ اسلام کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواجِ مطہراتؓ کے لئے بنصِ قرآن مخصوص ہے، اسے اپنی بیوی کے لئے کس طرح ثابت کیا؟ ملاحظہ کیجئے!

''ملفوظات احمدیہ'' ج:۲ ص:۳۶۳ پر ہے:

> ''اُمّ المومنین'' کا لفظ جو مسیحِ موعود کی بیوی کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے، اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں، حضرت اقدس نے سن کر فرمایا:

''اعتراض کرنے والے بہت کم غور کرتے ہیں، اور اس قسم کے اعتراض صاف بتاتے ہیں کہ وہ محض کینہ اور حسد کی بناء پر کئے جاتے ہیں، ورنہ نبیوں یا ان کے اظلال کی بیویاں اگر اُمہات المومنین نہیں ہوتی تو کیا ہوتی ہیں؟ خداتعالیٰ کی سنت اور قانونِ قدرت کے اس تعامل سے بھی پتہ لگتا ہے کہ کبھی کسی نبی کی بیوی سے کسی نے شادی نہیں کی، ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے جو اعتراض کرتے ہیں کہ اُمّ المومنین کیوں کہتے ہو؟ پوچھنا چاہیے کہ تم بتاؤ! جو مسیحِ موعود تمہارے ذہن میں ہے اور جسے تم سمجھتے ہو کہ وہ آ کر نکاح بھی کرے گا، کیا اس کی بیوی کو تم اُمّ المومنین کہو گے یا نہیں؟''

گویا مرزا غلام احمد نے صراحت کردی کہ چونکہ وہ ظلِ محمد ہے، لہٰذا وہ اور اس کے متعلقین ہر اس لقب کے مستحق ہیں جس کا حق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متعلقین کو تھا۔

مرزا نے اسی نظریے کے تحت اپنے صحابہ کی تعداد میں ۳۱۳ کی فہرست تیار کی۔ ابن المرزا ''سیرۃ المہدی'' ج:۳ ص:۱۲۸ پر رقم طراز ہے:

''میاں امام دین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیحِ موعود نے تین سو تیرہ اصحاب کی فہرست تیار کی تو بعض دوستوں نے خطوط لکھے کہ حضور ہمارا نام بھی اس فہرست میں درج کیا جائے۔ یہ دیکھ کر ہم کو بھی خیال پیدا ہوا کہ حضور سے دریافت کریں کہ آیا ہمارا نام درج ہو گیا یا کہ نہیں؟ تب ہم تینوں برادران مع منشی عبدالعزیز صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا، اس پر حضور نے فرمایا کہ میں نے آپ کے نام پہلے ہی درج کئے ہوئے ہیں، مگر ہمارے ناموں کے آگے ''مع اہل بیت'' کے الفاظ

بھی زائد کئے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ فہرست حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے ۱۸۹۶ء-۱۸۹۷ء میں تیار کی تھی اور اسے ضمیمہ انجام آتھم میں درج کیا تھا۔ احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بھی ایک دفعہ اسی طرح اپنے اصحاب کی ایک فہرست تیار کروائی تھی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ تین سو تیرہ کا عدد اصحابِ بدر کی نسبت سے چنا گیا تھا، کیونکہ ایک حدیث میں ذِکر آیا ہے کہ مہدی کے ساتھ اصحابِ بدر کی تعداد کے مطابق ۳۱۳ اصحاب ہوں گے، جن کے اسماء ایک مطبوعہ کتاب میں درج ہوں گے۔''

مذکورہ قادیانی حوالہ جات میں بیان کردہ معتقدات سے ابنائے ملتِ قادیانیت واقف ہیں یا نہیں؟ بہرحال یہ مرزائی ادب کا حصہ ہیں، جس سے انہیں مفر نہیں...!

قادیانیت کو دعوتِ تامل

ہم ابنائے ملتِ قادیانیت کے تامل اور ابنائے ملتِ اسلامیہ کی تنبیہ کے لئے عرض کرتے ہیں کہ ظل و بروز اور مثیل کے غیر شرعی نظریہ کے تحت ہی مرزا غلام احمد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ خصوصیات کو ہر میدان میں اپنے لئے اختیار کرنے کی ناکام سعی کرتا رہا۔

اس نے اپنی بیوی کے لئے ''اُمّ المؤمنین'' کا لقب روا رکھا، جبکہ حق یہ ہے کہ اس نظریے کا اسلام یا کسی دیگر آسمانی مذہب میں کوئی وجود ہی نہیں، نہ کسی مہذب معاشرے میں اس کو مانا جاتا ہے۔ لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کا حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص وخصوصیات کو اپنے لئے روا رکھنا بھی باطل ہے کہ باطل پر قائم ہونے والا ہر اَمر باطل ہوتا ہے۔ لہٰذا شرعی طور پر نہ ان کی زوجہ ''اُمّ المؤمنین'' کے لقب کی مستحق ہیں، نہ ان کے رُفقاء ''رضی اللہ عنہ'' کے القاب کے شرعاً مستحق ہیں، کیونکہ خود مرزا غلام احمد برو زِ محمد نہیں ہیں۔

ہماری دُعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ انسانیت کو عموماً اور ابنائے ملتِ قادیانیت کو خصوصاً اس قسم کی باطل تعلیمات سے محفوظ فرمائے، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیمات اور ان کی حقیقی عظمت سے آشنائی عطا فرمائے، اور ان کی نورانیت اور رُوحانیت سے مستفید فرمائے، کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: ''تم میرے بعد اگر قرآن وسنت سے وابستہ رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے!''

خلاصۂ مبحث

۱- اسلام میں اصحابِ رسولؐ کا مقام نصوصِ کتاب وسنت میں متعین۔

۲- خلیفۂ اَوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو پوری اُمت میں بالتحقیق افضل ہیں، قادیانیت مرزا کے لئے ان پر فضلیت کی مدعی ہے۔

۳- مرزا کے خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے مشابہ ہونے کے مدعی۔

۴- قادیانیت کے عظماء خلفاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور نواسۂ رسول سے افضلیت کے مدعی۔

۵- قادیانیت کا اپنے غیر شرعی ظل وبروز کی بنیاد پر خصوصیاتِ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اَزواجِ مطہراتؓ کو اپنے لئے روا رکھنا۔

۶- باطل پر مبنی امر بھی باطل ہی ہوتا ہے۔

✡✡✡

نمبر ⑪ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

علمائے اسلام کا
اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ
ایمان کے ہاں مقام
اور
مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیت کی رَوِش

علمائے اسلام کا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے ہاں مقام اور قادیانی رَوِش

حق تعالیٰ شانہ نے اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ولاء اور وابستگی کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان سے ولاء اور وابستگی کی بھی تعلیم دی ہے۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان فطرتی طور پر محض اپنی ذات میں منعزل ومنفرد نہیں رہتا بلکہ اپنی ذات سے نکل کر وہ دیگر اہلِ عظمت کی ذوات سے وابستگی میں فکری راحت محسوس کرتا ہے۔ ولایت و وابستگی کے باب میں اللہ نے بندوں کو حسن اختیار کا پابند بنایا ہے۔ بُری صحبت اور بُرے لوگوں سے وابستگی سے قرآن وسنت میں شدّت سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی نہی والی آیات کثرت سے موجود ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان کو صحبتِ صادقین، ولاءِ مؤمنین اور اِیمان وتقویٰ کی بنیادوں پر باہمی وابستگی اُستوار کرنے کے اَوامر بھی موجود ہیں۔ ایسا نہ کرنے پر وعید والی نصوص بھی وارِد ہیں۔ اِرشادِ ربانی ہے:

''يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ''

(الممتحنۃ:۱۳)

''اے ایمان والو! اللہ کے مغضوب علیہ بندوں سے ولاء اور وابستگی اُستوار نہ کرنا۔''

نیز فرمایا:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ .... وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ'' (المائدۃ:۵۱)

''اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ سے ولاء نہ رکھو......اور جو کوئی ان سے وابستگی رکھے گا وہ انہیں میں شمار کیا جائے گا۔''

اس طرح کے بہت سارے اِرشادات کتاب وسنت میں موجود ہیں، جن میں کفار کی ولاء سے منع کیا گیا ہے۔ نیز قرآن نے ولاء، موالات اور وابستگی میں ایمان کی بنیاد پر تعلقات قائم کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

''وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۵۶'' (المائدۃ)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین سے ولاء رکھے، سو یقیناً اللہ ہی کی جماعت غالب ہونے والی ہیں۔''

عموم اہلِ ایمان اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ولاء کے بعد اہلِ علم، جو انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، ان سے ولاء اور وابستگی قائم رکھے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا'' (فاطر:۲۸)

''اللہ کے بندوں میں سے علماء، اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

اللہ کا تقویٰ وہ خصلتِ حمیدہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علماء کا وصف بتایا ہے۔ نیز اِرشادِ ربانی ہے:

''يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ''

(المجادلۃ:۱۱)

''اللہ اہلِ ایمان کو سربلند کرتے ہیں اور اہلِ علم کے لئے درجات ہیں۔''

علماء کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مقامِ رفعت عطا فرمایا ہے، وہ اس اُمتِ مسلمہ کا افضل ترین طبقہ ہیں، وہ انبیاء کے وارث اس لئے ہیں کہ انبیاء کی میراث مال و دولت نہیں، علمِ شرعی ہے، جس کے وہ حاملین ہیں۔ علماء ہی اُمت میں قرآن وسنت کی حدود کو سلجھانے والے، بیان کرنے والے اور دین کی اقامت کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ وہی اُمتِ رسول اللہ میں، جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں وظیفۂ نبوّت ''دعوت'' کو قائم کرنے والے ہیں، وہی سنت رسول کا احیاء کرنے والے ہیں، کتاب وسنت ان کی وجہ سے اور وہ کتاب وسنت کی وجہ سے قائم ہیں۔ وہ قرآن وسنت کے ناطق ہیں، قرآن وسنت ان کے بارے میں ناطق ہیں۔ عقائد اہلِ سنت کے مرتب عظیم امام طحاویؒ فرماتے ہیں: ''علماء کو ہمیشہ ذِکرِ خیر سے یاد کیا جائے۔ جو اس کے علاوہ سے ان کا ذِکر کرے وہ راہِ راست سے منحرف ہے۔'' قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:

''یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج'' (النساء:۵۹)

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ، رسول اللہ... صلی اللہ علیہ وسلم... اور اپنے میں سے اُولی الامر کی اطاعت کرو۔''

اور یہ اُولی الامر اُمت کے دو طبقے ہیں: پہلا طبقہ علمائے کرام ہیں، جو شریعت کے بیان کرنے والے اور شارح ہیں۔ اور دُوسرا طبقہ اُمراء ہیں جو علماء کے بیان کردہ اَحکامِ شریعت کی تنفیذ کرنے والے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کے اوّلین عہد سے تا حال علمائے کرام کی اس عظمت

وجلالت پر اُمت میں اجماع رہا ہے۔ رہے علمائے کرام تو وہ خود اپنی تواضع اور انکساری کی بات کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان علمائے کرام کی عظمت وجلالت اور مخدومیت کا تسلسل چلتا آ رہا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اس کے برعکس مختلف نظریات کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اور وہ علماء کی عظمت کا درس دینے اور عوام الناس کو ان خواصِ اُمت کے حقوق سمجھانے کے بجائے صرف اپنی ہی ذات کی بات کرتا رہا۔ وہ سب پر اپنی ہی عظمت کا ڈنکا بجانے کی ناکام سعی کرتا رہا، (جبکہ علمائے اُمت اس کے برعکس رہے)، اُمت کے وہ جلیل القدر علماء وصلحاء اور سلف جن کی جلالتِ علمی وعملی اور مقامِ عالی پر اُمت کے عوام وخواص قائم رہے، مرزا غلام احمد ان حضرات کی تنقیص اور اُمت کے ان پر اِعتماد کو ٹھیس پہچانے کے لئے ہر دَم کوشاں رہا۔ اور وہ خود اپنے لئے اسلام کی معمول بہ سنت کے خلاف خاتم الأولیاء کا مدعی ہوگیا۔ اسی ڈگر پر قادیانیت اور اس کے ذرائع ابلاغِ عامہ گامزن ہیں۔

ختمِ ولایت اور سب پر افضلیت کا دعویٰ

مرزا غلام احمد اپنے ''خطبۂ الہامیہ'' کے ص:۳۶ مندرج در رُوحانی خزائن ج:۱۶ ص:۷۰ میں اپنے عربی کلام میں خود اپنے لئے اعلیٰ بلندیوں اور اپنے لئے خاتم الاولیاء کا مدعی ہے۔ نیز اس نے اس مقامِ ولایت کو اپنی ذات اور اپنی نسبت والوں کے ساتھ ہی خاص کرلیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

> ''أنا خاتم الأولیاء لا ولی بعدی إلا الذی هو مني وعلى عهدي، أرسلت من ربي بكل قوة وبركة وعزة وإن قدمي هذه على منارة يختم عليها كل رفعة۔''

ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''میں خاتم الاولیاء ہوں، میرے بعد کوئی ولی نہیں آئے گا، سوائے اس کے جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر ہو۔ میں اپنے رَبّ کی طرف سے پوری قوّت، برکت اور عزّت وشوکت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور میرے قدم ایسے منارے پر ہیں جہاں تمام بلندیاں ختم ہوتی ہیں۔''

اسلام میں تو مقامِ نبوّت ہی وہ منصب ہے جس کے لئے دعویٰ کرنا اور اس کی دعوت دینے کا نبی مأمور ہوتا ہے، مقامِ ولایت کے لئے ولی کا دعویٰ کرنا، اپنے دعوے کو پیش کرنا، تعلیماتِ اسلام اور سنتِ اولیائے اسلام کے خلاف عمل ہے۔ اولیاء اللہ کسی دعوے کے مدعی نہیں ہوتے، مگر مرزا غلام احمد ہے کہ جس نے اسلام میں معمول بہ طریقے کے خلاف اپنے لئے ولایت کا دعویٰ کیا، بلکہ ولایت کو صرف اور صرف اپنی نسبت میں منحصر کردیا۔

مرزا غلام احمد کا قدم ہر ولی کی گردن پر!

مسلمان اولیاء اللہ باہم ایک دُوسرے کی تعظیم کرتے ہیں اور ایک دُوسرے کے وقار کے محافظ ہوتے ہیں، اور یہی اہلِ ایمان کی باہمی ایمانی ولایت کا تقاضا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہلِ ایمان باہم ایک دوسرے کے (ولی) یعنی خیرخواہ، مخلصین اور دوست ہوتے ہیں۔ وہ ایک دُوسرے کو زیر کرنے والے یا اپنی تعلّی کا اظہار نہیں کرتے، تواضع، عجز وانکساری، یہ اولیاء اللہ کی صفاتِ حمیدہ میں سے ہے، مگر اس کے برعکس مرزا غلام احمد اپنے آپ کو دیگر اولیاء اللہ کا افسر وسلطان گردانتا ہے اور سب کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔

وہ ''تذکرہ مجموعۂ الہامات'' کے ج:۲ ص:۷۰۶ پر لکھتا ہے:

''اس اِلہام میں میرا نام سلطان عبدالقادر رکھا گیا، کیونکہ جس طرح

سلطان دُوسروں پر حکمران اور افسر ہوتا ہے، اسی طرح مجھ کو تمام رُوحانی درباریوں پر افسری عطا کی گئی ہے، یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے ہیں، ان کا تعلق نہیں رہے گا جب تک وہ میری اطاعت نہ کریں، اور میری اطاعت کا جو اپنی گردن پر نہ اُٹھائیں۔ یہ اسی قسم کا فقرہ کہ: قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله۔ یہ فقرہ سیّد عبدالقادر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ ہر ایک ولی کی گردن پر میرا قدم ہے۔''

پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ دعویٰ کیا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے اسے غسل دیا، وہ ان کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے اور ان سے برابری کا مقام پالیا، مگر ان کے بیٹے کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ قصہ تو شروع کا ہے، آپ تو پوری اُمتِ محمدیہ پر سبقت لے گئے۔ مرزا بشیر احمد بن مرزا غلام احمد قادیانی ''سیرۃ المہدی'' روایت نمبر: ۴۸۱، ج: ۳ ص: ۱۶ پر رقم راز ہے:

''حافظ نور محمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضور (مرزا قادیانی) نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک مرتبہ دیکھا کہ سیّد عبدالقادر جیلانی آئے ہیں، اور آپ نے پانی گرم کرا کر مجھے غسل دیا ہے اور نئی پوشاک پہنائی ہے، اور گول کمرہ سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ: آؤ ہم اور تم برابر برابر کھڑے ہو کر قد ناپیں پھر انہوں نے میرے بائیں طرف کھڑے ہو کر کندھے سے کندھا ملایا تو اس وقت دونوں برابر رہے۔''

مرزا غلام احمد کا ولایت میں خاتمیت کو اپنے لئے ثابت کرنے کے دعوے سے اس کا ہدف بھی صرف لوگوں کی توجہات کو دیگر اِسلامی شخصیات اور اُمت کے اولیاء اللہ سے ہٹا کر اپنی ذات کی طرف مبذول کرانا ہی ہے۔ قادیانیت کا یہی ہدف اسلامی مقاماتِ مقدسہ کے بارے میں بھی رہا ہے۔ اس باب میں وہ علمائے اسلام پر محض اس لئے طعن و تشنیع کرتا ہے کہ مسلم عوام

کے دِلوں میں ان کی قدر و منزلت نہ رہے، اور عوام میں ان کی دینی قیادت اور شرعی اُمور میں مرجعیت کا سلسلہ قائم نہ رہے، وہ علمائے کرام سے اپنے تعلق کو کم یا ختم کردیں گے تو مرزائی تحریفات بنام تجدیدات کے لئے کچھ گنجائش پیدا ہو سکے گی۔

مرزا کا دعویٔ اخلاق اور اس کی برعکس نظیر

مرزا غلام احمد جو خود کو اَخلاقِ فاضلہ کا مرقع ہونے کا مدعی ہے، وہ اپنی تحریر ''اربعین'' نمبر ۳ ص:۳۶، ''روحانی خزائن'' ج:۱۷ ص:۴۲۶ میں لکھتا ہے:

''خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو تہذیبِ اخلاق کے ساتھ بھیجا۔''

پھر وہ اپنی اسی کتاب کے نمبر ۴ اور صفحہ: ۵ مندرج دَر رُوحانی خزائن ج:۱۷ ص:۴۷۱ میں لکھتا ہے:

''گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں۔''

یہ تو مرزا غلام احمد کی تعلیمات ہیں! مگر جب وہ علمائے اسلام سے مخاطب ہوتا ہے تو اللہ اور رسول کی جملہ تعلیمات، علمائے اسلام کے شرعی وقار اور خود اپنے بیان کردہ ضابطوں کو یکسر نظرانداز کردیتا ہے۔

وہ ''انجام آتھم'' میں ص:۱۹ کے حاشیہ مندرج دَر رُوحانی خزائن ج:۱۱ ص:۲۱ پر علمائے کرام سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

''اے بدذات فرقۂ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے؟ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑو گے؟ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس! کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام الناس کو بھی پلایا۔''

مولانا عبدالحق غزنوی کے متعلق بدکلامی

مرزا غلام احمد کا مشہور عالمِ دِین مولانا عبدالحق غزنوی کے نام خطاب ''انجام آتھم'' مندرج دَر'' رُوحانی خزائن'' ج:۱۱ ص:۳۳۴ میں یوں درج ہے:

''پس اے بدذات خبیث دشمن اللہ اور رسول کے!''

نیز وہ ضمیمہ رسالہ ''انجام آتھم'' ص:۴۵ مندرج'' روحانی خزائن'' ج:۱۱ ص:۳۲۹ میں ان سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

''اے بد ذات یہودی صفت، پادریوں کا اس میں منہ کالا ہوا، اور ساتھ ہی تیرا بھی۔ اور پادریوں پر ایک آسمانی لعنت پڑی اور ساتھ ہی وہ لعنت تجھ کو بھی کھا گئی۔''

جملہ علمائے اسلام کے متعلق بدکلامی

مرزا غلام احمد کا اپنے مخالف علمائے اسلام کے لئے مجموعی طور پر خطاب ''انجام آتھم'' کے صفحہ:۳۱۶-۳۱۷ پر یوں درج ہے:

''یہودیوں کے لئے خدا نے اس گدھے کی مثال لکھی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، مگر یہ علماء خالی گدھے ہیں، یہ اس شرف سے بھی محروم ہیں جو ان پر کوئی کتاب ہو۔''

وارثانِ انبیاء جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ: اللہ کے بندوں میں سے علماء اہلِ تقویٰ ہیں۔ نیز فرمایا: اللہ اہلِ علم کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔ مرزا غلام احمد نے ان کے خلاف بدزبانی اور بداَخلاقی کی تمام حدود توڑ دیں، انہیں اُردو، عربی اور دیگر زبانوں میں مطعون کیا۔

مرزا غلام احمد کا علمائے کرام کے ساتھ عربی انداز تخاطب ملاحظہ فرمائیں:

مولانا سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق بدکلامی

مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو گالی دیتے ہوئے مرزا نے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے، ان کی شان میں کہتا ہے:

ومن اللئام اری رجیلا فاسقا
غولا لعینا نطفة السفهاء

''اور لئیموں میں سے ایک فاسق چھوٹے سے آدمی کو دیکھتا ہوں کہ وہ ایک ملعون شیطان سفیہوں کا نطفہ ہے۔''

شکس خبیث مفسد و مزور نحس
یسمی السعد فی الجهلاء

''بدگو، خبیث، مفسد اور ملمع ساز، منحوس ہے، جاہلوں میں اس کا نام سعد ہے۔''

آذیتنی خبثا فلست بصادق
إن لم تمت بالخزی یا ابن بغاء

''تو نے اپنی خباثت سے مجھے اذیت دی، اے کنجر کے بچے! اگر تو ذلیل ہوکر نہ مرا تو میں سچا نہیں ہوں۔''

(انجام آتھم مع ضمیمہ روحانی خزائن ج:۱۱ ص:۲۸۱)

الغرض! اپنے زمانے کے مشاہیر علمائے کرام، فقہائے عظام، محدثین میں سے محدث حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا عبدالحق دہلوی، پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ شریف اور دیگر کوئی بھی مرزا غلام احمد کی گالیوں سے محفوظ نہ رہ سکا جبکہ مرزا غلام احمد ''ست بچن'' کے صفحہ:۲۱، در ''روحانی خزائن'' ج:۱۰ ص:۱۳۳ پر یہ

ضابطہ بیان کرتا ہے:

''اورناحق گالیاں دیناسفلوں اور کمینوں کا کام ہے۔''

خود ہی اپنے اس فتویٰ کے شکار مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی اُمت کے ہاں نہ ہی اسلامی مقدسات مقدس رہے، نہ علمائے اسلام لائقِ تعظیم رہے، شخصیت رہی تو صرف ایک ہی، وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی۔ مقامات اگر مقدس رہے تو حرمِ قادیان اور مرزا کی قادیان میں مسجدِ اقصیٰ اور اس کا منارہ جس پر قادیانیت کے مسیح نے اُترنا تھا، مگر وہ منارہ بھی قادیانی مسیحِ موعود کی وفات کے بعد پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

قادیانی اُمت کودعوت فکروتأمل

ہم ابنائے ملتِ قادیانیت مرزا غلام احمد، اس کے اَتباع اور عمومی قادیانیت کو اس اُسلوب میں تامل کی دعوت دیں گے کہ جن مقامات کے تقدس کو قرآن وسنت نے ان کے محلِ وقوع سمیت بیان فرمادیا۔ مرزا غلام احمد نے ان کے مصداق کو ان کے محلِ وقوع کو بدلنے کی ناکام سعی کی۔ اس نے واضح طوران وارثانِ انبیاء جن کی رفعتِ شان کے لئے قرآن وسنت کی نصوص قطعی طور پر ناطق ہیں، ان کی شان میں مذکورہ اُسلوبِ گفتگو اِختیار کیا۔ کیا یہی اس کا اس باب میں تجدیدی عمل ہے؟ خدارا غور کیجئے! کہ جنہیں حق تعالیٰ شانہٗ رفعت دے، جنہیں قرآن نصوصِ قطعیہ سے معظم ٹھہرائے، ان کی توہین وتذلیل انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ خدا را! سوچئے اور راہِ حق اختیار کیجئے، سبیل ہدایت پر چلئے۔ ہماری دُعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس اُسلوبِ تعامل میں مبتلا ہونے والے حضرات کو توفیقِ تامل بخشے، آمین!

✡✡✡

نمبر ⑫ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

اسلامی مقاماتِ مقدسہ
(مسجد الحرام، مسجدِ نبوی، اور مسجدِ اقصیٰ)
اور تجدیداتِ مرزا
یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریفات

نقطۂ آغاز

اسلام اوراُمتِ مسلمہ کے معروف ومشہور مقامات مقدسہ یا مساجد ثلاثہ جن کے فضائل اور محل وقوع ہر دوامر اسلامی شریعت کے مصادر میں متعین اور بیان شدہ ہیں پھر نہ صرف مسلمان اُمت بلکہ پوری انسانیت ان سے متعارف ہے، جن کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ’’صرف تین مساجد کے لئے سفر کا قصد کیا جائے، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے لئے۔‘‘

مسجدِ حرام مکہ مکرمہ میں ہے، مسجدِ نبوی مدینہ منورہ اور مسجدِ اقصیٰ کا محل وقوع بیت المقدس ہے۔

آج تک تاریخ اسلام میں کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا چہ جائیکہ کوئی مدّعی مجددیت، محدثیت، یا مدّعی نبوّت ہو پھر وہ ایسی جسارت کا مرتکب ہو کہ وہ ان مقامات کے مصداق میں تبدیلی کرنے کی یا ان مقامات کے فضائل دیگر مقامات کے لئے ثابت کرنے کی ناکام سعی کرے۔

یقیناً ایسا کرنا شریعت کی رو سے ’’الحاد فی آیات اللہ‘‘ کہلاتا ہے، پھر یہ تحریف فی ذاتہ کذب اور عظیم دجل بھی ہے جو حق و باطل میں خلط کرنے کی ایسی مثال ہے جس کا دیگر نمونہ ملنا مشکل ہے، مسلمان تو مسلمان غیر مسلم مورخ بھی جب کبھی مسجد حرام، مسجد نبوی یا مسجد اقصی کی تاریخ لکھنے لگے تو اس کا قلم لرز جائیگا کہ وہ حرم مکی، حرم مدنی اور قبلہ اول مسجد اقصی کے محل وقوع کو بجائے عربستان کے ہندوستان اور قادیان قرار دینے لگے یا دنیا کے کسی اور خطے کو اس شرف سے

مشرف کرنے کا تصور بھی کرسکے جو شارع نے ان کے لئے بیان فرمایا ہے، مگر مرزا غلام احمد قادیا نی ہے کہ اس نے یہ سب کچھ کیا پھر اس نے اپنی اس کارروائی کی خاطر نام بھی وحی اور الہام وکشف کا استعمال کیا۔ قبل اس کے ہم اس مرزائی کارروائی کا قادیانی حوالوں سے ذکر کریں مناسب ہوگا، کہ ہم ان تینوں مقامات کے بارے میں شرعی مصادر سے ان کے کچھ فضائل اور محل وقوع کی طرف اشارہ کریں۔

مسجدِ حرام

یہ اللہ تعالیٰ کا پہلا وہ قدیمی گھر ہے جو اس کائنات میں لوگوں کی ہدایت کے لئے بنایا گیا، جسے خود خالق نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ہی کرہ ارض میں حرم محترم قرار دے دیا جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے مقام ومنزلت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: ''اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ... الخ'' یہ وہ پہلا گھر ہے جو دُنیا جہان کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بنا، جس میں آیات بینات یعنی واضح نشانات قدرت ہیں، یہاں مقام ابراہیم ہے۔ گویا مکان ومحل وقوع بھی متعین کہ مکہ مکرمہ میں ہے اور مقام ومنزلت بھی بیان شدہ ہے کہ یہ سرچشمہ ہدایت ہے۔ نشانات وعلامات پر مشتمل ہے، کرہ ارض کے مکین اسی کا حج کرتے ہیں اور یہ شہر مولد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کی قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾'' میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور آپ اس شہر میں مقیم ہیں'' یہ وہ حرم محترم ہے جو محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور ربّ العالمین کو سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے، اُمتِ مسلمہ کے قلوب اکنافِ عالم سے اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں، یہ قبلۂ عالم ہے، حرم محترم کی قدر ومنزلت کے مختلف پہلوؤں پر قرآن وسنت کی نصوص کے بیان سے پتہ چلتا ہے

کہ یہاں ایک فرض نماز کا اجر ایک لاکھ نماز شمار ہوتا ہے۔

مسجدِ نبوی کا مقام ومنزلت

جناب رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت اور مدینۃ الرّسول میں حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تاسیس پانے والی اور تعمیر ہونے والی مسجد ہے، جس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ''خاتم المساجد'' ہونے کا لقب پایا ہے کہ جس کے بعد کسی نبی کے ہاتھوں تعمیر ہونے کا شرف کسی دیگر مسجد کو حاصل نہ ہوسکا۔ اور نہ ہوسکے گا۔ اس میں ایک نماز کی ادائیگی ہزار نماز کے برابر ہے، مسجد نبوی کا یہ شرف اور مقام ہر دو متعین ہیں، اس کا مکان ومحل وقوع مدینۃ الرّسول ہے، دنیا کا دیگر کوئی مقام ایسا نہیں جس شہر کے رہنے والوں کو قرآن نے انصار کے لقب سے مشرف فرمایا، جنھوں نے اللہ کے رسول کو ہجرت کی دعوت دی پھر کمال درجہ ان کی نصرت بھی فرمائی، مہاجرین مکہ کا مکمل طور پر ساتھ دیا، یہیں پر جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بقیہ حیات طیبہ گزاری، یہیں پر اوّلین اسلامی مملکت کی تاسیس اور شریعت اسلامیہ کا عملی نفاذ عمل میں آیا، اس شہر کو مدینۃ الرسول کا لقب مل گیا اور اس مسجد کو مسجدِ نبوی ہونے کا شرف ملا، یہی شہر مدفنِ رسول ہے۔ مسجدِ حرام ہو یا مسجدِ نبوی ہر دو محترم مقام ہیں جن کی زیارت ہر مؤمن کی انتہائی تمنّا ہوتی ہے۔

مسجدِ اقصیٰ

یہ تیسری وہ مسجد ہے جس کا قصد سفر باعث شرف وفضلیت ہے۔ یہی وہ قبلہ اوّل ہے جس کی طرف متوجہ ہوکر اہل اسلام نے ایک مدت تک نمازیں ادا کیں، حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء مبارک کا آغاز تو مسجدِ حرام سے ہوا اور اس کا منتہا یہی مسجدِ اقصی ہے۔

قرآنِ کریم اس کی عظمت میں یوں ناطق ہے:

’’سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ۔‘‘ (بنی اسرائیل:۱)

’’پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفر کرایا جس کے ماحول کو ہم نے مبارک بنایا تا کہ اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔‘‘

مسجدِ اقصیٰ کے فضائل میں سے ہے کہ اس میں ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔

تاریخ میں کوئی ایسا نہیں گزرا

تاریخ اسلام میں اس کے اوّلین عہد سے لے کر آج تک کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے حرمِ محترم مکہ مکرمہ، حرمِ محترم مدینہ منورہ یا قبلہ اوّل مسجد اقصیٰ کے متعین مصداق میں تبدیلی کی سعی کی ہو، یا کسی دیگر جگہ کے لئے وہ فضائل ثابت کرنے کی جسارت کی ہو جو ان مذکورہ اسلامی مقامات مقدسہ کے لئے قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔ وحی محمدی میں جب ان کے اسماء اوران کے فضائل اوران کے مقامات میں نہ کوئی شک والتباس ہے نہ کسی قسم کا اشکال بلکہ پوری وضاحت اور کمال قطعیت سے ثابت شدہ ہیں اور پوری اُمتِ مسلمہ کے ہاں اجماعی طور پر مسلمات میں سے ہیں۔لہٰذا ان میں تحریف کی جسارت کسی ادنیٰ ایمان والے سے کیسے متوقع ہوسکتی ہے؟ بلکہ کوئی غیر مسلم بھی ایسی جرأت نہیں کرسکتا کہ مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی یا مسجدِ اقصیٰ کے مصداق میں تحریف وتبدیلی کی جسارت کر سکے مگر مرزا غلام احمد کس طرح یہ جسارت کرتا ہے۔ اس کا مطالعہ کیجئے!

مرزاغلام احمد کا دعویٰ ہے کہ قادیان کا نام قرآن میں ہے

مرزا غلام احمد ''ازالہ اوہام جلد:۱ حاشیہ ص:۷۶،۷۷، روحانی خزائن جلد: ۳ ص:۱۴۰ پر یوں رقم طراز ہے:

''اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم میرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ ''إنا أنزلناه قريبًا من القاديان ''تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو،لکھا ہوا ہے۔تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ پر شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے،تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ، مدینہ اور قادیان۔''

یہ ہے قادیان جو مرزا غلام احمد کا مولد ہے، جسے مرزا صاحب قرآن میں داخل کرنے کی ناکام سعی کررہے ہیں۔

مسجدِ اقصیٰ اور مرزائی تحریف

قرآن حکیم میں حق تعالیٰ شانہ نے تو مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کا ذکر کرتے ہوئے مسجد الحرام کو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء کا آغاز اور مسجد اقصیٰ کو اس کا منتہا قرار دیا، سورت اسراء میں یوں ارشادِ ربانی ہے:

''سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ

الْاَقْصَاالَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ۔‘‘

’’پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے۔‘‘

یہ تو حق تعالیٰ شانہ کا مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کا تعیّن فرمانا ہے۔ پھر اُمتِ مسلمہ کے ہاں حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا اسراء ومعراج کے حوالے سے دونوں مسجدوں سے تعلق ہونے کی وجہ سے بھی دونوں کا مقام متعیّن ہے نیز اُمتِ مسلمہ بالاجماع اس آیت میں مسجدِ اقصیٰ سے مراد اُس مسجد کو لیتی ہے جو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء کی منتہا ہے، اور جس کا وجود بیت المقدس میں ہے۔ اس کے برعکس قادیانیت کا دعویٰ ہے کہ ’’المسجد الاقصیٰ‘‘ سے مراد اس کی (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی) قادیان میں مسجد ہے۔

قادیانیت کے ’’خطبہ الہامیہ‘‘ مندرج ’’روحانی خزائن‘‘ جلد:۱۶ حاشیہ ص:۲۱ میں ہے:

’’مسجدِ اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے ’’مبارك مبارك و كل امر مبارك يجعل فيه‘‘ اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہوا، قرآن شریف کی آیت ’’بارکنا حوله‘‘ کے مطابق ہے۔ پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سبحان الذی أسری بعبده ليلاً من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى الذی باركنا حوله۔ ‘‘

قادیانیت کے مذکورہ حوالہ میں مندرجہ امور قابل تامل ہیں:

اوّلاً:- یہ الفاظ'' مبارك مبارك و كل امر مبارك يجعل فيه ''بقول مرزا غلام احمد قادیانی یہ خدا کا کلام ہے۔

ثانیاً:- یہ کلام سورت اسراء میں وارد اللہ تعالیٰ کے کلام {سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ} کے مطابق ہے۔

ثالثاً:- بقول قادیانیت مسجد اقصیٰ سے مراد قادیانیت کے مسیح موعود کی وہ مسجد ہے جو قادیان میں ہے۔

یہ اسلام کے مقدس مقامات میں تحریف اور انسانوں کو اسلامی مقامات مقدسہ سے ہٹا کر قادیانی مقامات مقدسہ کی طرف متوجہ کرنے کی ناکام سعی ہے۔اس کی اس سے بڑھ کر اور کیا کھلی مثال ہوسکتی ہے؟

حج بیت اللہ اور حج قادیان کا تصور

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوی ہے کہ قادیان کی زیارت نفلی حج سے افضل ہے۔ وہ '' آئینہ کمالات صفحہ: ۳۵۲،مندرجہ روحانی خزائن جلد:۵،صفحہ:۳۵۲ ''میں لکھتا ہے:

> '' لوگ معمولی اور نفلی طور پر حج کرنے کو بھی جاتے ہیں مگر اس جگہ نفلی حج سے ثواب زیادہ ہے اور غافل رہنے میں نقصان اور خطرہ ہے۔ کیونکہ سلسلہ آسمانی ہے اور حکم ربانی۔''

مرزا کے اس قول سے بھی غرض دراصل لوگوں کی توجہات کو اسلامی مقامات مقدسہ سے قادیانی مقامات مقدسہ کی طرف مبذول کرانا ہے۔یہی ظلّ و بروز کے اس نظریہ کی جو قادیانیت کی بنیاد ہے،اس کی سلبی تاثیر ہے جس کے نظریہ کا تصور اسلام یا دیگر کسی مذہب میں نہیں ہے۔

قادیان کا حرمِ محترم ہونا

مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ سرزمین قادیان حرم محترم ہے۔ وہ درثمین صفحہ: ۵۲ پر وہ اپنے منظوم کلام میں گویاں ہے:

''زمین قادیان اب محترم ہے
ہجوم خلق سے ارض حرم ہے''

غور کریں کہ اپنے آپ کو بروزِ محمد کہنے والا، اسلام کے حرم محترم کی جگہ اپنا ایک دوسرا حرم بھی پیش کر رہا ہے۔

قادیانی مقامات کی زیارت کی ترغیب

جس طرح اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اسلامی مقامات مقدسہ کی زیارت کی ترغیب دی ہے قادیانیت بھی اپنے پیروکاروں کو قادیانی مقامات مقدسہ کی زیارت کی ترغیب دیتی ہے۔

خلیفہ قادیان مرزا محمود'' حقیقت الرویاء''، صفحہ:۴۶'' میں لکھتا ہے:

''حضرت مسیح موعود نے اس کے متعلق بڑا زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو بار بار یہاں نہیں آتے مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا تم ڈرو۔ کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے، پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا، آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے، کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔''

خلیفہ قادیان مسلمانوں کے اصل مرکز ہدایت، مہبطِ وحی، مولد خاتم النّبیین، اور مہجر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم، کی برکات کا انکاری ہوکر یہ کہہ رہا ہے کہ اس کی چھاتیاں خشک ہوچکی ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ انسانیت اور اُمت کی ضرورت اب قادیان سے

پوری ہوگی نہ کہ مکہ اور مدینہ سے جن کی چھاتیاں خشک ہوچکی ہیں، اور اصل مقصد جس کی خاطر ظل و بروز کے بانی مرزا غلام احمد نے یہ تمام مساعی کی ہیں یہی ہے کہ اہل اسلام کی توجہات کو حرمین شریفین اور مسجد اقصیٰ سے ہٹا کر قادیان کی طرف مبذول کرایا جائے۔

دعوت مخلصانہ

ہم ابنائے ملت قادیانیت کو تامل کی دعوت دیتے ہیں کہ اسلامی مقامات مقدسہ کی جگہ قادیانی مقامات مقدسہ کو لانا پھر ان کی عظمت کا بیان اور ان کی زیارت کی ترغیب دینا اس کی غرض اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ جن مقامات کی عظمت خود اللہ تعالیٰ نے پھر اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور اُمتِ مسلمہ کے قلوب میں وہ عظمت راسخ ہے اور وہ بھی اللہ اور اللہ کے رسول کی نسبت کی وجہ سے اب لوگوں کو ان سے ہٹا کر انہیں دیگر مقامات سے وابستہ کیا جائے، تاکہ لوگ اصلی مقامات کے تقدس سے ہٹ کر بروزی مقامات سے منسلک ہوجائیں پھر اُمتِ مسلمہ اور دیگر انسانیت کے سامنے اس تجدید کو پیش کرنا یقیناً یہ مرزا غلام احمد اور قادیانیت کی مقامات مقدسہ کے باب میں وہ تجدید ہے جو شریعت میں تحریف اور الحاد فی آیات اللہ کا کھلا نمونہ ہے جس سے غرض محض وہی ہے کہ لوگوں کو حقیقی اسلام سے ہٹا کر ظلّی اسلام اور حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹا کر بروزی نبی اور ظلّی و بروزی نبوّت سے اور اصلی مقامات مقدسہ سے ہٹا کر ظلّی مقامات سے وابستہ کر دیا جائے۔ پھر عجیب امر یہ ہے کہ اس تمام کاروائی کی کوئی بھی شرعی دلیل کتاب وسنت سے نہیں ہے محض مرزا غلام احمد کے اپنے خود ساختہ الہامات ہیں۔

یاد رکھیں کہ نبی برحق کی وحی اور الہام کے علاوہ کسی بھی دیگر الہام و کشف کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی۔ پھر جو الہامات:

مخالف قرآن ہوں!

مخالف حدیث ہوں!

مخالف اجماع اُمت ہوں!

ان سے وابستگی آپ حضرات کے کسی کام نہ آئے گی۔ دنیا وآخرت کی سعادت صرف اورصرف ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اوران کی شریعت سے وابستگی میں ہے نہ کہ مدعی ظل وبروز کے اُمتی ہونے میں۔حق تعالیٰ شانہ سبھی کوراہ ہدایت سلجھادیں۔(آمین)

خلاصہ مبحث

یہ مبحث مندرجہ ذیل نقاط پر مشتمل ہے۔

۱- مقامات مقدسہ مسجد الحرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ کی قدر و منزلت اور محل وقوع نہ صرف اُمتِ مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کے نزدیک متعین ہیں۔

۲- تاریخ میں کسی مسلمان یا غیر مسلم مورخ کو اس میں تبدیل و تحریف کی جرات نہیں ہوسکی۔

۳- مرزا غلام احمد (قادیانی جو نظریہ ظل و بروز کا بانی ہے) نے ان اسلامی مقامات مقدسہ کی جگہ قادیانی مقامات مقدسہ کولانے کی ناکام سعی کی ہے۔

۴- قادیانیت نے مرزا کی مسجد کو مسجد اقصیٰ اور قادیان کو حرم محترم کہا ہے۔

۵- قادیانیت کے ہاں قادیان کی زیارت نفلی حج سے افضل ہے۔

۶- قادیانیت نے اپنے مقامات مقدسہ کی زیارت کی ترغیب بھی دی ہے۔

۷-نظریہ بروز کا بانی ہر میدان میں اصل کا بدل اور ظلّ پیش کرتا ہے تاکہ وہ انسانیت کو اصل سے ہٹا کر ظلّ کی طرف متوجہ کر سکے۔

۸-ابنائے ملت قادیانیت کو دعوت مخلصانہ۔

نمبر ⑬ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِجرائے نبوّت کے قادیانی دلائل اور ان کی تحقیق ومناقشہ

نقطۂ آغاز

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوّت کا بند ہونا یا اس سلسلے کا جاری رہنا دو متناقض نظریات اور متباین عقیدے ہیں۔ چونکہ دونوں نظریات ایک دوسرے کے مخالف ہیں، لہٰذا دونوں نظریات ایک ہو سکتے ہیں، نہ ان کے ماننے والے ایک ہی اُمت ہو سکتے ہیں۔ پھر ہر دو فریق اپنے منہج میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔ چونکہ نبوّت سے اُمت تشکیل پاتی ہے۔ ایک مخصوص نبوّت پر ایمان یا اس کا انکار انسانوں کو الگ الگ اُمت بنا دیتے ہیں اور ہر ایک کا الگ الگ مخصوص عقیدہ اور کردار ہوتا ہے۔

ہمارے آقا و مولی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی میں خاتم النّبیین ہیں کہ وہ افضل الرسل بھی ہیں اور آخری نبی بھی۔ ان کے بعد کسی کو منصب نبوّت عطا ہوا نہ ہوگا۔

''خاتم'' کے لغوی معنی اور ''خاتم النّبیین'' کے شرعی مفہوم کو جس معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، اصحابِ رسول کا اس پر اجماع ہوا۔ اُمت کے تمام طبقات، ائمہ مجتہدین، مفسرین، محدثین وفقہاء علمائے اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے خواص وعوام کا اسلام کے عہد اول سے اس پر اجماع رہا اور تا قیامت رہے گا۔

اس پورے مضمون کو ہم نے اپنے مستقل مقالہ ''مفہوم خاتم النّبیین اور اس کی ادلہ کتاب وسنت اور اجماع سے'' کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

اس مقالہ میں ہمیں صرف اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ جس طرح مسلم اُمت اپنے

اس عقیدے پر روزِ اول سے قائم ہی کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ورسالت ربانی کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے، آپ کے بعد کسی کو نبوّت نہ ملے گی۔

قادیانی ملت اس کے برعکس اس عقیدے کی قائل ہے کہ جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا سلسلہ جاری ہے۔ قادیانیت کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت ان کی افضلیت کے معنی میں ہے۔ یعنی نبی کریم علیہ السلام تمام انبیاء کے ''خاتم بمعنی افضل ہیں''، مگر آخری نہیں ہیں، آپ کے بعد بھی انبیاء کا سلسلہ جاری رہے گا، نبوّت کا سلسلہ اور باب بند نہیں ہوا ہے۔

گویا اُمتِ مسلمہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی تسلیم کرتی ہے اور قادیانیت جناب رسول اللہ کو خاتم النّبیین بمعنی افضل النّبیین مانتی ہے آخری نہیں۔ یادرہے کہ قادیانیت کے ذرائع ابلاغ یا ان کی بیعت کے سلسلہ کے وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خاتم النّبیین'' کہنے کا یہی قادیانی مفہوم ہے جو مسلم اُمت اور عقیدۂ اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا امر واقعی یہ ہے کہ یہاں پر دو نظریات ہیں:

نظریہ نمبر-۱: جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں اور ان کے بعد سلسلہ ''نبوّت بند ہے۔'' اس نظریہ کے قائل مسلمان ہیں۔

نظریہ نمبر-۲: جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین کے بعد ''نبوّت جاری ہے، آپ آخری نبی نہیں بلکہ افضل النّبیین ہیں۔'' اس عقیدے کے قائل قادیانی ہیں۔

مذکورہ دونوں فریقین اپنے دلائل کو قرآن وسنت سے ثابت کرنے کا اقرار کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر دو کے اپنے اپنے نظریہ اور عقیدہ کی روشنی میں الگ الگ علمی واجبات ہیں:

جو فریق اس امر کا قائل ہے کہ حضرت خاتم النّبیین کے بعد بھی نبوّت'' جاری ہے'' اس

فریق سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

۱-حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کے جاری رہنے کے نظریہ سے آج تک کتنے حضرات اور کون کون حضرات مستفید ہوئے ہیں، ان کے نام بتائیں؟ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ڈیڑھ ہزار برس میں ان شخصیات کی تعیین کریں؟

۲-اگر حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلقاً نبوّت کا اجرا ثابت ہو تو اس سے قادیانیت کی مخصوص نبوّت کیسے ثابت ہوگی؟

۳-اگر حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلقاً اجراء نبوّت ثابت ہو تو ''مرزا غلام احمد کی وہ نبوّت بقول قادیانیت جس کی نظیر سابقہ نبوّتوں میں نہیں ہے۔ ایسی نبوّت کے لئے مطلق نبوّت کی دلیل کیسے دلیل بن سکتی ہے؟

۴-حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجراء نبوّت ہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سابقہ انبیاء پر افضلیت کی دلیل ہے جیسے کہ قادیانیت کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ اور ابراہیم کی ذریت میں نبوّت کی وجہ سے ان کی فضیلت تھی تو قادیانیت کو تین امور کا تعین کرنا ہوگا: اولاً: یہ کہ ان کی ذریت میں کتنے نبی ہوئے؟ ثانیاً: آپ کی ذریت میں کتنے نبی آپ کی ان پر افضلیت کا موجب ہوسکیں گے؟ ثالثاً: ذریت والے نبی یقیناً تعداد میں ابراہیم وموسیٰ کی ذریت والے نبیوں سے بڑھ کر ہی ہوں گے؟

۵-ذریت محمد میں آج تک کتنے نبی گزرے ہیں جو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا موجب بنے؟

۶-وہ کون کون تھے؟

۷-آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت سے مرزا کے اِدّعائے نبوّت تک

ذریت والے نبیوں کا کس کس مجدد نے ذکر کیا ہے؟

۸- مرزا غلام احمد کی وفات سے تا حال ایسے (ذریت والے نبی) کتنے لوگ ہوئے ہیں؟

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجراء نبوّت کا مدعی فریق قادیانی اُمت کو ان سوالات کے جوابات دینا ہوں گے پھر ان کے وہ جوابات بھی قرآن وسنت سے ہونے چاہئیں، کسی دیگر کے اقوال سے نہیں۔ کیونکہ نبوّت ایک شرعی قضیہ ہے۔ کسی فرد کا خصوصی مسئلہ نہیں، نہ اس میں کسی کی خصوصی اصطلاح یا انفرادی مراد مقام مرجعیت پا سکتی ہے۔

جو فریق اس امر کا قائل ہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت ''نبوّت ختم ہے۔''

اور آنحضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔

اس نظریہ کے حامل مسلم اُمت کو قرآن وسنت کی ادلہ سے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ''انقطاع نبوّت'' کے اثبات کے ادلہ کے ساتھ ساتھ قادیانیت کی وجوہ استدلال کا بھی جواب دینا ہوگا، اور ہر دو امر میں مرجعیت قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمت کو حاصل ہوگی جو ہر دو فریق کے ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

آغاز

اب ہم اولاً قادیانیت کے اجراء نبوّت کے دلائل اور وجوہ استدلال کے بیان اور ان کے جوابات سے شروع کرتے ہیں۔ رہا لفظ ''خاتم'' کے لغوی معنی اور ''خاتم النّبیین'' کا شرعی مفہوم اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کے ادلہ کا کتاب وسنت سے اس کا بیان آئندہ کے مستقل مقالہ میں پیش کریں گے۔

قادیانیت کے اجراء نبوّت کے ادلہ قرآن کریم سے

پہلی آیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ''

(الاعراف:۳۵)

''اے بنی آدم! تمہارے پاس رسول آتے رہیں گے جو میری آیات تمہیں سناتے رہیں گے۔''

قادیانی وجوہ استدلال

حق تعالیٰ شانہ اس آیت میں پوری بشریت سے مخاطب ہے اور وہ انہیں تاکیدی خبر دے رہے ہیں کہ ان کے پاس انہی میں سے رسول آتے رہیں گے کیونکہ (یــأتیــن) فعل مضارع ہے جو نون تاکید ثقیلہ سے مؤکد ہے اور اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ بنی آدم میں ''رسول'' ہمیشہ آتے ہی رہیں گے اور نبوّت کا یہ سلسلہ کسی بھی دور میں منقطع نہ ہوگا۔ چاہے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی ہوجائے تب بھی انقطاع نبوّت نہ ہوگا۔

اگر ہم یہ کہیں کہ یہ سلسلہ آپ کی نبوّت کی بعثت کے بعد منقطع ہوگیا ہے تو یہ آیت قرآنی بلا مدلول رہ جائے گی جو قرآن کریم میں غیر معقول امر ہے۔

رہا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم'' ہونا تو یہ اس معنی میں نہیں کہ نبوّت ان پر ختم ہے یا وہ اس سلسلے کے خاتم یعنی ختم کرنے والے ہیں، بلکہ یہ اس معنی میں ہے کہ آپ افضل النّبیین ہیں۔ جیسے کہ لوگ کہتے ہیں فلاں شخص خاتم المفسرین ہے اور معنی یہ ہوتا ہے کہ اس فن میں وہ افضل ہے۔

بحث وتحقیق

قادیانیت کو اپنی رائے پیش کرنے کا مکمل حق ہے جسے وہ اپنی نسبت سے ذکر کریں تو انہیں کھلے دل سے ہمارے بحث وتحقیق کے حق کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔

اسی غرض سے ہم اس قادیانی رائے اور وجہ استدلال پر گفتگو کرتے ہیں۔قبل اس کے ہم آیت کے مضمون کو اس کے شان نزول کے تناظر میں بیان کریں۔ہم لفظ ''رسول'' کا قادیانی ادب سے مفہوم پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر بالفرض اس آیت سے اجراء نبوّت ثابت بھی ہوجائے تو تب بھی قادیانیت کے لئے مرزا کی نبوّت اس آیت سے ثابت کرنا ممکن نہیں۔کیونکہ اس کا دعویٰ تو اس مخصوص نبوّت کا ہے جو کسبی اور تدریجی نبوّت ہے بلکہ کبھی لغوی نبوّت ہے۔کبھی بالقوۃ نبوّت ہے پھر کبھی غیرتشریعی اور کبھی تشریعی نبوّت ہے،کبھی کمال اتباع سے ملنے والی نبوّت ہے،جس کا اسلام یا سابقہ نبوّتوں سے کوئی تعلق ہے نہ اس کی نظیر ہے۔

✡ مرزا غلام احمد''کمالات اسلام''مندرج درخزائن روحانیہ جلد ۵ ص ۳۲۲ پر لکھتے ہیں:

''رسول کا لفظ عام ہے جس میں رسول اور نبی اور محدث داخل ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ جب قرآنی آیت''رسالت مطلقہ'' کو بیان کر رہی ہے تو اس کو مخصوص رسالت یعنی نبوّتِ مرزا سے مقید کرنا خود مرزا کے ہاں عظیم شر ہے۔کیونکہ وہ''نورالقرآن'' مندرج درروحانی خزائن ۴۴۴/ ۹ پر لکھتا ہے:

''عام لفظ کو خاص معنی میں محدود کرنا صریح شرارت ہے''۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں:

اوّلاً:-مطلق رسالت ونبوّت کو مرزا کی مخصوص نبوّت کے لئے مقید کرنا بانی قادیانیت کے ہاں شرعظیم ہے۔وہ مخصوص نبوّت جو کبھی محدثیت ہے،کبھی بالقوۃ نبوّت ہے،کبھی ظلی نبوّت

ہے اور کبھی لغوی نبوّت ہے، وہ لفظ عام سے کیسے ثابت ہوسکتی ہے؟ لہٰذا قادیانیت کی یہ وجہ استدلال درست نہیں ہے۔

ثانیاً:- قادیانیت کا دعویٰ مخصوص نبوّت کا ہے اور دلیل رسالت مطلقہ کی ہے۔ دلیل اور دعویٰ کے اختلاف سے دلیل خود بخود ساقط ہو جاتی ہے۔

ثالثاً:- اگر اس آیت کو اجراء نبوّت پر حمل کرلیا جائے تو لفظ ''رسول'' تو بقول مرزا محدث، نبی، رسول، سب کو شامل ہے۔ تو یہ عام لفظ کیسے مرزا کی مخصوص نبوّت کی دلیل بن سکتی ہے؟

✡ ''شہادت القرآن'' ص:۲۸ مندرج ''در روحانی خزائن'' ج:۶ ص:۳۲۳، ۳۲۴ پر لکھتا ہے:

> ''رسل سے مراد مرسل ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی ہوں یا محدث ہوں چونکہ ہمارے سیّد و رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آسکتا اس لئے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے۔''

✡ نیز ''ایامِ صلح'' ص:۱۹۳ مندرج ''روحانی خزائن'' ج:۱۴ ص:۴۱۹ پر لکھتا ہے:

> ''رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہوں خواہ وہ نبی ہوں یا رسول یا محدث اور مجدد ہوں۔''

ہم کہتے ہیں جب رسول کے لفظ سے مجدد اور محدث جو قادیانیت کے ہاں بھی غیر نبی ہیں جیسے لوگ مراد ہیں تو یہ آیت کسی بھی اعتبار سے قادیانیت کے لئے مرزا کی نبوّت ثابت کرنے کی دلیل نہیں ہوسکتی، کیونکہ مجددین کے آنے سے اُمتِ مسلمہ کو انکار نہیں، انکار تو نبیوں کے آنے

سے ہے تو جب لفظ رسول سے مراد غیر نبی ہیں تو اس سے مرزا کی نبوّت کیسے ثابت ہوگی؟

رہا اُمتِ مسلمہ میں حضرت خاتم النّبیین کے بعد مجددیت کی آمد تو اس کی خبر تو خود حضرت خاتم النّبیین نے دی۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ اس اُمت میں ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے۔''

(ابوداؤد، ۱۰۹ / ۴ حدیث نمبر: ۴۲۹۱)

رابعاً:- قرآن حکیم کی مذکورہ آیت میں ''رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ'' مذکور ہے (یعنی وہ رسول تم میں سے ہوں)۔ یہ نہیں آیا: ''رسل منا ''(ہماری طرف سے رسول ہوں)۔

یعنی وہ جو آتے رہیں گے وہ لوگوں میں سے ہیں، اللہ کی طرف سے آنے والے رسول نہیں۔ اور لوگوں میں جو ہوں گے وہ داعی حضرات اور مبلغین ہیں۔ قرآن حکیم میں رسول کا لفظ داعی اور مبلغین حضرات پر بولا گیا ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں آیا ہے: ''اِذۡجَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۝۱۳'' اسی طرح حدیث میں ''رسول'' کا لفظ داعی اور مبلغ کے لئے آیا ہے۔ حدیثِ معاذ کے آخر میں ہے:

"الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ لما یحب اللّٰہ ورسولہ۔"

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس امر کی توفیق دی جسے اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں۔''

لفظ ''رسل'' کا دعاۃ اور مبلغین کے لئے بولے جانے کا اعتراف خود مرزا کے اس بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

مرزا غلام احمد ''احمدیہ پاکٹ'' کے صفحہ ۴۷۸ پر لکھتے ہیں:

''سواس معنی میں رسولوں کی آمد ماننے میں کوئی حرج نہیں۔''

رسول بمعنی داعی اور مبلغ، پھر اس کی جمع رسل بمعنی مبلغین اور داعیان ہے۔ یہ تو ہر دور میں آتے رہتے ہیں اور ان کے آنے سے کسی کو کچھ اعتراض نہیں ہے۔ اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ محل اعتراض صرف خاتم النّبیین کے بعد اجرائے نبوّت کا ہے۔

اس لئے مطلقاً رسالت کا یہ معنی و مفہوم کسی اعتبار سے بھی قادیانی فریق کی تائید میں نہیں ہے کہ اس سے وہ سلسلۂ نبوّت و رسالت ربانیہ کے اجراء پر استدلال کر سکیں۔

خامساً:- یہاں یہ بات ہرگز نہ بھولئے کہ اس آیت سے حضرت خاتم النّبیین کے بعد سے لے کر آج تک کسی مفسر یا مجدد نے اجرائے نبوّت پر استدلال نہیں کیا ہے، لہٰذا یہ مرزائی استدلال اِجماعِ اُمت سے خروج ہے۔ جو قادیانیت کی تجدید نہیں بلکہ عین تحریف ہے۔ قادیانی تصنیف ''عسل مصفی'' میں جن مجددین کے نام مذکور ہیں ان میں سے کسی نے بھی اس آیت سے اجراء نبوّت پر استدلال نہیں کیا ہے۔

سادساً:- اگر ہم کچھ دیر کے لئے یہ مان بھی جائیں کہ یہ آیت حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوّت پر استدلال کرتی ہے تو وہ آیات جن میں شریعتوں کی آمد کا ذکر ہے جیسے کہ: '' فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى '' (البقرۃ:۳۸) میری طرف سے شرائع آتی رہیں گی۔ تو کیا اس سے یہ مان لیا جائے کہ شریعتِ محمدی کے بعد نئی شریعتوں کی آمد بھی متوقع ہے؟

حالانکہ اس بات کو قادیانی بھی تسلیم نہیں کرتے اور وہ بھی شریعتِ محمدیہ کو آخری شریعت تسلیم کرتے ہیں۔

اصل حقیقت

ان آیات کے متعلق حقیقت یہی ہے کہ اس طرح کی جملہ آیات اس عہد و میثاق کی حالت بیان کر رہی ہیں جب بنی آدم سے ربانی نبوّتوں اور ربانی شریعتوں کے بارے میں عالم ارواح میں کہا گیا تھا یہی جملہ مفسرین نے کہا ہے۔ کیونکہ شریعت محمدیہ جس کے بارے میں قرآن نے ربانی فیصلہ یوں سنایا:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ... اِلخ''

آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا اور اس کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں۔ اور نبوّتِ محمدیہ کے بارے میں قرآن نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ:

''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط'' (الاحزاب:۴۰)

حضرت محمد خاتم النّبیین ہیں۔ درحقیقت ان دونوں آیات نے اُمت کو غنا عطا کر دی۔

آیت اِکمالِ دین نے اُمت کو شریعتِ محمدیہ کے بعد کسی بھی دیگر شریعت سے اور آیت خاتم النّبیین نے نبوّتِ محمدیہ کے بعد کسی بھی دیگر نبوّت سے اُمتِ مسلمہ کو مستغنی کر دیا حتی کہ پہلوں میں سے دوبارہ آنے والے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی شریعت کے پیروکار ہوں گے۔

اس آیت مبارکہ کی صحیح تفسیر

جس آیت سے قادیانی اُمت اجرائے نبوّت پر استدلال کرنے کی سعی کرتی رہی ہے، جملہ اہل اسلام اس آیت کو کس طرح سمجھتے ہیں؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

ہر ذی عقل کو آیت کے سیاق وسباق سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تمام بنی

آدم کو جملہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرنے اور اس کے منافع بیان کرنے پھر ان کی مخالفت نہ کرنے اور حضرات انبیاء کی مخالفت کے انجام بد سے آگاہی کے بارے میں اصولی بیان فرمارہے ہیں۔ بنی آدم کے کسی مخصوص گروہ، جماعت یا اُمت یا کسی خصوصی نبی کے بارے میں نہیں ہے نہ کسی خاص اُمت کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ خطاب باری تعالیٰ تمام بنی آدم کو عام وشامل ہے۔ جس میں تمام انبیاء ورسل کی آمد کی خبر ہے۔

اس کی دیگر مثالیں بھی اسی سورت اور اسی آیت کے ماقبل اور مابعد میں موجود ہیں جیسے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی:

''یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ'' (الاعراف:۲۷)

''اے بنی آدم! تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے۔''

''یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ''
(الاعراف:۲۶)

''اے بنی آدم! ہم نے تمہارا لباس اُتارا ہے جو تمہاری پردہ پوشی کرتا ہے۔''

''یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ'' (الاعراف:۳۱)

''اے بنی آدم! ہر سجدہ کے وقت زینت اختیار کرو۔''

''یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ'' (الاعراف:۳۵)

''اے بنی آدم! تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آتے رہیں گے۔''

نیز یہ بھی فرمایا:

''اے بنی آدم! تمہارے پاس میری ہدایتیں آتی رہیں گی۔''

تو ایسی آیات کو جو بنی آدم کو عمومی خطاب ہے اور سب کے سب بنی آدم ان کے مخاطب

ہیں تو اس کا محل وقوع وہی مقام ہے جہاں سب بنی آدم کو جمع کیا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط؟ (الاعراف:۱۷۲) اے بنی آدم! کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا: ''آپ ہی ہمارے ربّ ہیں!''

ان خطابات کی مخاطب صرف اُمتِ محمدیہ نہیں ہے اور نہ ہی انہیں کوئی مخصوص حکم دیا جار ہا ہے۔ نہ کہیں یہ نشاندہی کی گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ کی ذات گرامی کے بعد تمہارے پاس نئے رسول اور انبیاء اور ان کی شریعت کے بعد نئی شریعتوں اور ہدایات ربانی کے سلسلے جاری ہوں گے۔

قرآن کریم کی تفسیر سمجھنے کے لئے بلکہ کسی بھی متکلم کے کلام کو سمجھنے کے لئے سیاق وسباق کا سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ ورنہ صرف ''لَاتَقْرَبُواالصَّلٰوۃَ'' (النساء:۴۳) کی آیت سے حرمتِ صلاۃ کا حکم سمجھا جائے گا۔ لیکن جب اس کے سیاق وسباق پر نظر رہے گی تو اس آیت کا صحیح مفہوم واضح ہوگا۔ اور وہی مرادِ شارع ہوتا ہے۔

اس لئے اس مقام پر بھی اس آیت کا صحیح مفہوم مراد شارع یہی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے یہاں تمام بنی آدم کو تمام انبیاء اور تمام رُسل اور تمام شرائع کی اتباع کی تلقین تمام ارواح بنی آدم کو جمع کر کے فرمائی تھی۔ جس کا ان آیات مذکورہ میں بیان ہے۔

اُسلوبِ قرآنی سے اس کی تائید

ان آیات کے سیاق وسباق اور مخصوص خطابات کے علاوہ اگر ہم قرآن حکیم کے عمومی اسلوب بیان میں تامل کریں کہ: ''یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ، یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ، یٰۤاَیُّھَاالنَّاسُ، یٰۤاَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' یہ اسالیب خود بتاتے ہیں کہ پہلے قسم کا پہلا خطاب جملہ بنی آدم کے لئے۔ دوسرا مخصوص خطاب بنی اسرائیل کے لئے، تیسرا خطاب اُمتِ دعوت کے لئے اور چوتھا خطاب اُمتِ اجابت

کے لئے ہے۔ یہی قرآن کریم کا عمومی اسلوب خطاب ہے۔

جب حق تعالیٰ شانہ نے یا بنی آدم کہہ کر حضرت آدم کی ذریت کو متوجہ فرمایا تو اس وقت اس کا وہ خطاب مخصوص بنی اسرائیل یا مخصوص اُمتِ محمدیہ کے لئے نہ تھا۔ کہ ان کا مخصوص وجود تو متحقق ہی نہ تھا۔ اگر اسے اُمتِ محمدیہ کے لئے سمجھا جائے تو نہ تو وہ جملہ بنی آدم ہیں نہ وہ اس وقت موجود تھے۔ یہ قصہ اس وقت کا ہے جب حضرت آدم ابلیس کے ورغلانے کے بعد جنت سے نکلے اور زمین پر اترے اور اس خطاب کا مورد بنے۔ سورۂ اعراف ہی میں ان جملہ خطابات کے علاوہ خصوصی اُمتِ محمدیہ کے نام بھی خطاب ہے جو عمومی خطاب کے ذکر کے علاوہ ہے جس میں حضرت خاتم النّبیین کی بعثت کا ذکر یوں ہوا ہے۔

''قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا'' (الاعراف:۱۵۸) آپ فرما دیجئے کہ میں اللہ کی طرف سے تم سب کے لئے رسول ہوں۔ اس میں آپ کی اُمت کا خصوصی ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نبی امی کے متبع ہیں، لوگ جن کا ذکر تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں امر بالمعروف کرتے ہیں اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ ان کے نبی ان کے لئے اچھی چیزوں کو حلال اور خبائث کو حرام کرتے ہیں۔

قرآن کی سورۂ ''اعراف'' میں اولاً: جملہ انبیاء اور جملہ شرائع ربانی کا عمومی ذکر ہے پھر خاتم النّبیین اور ان کی شریعت کا خصوصی ذکر ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے بعد قادیانیت کو ہماری مخلصانہ دعوت تامل ہے وہ غور کریں کہ یہ آیت اور اس جیسی دیگر آیات کسی بھی اعتبار سے حضرت خاتم النّبیین کے بعد اجرائے نبوّت کو بیان کرتی ہیں نہ کسی مجدد و مفسر نے اس آیت کی ایسی تفسیر کی ہے کہ یہ سلسلہ نبوّت کو آنحضرت کے بعد بھی جاری رکھنے کو بیان کر رہی ہے۔ ہاں ایک فرد مرزا غلام احمد کا یہ استدلال ہے تو کیا تمہارا

اُمت کے سلف صالحین کی بات ماننا اجماع سے خارج کسی انسان کی بات ماننے سے زیادہ تمہارے لئے نفع بخش ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اجرائے نبوّت کی یہ دلیل نہیں اور ختمِ نبوّت کی بیسیوں آیات اور احادیث صحیحہ دلیل ہیں اور صحابہ کرام سے روز اول سے تا حال اُمت کا اس کے جملہ طبقات سمیت عقیدہ ختمِ نبوّت پر اجماع ہے کہ حضرت خاتم النّبیین کے بعد کوئی نبی نہیں۔ تمہاری سعادت بھی اُمت کے سلف وخلف کے ساتھ مربوط اور ان سے جڑے رہنے میں ہے۔

قادیانیت کے ہاں اجرائے نبوّت کی دوسری دلیل

قادیانیت حضرت خاتم النّبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوّت پر استدلال کے طور پر دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔ سورۂ ''حج'' آیت ۷۵ میں آیا ہے:

''اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ''

''اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں میں سے رسولوں کا انتخاب فرماتے ہیں۔''

لفظ ''یَصۡطَفِیۡ'' فعل مضارع ہے جو حال اور استقبال پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے آیت کا یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ اللہ کا رسولوں کو چننا حال میں بھی ہے اور مستقبل میں بھی ہوگا۔ لہٰذا رسالت کا دروازہ کھلا ہے اور نبوّت کی بعثت ہمیشہ جاری رہے گی۔ اور رسالت کا یہ سلسلہ انسانوں میں بھی جاری رہے گا اور فرشتوں میں بھی۔

ہمارا مناقشہ

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ آیت حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوّت کی دلیل ہے تو یہ رسالت عامہ ہے۔ اور مرزا صاحب کا دعویٰ تو نبوّت خاصہ کا ہے۔ تو عمومی

رسالت کی دلیل خصوصی نبوّت کو ثابت نہیں کرسکتی ہے۔ لہٰذا دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے خود بخود ساقط ہوگئی۔

نیز مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک تو لفظ ''رسول'' ایک عام کلمہ ہے۔ جو مجدد، محدث، ملہم اور رسول سب کو شامل ہے۔ پھر اس سے مراد نبوّت ہی کیونکر ہوسکتی ہے؟

مرزا غلام احمد ''ایام صلح'' ص:۱۹۵ مندرج در ''روحانی خزائن'' ج:۱۴ ص:۴۱۹ میں لکھتا ہے:

''رسول کا لفظ عام ہے یعنی مجدد محدث ملہم بھی رسول ہیں۔''

(نیز دیکھئے: آئینۂ کمالات اسلام ص:۳۲۲، روحانی خزائن ج:۵ ص:۳۲۲، وشہادۃ القرآن ص:۲۸، روحانی خزائن ج:۶ ص:۳۲۳۔)

اسی طرح وہ ''نور القرآن'' مندرج در ''روحانی خزائن'' ج:۹ ص:۴۴۴ میں لکھتا ہے:

''عام لفظ کو خاص معنی میں محدود کرنا صریح شرارت ہے۔''

لہٰذا اولاً:- مرزا صاحب یا کسی قادیانی کا لفظ ''رسول'' کو مرزا صاحب کی نبوّت خاصہ پر محدود کرنا بقول مرزا کے صریح شرارت ہے۔ کیونکہ قرآنی آیت میں تو کہیں ظلی نبوّت، بروزی نبوّت، اُمتی رسالت ونبوّت کا ذکر نہیں تو اس رسالت سے مخصوص نبوّت کو مراد لے کر حضرت خاتم النّبیین کے بعد اجرائے نبوّت پر استدلال کرنا درست نہیں۔ جب دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں ہے۔ تو خود بخود ساقط ہوگئی۔

ثانیاً:- آیت مذکورہ میں لفظ ''اصطفاء'' خود بتارہا ہے کہ یہ کسبی رسالت ونبوّت نہیں ہے۔ یہ تو من جانب اللہ وہبی رسالت ہے جبکہ مرزا کی نبوّت کسبی نبوّت ہے۔ لہٰذا یہ دلیل بھی

دعویٰ کے عدم توافق کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہے۔

ثالثاً:- آیت مذکورہ میں لفظ ''یَصۡطَفِیۡ'' مضارع کا صیغہ ہے۔ جو کہ حال اور مستقبل دونوں پر دلالت کرتا ہے۔لیکن بیک وقت ایک ہی معنی پر اس کی دلالت ممکن ہے۔ یا تو وہ حال پر دلالت کرے یا مستقبل پر۔ اگر حال پر دلالت کرتا ہو تو معنیٔ استقبال پر دلالت نہیں ہوسکتی اور اگر مستقبل پر دلالت کرے تو معنیٔ حال پر دلالت ممکن نہیں۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ یہ آیت کریمہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے نہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی پر۔حق تعالیٰ شانہ لوگوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت انتخاب رسل میں یہ ہے کہ وہ جسے چاہیں بطور رسول انتخاب فرماتے ہیں۔تو جس ذات عالی نے اپنے سابقہ رسولوں کا انتخاب فرمایا ہے اسی رب تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا ہے۔ اور وہی تو رب ہے جس نے ان کے انتخاب کے بارے میں یہ بھی صریح فرما دیا کہ یہ رسول بھی ہیں اور خاتم النّبیین بھی ہیں۔

تو ''یَصۡطَفِیۡ'' کا کلمہ حال کے لئے ہے جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت کے عین مطابق ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا انتخاب فرمایا ہے اس نے اس حال میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور نبی اور رسول آپ کے زمانہ میں اصطفاء فرمایا ہے۔ اور اس کا بیان بھی قرآن نے بتا دیا کہ ان کا اصطفاء بطور رسول اللہ اور خاتم النّبیین کے ہوا ہے۔

تو یہ آیت اپنے معنی میں ان تمام انبیائے سابقین علیہم السلام کا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب شدہ تھے اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بطور خاتم النّبیین آئے انتخاب فرمانا بتا رہی ہے۔ اس آیت کا حضرت خاتم النّبیین کے بعد میں اصطفاء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور نہ آپ کے بعد یہاں پر اصطفاء کا کوئی ذکر ہے۔ اور نہ اس بات کا ذکر ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پہلے اصطفاء کرتے رہے ہیں، وہ مستقبل میں بھی اسی طرح اصطفاء کرتے رہیں گے۔ اگر کسی کا بھی اصطفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا ہوتا تو اس کی صراحت اور ذکر و بیان تو پہلوں کے ذکر سے زیادہ ضروری تھا کہ ان سے اس اُمت نے ملنا تھا پھر بعد والوں کا زمانہ مذکورہ آیت کے زمانہ نزول سے مستقبل ہی میں تھا مگر اس کا ذکر بالکل ناپید ہے۔

اس کی مثال ہمیں ایک اور قرآنی آیت میں یوں ملتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

''كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③'' (الشوریٰ)

''اے پیغمبر! اللہ غالب وحکمت والا ہی آپ کی طرف اور آپ سے پہلوں کی طرف وحی کرتا ہے۔''

اس آیت میں لفظ ''يُوْحِيْٓ'' فعل مضارع ہے۔ اس میں حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے انبیاء کی وحی کا ذکر ہے۔ یہ بعینہٖ ''يَصْطَفِيْ'' کی طرح ہے۔ اس میں حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلوں کے انتخاب کی تصریح ہے اور بعد والوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کا معنی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے رسولوں کا انتخاب فرمایا ہے اور اس زمانہ حال میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب ہوا ہے کسی دیگر کا نہیں ہے، مستقبل میں تو کسی کے انتخاب کا سوال ہی نہیں، کیونکہ جن کا حال میں بیان ہو رہا ہے، وہ ''خاتم النّبیین'' ہیں۔ آج مرزا غلام احمد کے دعویٰ کے وقت میں تو آیت ماضی زمانہ کی حکایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی بعثت فرمائی گئی تھی۔ قادیانیت کو تو اپنے مرزا کی

نبوّت اور جدید حالیہ نبوّتوں کے لئے نئی آیت کو پیش کرنا ہوگا۔

سابقہ نبوّتوں کا ذکر کسی طور پر ان کی نبوّت یا مستقبلی نبوّتوں کی حجت نہیں بن سکتا۔ نیز ہمارا قادیانیت سے سوال ہے کہ جب تم نبوّت کے دروازے کو بند نہیں کرنے دیتے تو بعثت خاتم النّبیین سے مرزا غلام احمد تک کوئی نبوّت بھی ثابت کر کے دکھاؤ۔ اگر مرزا سے پہلے کسی کی بعثت نہ ہوئی تو مرزا غلام احمد کو بھی ایک صدی گزر گئی ہے۔ اس کے بعد ہی کسی نبی کی بعثت ثابت کردو۔ پھر تمہارے نت نئے وہ آنے والے نبی کیسے ہوں گے؟ ہر ملک کے اعتبار سے یا شہر وقریہ کے اعتبار سے؟ نبوّت کے جاری رہنے سے نبوّت کے بھیجنے والے کے عمل کا کیا نتیجہ اور ما حصل ہے؟ ذرا اس کا جواب بھی سوچ لیں۔

قادیانیت کے ہاں اجرائے نبوّت کی تیسری دلیل

قادیانیت حضرت خاتم النّبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوّت کے استدلال کے طور پر تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔ سورۂ ''نساء'' آیت ۶۹ میں آیا ہے:

''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾''

(النساء)

''جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت میں ہوگا۔''

طریقۂ استدلال

اس آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت سے اُمتِ محمدیہ میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور

صالحین بننے کا ذکر ہے۔

جب مسلمان اللہ اور رسول کی اطاعت سے صدیقین، شہداء اور صالحین بننے کے قائل ہیں تو اطاعت سے نبی بننے کے کیوں منکر ہیں؟ اس لئے جس طرح اطاعت سے صدیق، شہید اور صالح بنتے رہیں گے، اسی طرح اُمتِ محمدیہ میں مطیع نبی بھی آتے رہیں گے۔

اس اعتبار سے یہ آیت حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اجرائے نبوّت کی دلیل ہے مگر وہ نبی، مطیع نبی ہوں گے جیسے مطیع صدیق، مطیع شہید اور مطیع صالح۔ جب تین درجوں کا حصول اطاعت سے ممکن ہے تو نبوّت کا کیوں نہیں؟

مسلمانوں کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت سے مطیع لوگوں کی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی معیت ورفاقت حاصل ہوگی۔ یہ غلط ہے بلکہ وہ خود ان چاروں درجات کو اطاعت سے حاصل کریں گے۔ اور یہاں پر لفظ ''مع'' اس معنی میں استعمال ہوا جس معنی میں آیت: ''وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝۱۹۳'' (آل عمران) میں ہے کہ ہمیں ابرار میں سے بنا کر موت دینا۔

ہمارا مناقشہ

ہم کہتے ہیں کہ:

اولاً: – یہ آیت حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ صحابہ کرام اس کے نزول کے گواہ ہیں۔ پھر اُمت کے جملہ طبقات، وہ اصحاب رسول ہوں یا تابعین، یا تبع تابعین، ائمہ وفقہاء ہوں یا محدثین ومفسرین ومجددین (بلکہ وہ تمام مجددین جو قادیانیوں کے ہاں

مجددیت میں مسلمہ ہے اور قادیانیت نے اپنی تالیف عسل مصفی میں مجدد شمار کیا ہے)۔ کسی نے بھی آج تک اس آیت کی یہ تفسیر بیان نہیں کی، نہ مرزا غلام احمد کی طرح اس آیت سے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوّت پر استدلال پیش کرنے کی کسی نے بھی جسارت کی ہے۔

لہٰذا قادیانیت کا نبوّت تک پہنچنے کا استدلال صرف اس کی اپنی تحریف ہے جس میں اُمت کے کسی طبقہ کی اس کو حمایت حاصل نہیں۔ اس اعتبار سے قادیانیت کا اجماعِ اُمت سے خروج خود بقول مرزا غلام احمد قادیانی اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور پوری انسانیت کی لعنت کا موجب ہے۔ (کیونکہ اجماع سے خروج کا یہی حکم مرزا غلام احمد کا بیان کردہ ہے)۔

ثانیاً:- خود مرزا غلام احمد کے مشہور شاگرد لاہوری قادیانی گروپ کے بانی اور صدر معروف قادیانی مفسر مولوی محمد علی نے خود ہی قادیانیوں کو اس خطرناک تحریف سے ڈرایا کہ ''منعم علیہ'' بندوں والی آیت میں لفظ نبی کے آنے سے انہیں عظیم ٹھوکر نہ لگنی چاہیئے۔

وہ لکھتا ہے:

> ''یہاں نبی کا لفظ آ جانے سے بعض لوگوں کو یہ ٹھوکر لگی ہے کہ خود مقام نبوّت بھی اس دُعا کے ذریعہ سے مل سکتا ہے اور گویا کہ ہر مسلمان ہر روز بار بار مقام نبوّت کو ہی اس دُعا کے ذریعے سے طلب کرتا ہے۔ یہ ایک اُصولی غلطی ہے، اس لئے کہ نبوّت محض موہبت ہے اور نبوّت میں انسان کی جدوجہد اور اس کی سعی کو کوئی دخل نہیں۔ ایک وہ چیزیں ہیں جو موہبت سے ملتی ہیں اور ایک وہ جو انسان کی جدوجہد سے ملتی ہیں۔ نبوّت اول میں سے ہے۔ پس مقام نبوّت کے لئے دُعا کرنا ایک بے معنی فقرہ ہے''۔

گویا مولوی محمد علی کے نزدیک منعم علیہ بندوں کی معیت کی دُعا تو درست مگر نبوّت کا مرتبہ پانے کی تمنایا دُعا کا تصوراس کے نزدیک گمراہی بلکہ اصولی غلطی ہے۔

ثالثاً:-منعم علیہ بندوں والی آیت میں بیان شدہ ترتیب میں اولاً نبی ہیں، پھر صدیق ہیں، پھر شہداء ہیں پھر صالحین ہیں۔

قادیانیت ''واؤ'' کے ترتیب کے لئے آنے پر بہت زور دیتی ہے تو یہاں بھی ''واؤ'' ترتیب کے لئے ہے۔ان کے ضابطے کے مطابق منعم علیہ، یا اللہ تعالیٰ اور رسول کے مطیع بندے اولاً نبی بنتے ہیں۔ پھر صدیق پھر شہید پھر آخر میں صالحین۔

ہم قادیانیت کو دعوت تامل دیتے ہیں اگر:

''واؤ'' ترتیب کے لئے ہے تو وہ لازم آتا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں۔لہٰذا ان کی ترتیب والا ضابطہ تو ان کے اپنے قول وعقیدہ سے ہی ٹوٹ گیا۔لہٰذا یہ بات مسلم ہے کہ منعم علیہ بندوں میں سے اس آیت میں اول الذکر انبیاء ہیں پھر صدیق ہیں پھر شہید ہیں پھر صالحین ہیں۔ اور اللہ اور رسول کے مطیع کو ان کی معیت حاصل ہوگی مگر قادیانیت اس سے اطاعت سے ملنے والی نبوّت کو جاری رہنے کی بات کس وجہ سے کرتی ہے؟۔

رابعاً:- ہم کہتے ہیں کہ سورۂ نساء کی اس آیت میں جس سے قادیانیت نے اجرائے نبوّت ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے۔ وہ طاعت سے مذکورہ درجات کی معیت کے حصول کو بیان کر رہی ہے جسے پوری صراحت سے حق تعالیٰ نے شروع میں لفظ ''مع'' اور آخر میں لفظ ''رفیق'' لاکر متعین فرما دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: جو کوئی اللہ اور رسول کا مطیع ہوگا وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور

صالحین کی معیت میں ہوگا جو بہترین رفقاء ہیں۔

قرآن نے تو مطیعوں کو نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی معیت کی بشارت دی ہے جن کی معیت بہترین رفاقت ہے۔ یہاں سے مطیع کا نبی بننا کیسے ثابت ہوا؟

قادیانی تحریف

قادیانیت نے مذکورہ آیت کے الفاظ میں لفظِ ''مع'' اور لفظ ''رفیق'' کو یکسر بھلا کر اس میں یہ تحریف کی کہ اللہ اور رسول کا مطیع نبی ہوسکتا ہے۔ اور یوں قادیانیت نے آیتِ قرآنی میں الٹے معنی ڈال دیئے جس کو قرآن الحاد فی آیات اللّٰہ سے تعبیر کرتا ہے۔ قادیانیت کہتی ہے کہ ''مع'' اپنے معنی میں نہیں بلکہ ''من'' کے معنی میں چلا گیا ہے۔

لہٰذا جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ نبیوں میں سے ہوگا، صدیقوں میں سے ہوگا، شہداء میں سے ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا۔ لہٰذا

اس اُمتِ محمدی کے مطیع نبی	.....	سابقہ نبیوں کے ساتھ۔
اس اُمتِ محمدی کے مطیع صدیق	.....	سابقہ صدیقوں کے ساتھ۔
اس اُمتِ محمدی کے مطیع شہداء	.....	سابقہ شہداء کے ساتھ۔
پھر اس اُمتِ محمدی کے صالح	.....	سابقہ صالحین کے ساتھ۔

اور معیت و رفاقت جس کے بیان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور پوری اُمت، اصحاب رسول سے تا حال یہی معنی کرتی رہی، قادیانیت نے اس سے یکسر خروج کرلیا۔ اس کا یہ عمل تفسیر و تاویل نہیں بلکہ کھلی تبدیلی اور تحریف ہے۔

ایسا کیوں کیا؟

قادیانیت کا اسلوب ہے کہ وہ مسلم اُمت کے مسلّمہ عقائد میں تشکیک پیدا کرنے کی

خاطر خود قاعدے بنا کر اسے علمائے اُمت کی طرف یا اپنے کسی عقیدہ وقول کو کسی سلف کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جس کی مثالیں ہم اسالیب قادیانیت میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

الحاصل قادیانیت کا یہ عمل کئی جرائم پر مشتمل ہے۔

۱- اِجماعِ اُمت سے خروج۔

۲- الفاظ قرآنی میں الحاد وتحریف۔

۳- مسلّمہ عقائد میں تشکیک۔

۴- انسانیت کی تضلیل۔

۵- اپنے غیر شرعی عقائد کا اثبات۔

۶- غیر شرعی عزائم کی تکمیل۔

ہمارا فریضہ

قادیانیت کے اس عمل میں اسے حریت رائے کا حق ہے تو ہمیں حریت تحقیق کا علمی حق ہے جسے استعمال کرنے سے اولاً:- شرعی نصوص کا تحفظ ہوگا۔ ثانیاً:- قرآن کے مدلول کا تحفظ ہو۔ ثالثاً:- مسلمہ عقائد کا تحفظ ہو۔ رابعاً:- انسانیت پر حق وصواب واضح ہوگا اور اس کا افصاح وبیان ہوگا۔ خامساً:- عقائد صحیحہ کی تثبیت ہوگی۔ سادساً:- غیر شرعی عمل کی اصلیت اور ایسا کرنے والے لوگوں کے عزائم پر لوگ مطلع ہوں گے۔ اور ہماری غرض ان سب سے نصیحت اور بھلائی ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کا قول مبارک ہے: دین بھلائی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ: کس کے لئے؟ فرمایا: اللہ، اس کے رسول اور مؤمنین کے لئے۔

اللہ کی کتاب کی درست تفسیر وبیان اللہ کے ساتھ نصیحت ہے۔

سنت رسول کا صحیح بیان رسول اللہ کے ساتھ نصیحت ہے۔

اور اہل ایمان کے سامنے حق کا افصاح و بیان ان کے ساتھ نصیحت و بھلائی ہے۔

حق وصواب کیا ہے؟

اس عمل نصیحت کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ سورۂ نساء کی مذکورہ آیت میں قادیانیت نے عدل وانصاف، لغت اور سلف سب سے ہٹ کر یکسرا الگ موقف اختیار کیا ہے۔ اس آیت کی صحیح اور صائب تفسیر یہ ہے کہ ''اس میں حق تعالیٰ شانہ اللہ اور رسول کے مطیع کو چاروں درجات والوں یعنی نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی معیت کی بشارت دیکر یہ بتارہے ہیں کہ یہ تمہارے بہترین رفیق ہیں۔ لہٰذا تم حق تعالیٰ شانہ سے صراط مستقیم اور منعم علیہم بندوں کے راستہ پر چلنے کی دعا کرتے رہو، تاکہ تمہیں ان کی معیت حاصل رہے جو بہترین رفاقت ہے۔

اس آیت میں ان مقامات کے حصول کا ذکر سرے سے ہی نہیں ہے۔ یہی جملہ مفسرین کی تفسیر ہے۔

ہم مزید تاکید کے لئے اس آیت کی شان نزول کا یہاں تذکرہ کرتے ہیں تاکہ اس آیت کے صحیح مفہوم کے سمجھنے میں معاونت ملے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی (آزاد کردہ غلام) تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت فرماتے تھے۔ آپ کی فرقت کے تصور سے بھی گھبراتے تھے۔ ایک دن وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا رنگ فق تھا، جسم میں کمزوری تھی، حزن وملال کے آثار ان کے چہرے پر نمایاں تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ: ثوبان! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ: یارسول اللہ! مجھے کوئی بیماری یا تکلیف نہیں مگر جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میرا اشتیاق آپ کی طرف اور بڑھ جاتا ہے۔ میری وحشت اور گھبراہٹ اس وقت تک دور نہیں ہوتی جب تک آپ کی زیارت نہیں

ہوتی ہے۔ پھر جب آخرت کا سوچتا ہوں تو یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ وہاں شاید آپ کو نہ دیکھ سکوں کیونکہ آپ تو اعلیٰ درجات میں حضرات انبیاء کے ساتھ ہوں گے اور میں تو اگر جنت میں داخل بھی ہوا تو بھی کسی دور کے درجہ میں ہوں گا۔ اور اگر نہ داخل ہوا تو پھر تو کبھی بھی آپ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ اسی فکر نے میری یہ حالت کردی ہے۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جس نے انہیں مطمئن کردیا کہ اللہ اور رسول کے مطیع نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت میں رہیں گے۔

اس شان نزول سے اس بات کی بھی تعیین ہوجاتی ہے کہ آیت کی نص اور نزول ہر دو ان اہل درجات کی معیت ہی کو متعین کررہے ہیں۔ ان درجات کے حصول یا وصول پر اس کو حمل کرنا محض تحریف ہے۔

مزید تحقیق کے لئے

قرآن حکیم کی ایک آیت جو سورت حدید میں درجات کے حصول میں ہے جو ان درجات کو بیان کررہی ہے وہ یوں ہے:

''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ'' (الحدید:۱۹)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی اپنے ربّ کے ہاں صدیقین اور شہداء ہیں۔''

مؤمنین چونکہ اطاعت سے نبوّت کو حاصل نہیں کرسکتے لہٰذا اس آیت میں جہاں ایمان والوں کے اطاعت سے درجات کو پانے کا بیان ہے، وہاں نبوّت کا یکسر ذکر ہے ہی نہیں کیونکہ نبوّت اطاعت سے حاصل ہونے والا منصب نہیں محض اللہ کا انتخاب ہے جس کا سلسلہ حضرت

خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے۔

دعوتِ تأمل

قرآنِ حکیم کی اس آیت نساء میں اطاعت سے نبوّت ملنے کی تاویل قادیانی اگر ان کے ہاں مسلم ہے تو کیا یہ تمام درجات ظلی و بروزی ہیں یا اصلی اور حقیقی ہیں؟ اگر مطیع بندے اصلی صدیق اصلی شہید اور اصلی صالحین بن جاتے ہیں تو انہیں نبوّت کیونکر ظلی اور غیر حقیقی، غیر تشریعی، غیر فعلی ملتی ہے؟ کس دلیل نے نبوّت اور دیگر درجات میں تفریق کی ہے کہ اطاعت سے ملنے والی نبوّت ظلی ہو مگر دیگر درجات حقیقی ہوں؟ کیونکہ حقیقی نبوّت کا حصول تو قادیانیت کے ہاں بھی ممکن نہیں صرف ظلی نبوّت مخصوص نبوّت، بروزی نبوّت، وغیرہ وغیرہ جتنی قسمیں نبوّت کی وہ کرتے ہیں انہیں کا حصول ممکن ہیں جن میں سے بقول قادیانیت تین درجے تو حقیقی اور اصلی ہوئے مگر نبوّت ظلی و بروزی ہوئی ہے جس قول کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت وحق یہی ہے کہ یہ آیت جیسا کہ اس کے صریح الفاظ اور اس کے شان ونزول سے واضح ہے محض اطاعت ربانی اور اطاعت رسول سے ان اصحاب درجات کی معیت ورفاقت کی خوشخبری دے رہی ہے۔

کوئی اُمتی اطاعت سے نہ نبی پہلی اُمتوں میں بنا، نہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنے گا۔ انبیائے سابقین کا بھی اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا اور سیّدالرسل کا بھی اسی نے انتخاب فرمایا اور انہیں خاتم النّبیین بنا کر ان کے بعد بعثت نبوّت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند فرمایا۔ اسی لئے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہر مدعی نبوّت کے کذاب اور دجال ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

دعوتِ تأمل

ہم مکرر قادیانیت کی تاویل جو مخالف اِجماعِ اُمت ہے اس سے متأثر ابنائے قادیانیت

کو دعوت تامل دیتے ہیں کہ صحابہ کرام سے بڑھ کر مطیع رسول کون تھا؟ کون مخلص خادم اور محبّ رسول تھا؟ کون کامل فرماں بردار تھا؟

کیا ان میں سے کوئی اللہ کی اطاعت سے منصب نبوّت حاصل کر سکا؟ یقیناً جواب نفی میں ہے۔تو ان کے بعد تا قیامت کوئی اُمتی اطاعت سے کبھی بھی اس منصب تک نہیں پہنچ سکتا جو خاتم النّبیین پر ختم کیا جا چکا ہے۔

اوّل المؤمنین خلیفۂ رسول اللہ،صدیق اکبر تو بنے مگر ’’اُمتی نبی‘‘ یا ’’مطیع نبی‘‘ نہ بن سکے۔

خلیفۂ ثانی عمر بن الخطاب جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:’’اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہی ہوتا!‘‘ وہ شہید ہوئے مگر مقامِ نبوّت نہ پا سکے۔

تو کون ہے وہ تابعِ کامل، عاشقِ صادق،ان کے علاوہ جو کمالِ اطاعت سے اس مقام کو پا سکتا ہے؟

یاد رکھیں اطاعت سے نبوّت کا تصور اسلامی نہیں نہ کسی دیگر آسمانی دین میں اس کا کوئی وجود ہے۔ یہ صرف اور صرف غیر اسلامی، غیر سماوی قادیانی نقطۂ نظر ہے جس کی کوئی شرعی دلیل اور آسمانی حجت نہیں ہے۔

عجیب تناقض در قادیانیت اور کلام مؤسس

ایک طرف تو قادیانیت اطاعت سے نبوّت کے منصب تک پہنچنے پر زور لگاتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ مرزا غلام احمد کے ان اقدامات اور کھلے بیانات کو آج تک حذف نہ کر سکی۔ وہ لکھتا ہے:

’’ہمارے سیّد ورسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الأنبیاء ہیں اور بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نبی نہیں آسکتا۔اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے۔''

(شہادۃ القرآن ص:۲۸، روحانی خزائن ج:۶ ص:۳۲۳، ۳۲۴۔)

مرزا غلام احمد کے اس بیان نے قادیانیت کی جملہ تاویلات کو یکسر جھٹلا دیا، بلکہ بقول قرآن کریم: ''وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ط'' (النحل:۹۲) تم اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جس نے اپنا سارا دھاگا محنت سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

یہی قادیانیت اور مرزا غلام احمد کے مذکورہ عمل کی نظیر ہے جو قرآن میں ثبت ہے۔

قرآنِ کریم قادیانیت کی تاویل کے خلاف

قرآن حکیم کی کتنی آیات میں وہی لفظ ''مع'' معیت کے لئے آیا ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ ہونے کو بیان کرتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کا عین ہونے کے لئے ہرگز نہیں آیا۔ جس طرح مطیع بندہ نبوّت کی معیت تو پاسکتا ہے مگر وہ عین نبی نہیں ہوسکتا۔

قرآن کہتا ہے:

✡ ''وَهُوَ مَعَهُمْ'' (النساء:۱۰۸):- اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان میں سے ہوگیا۔

✡ ''إِنِّي مَعَكُمْ ط'' (المائدۃ:۱۲):- میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ ہرگز نہیں کہ اللہ فرشتوں میں سے ہوگیا۔

✡ ''إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج'' (التوبۃ:۴۰):- یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہوگیا۔

✡ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' (الانفال): - اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ صابرین میں سے ہوگیا۔

حدیث پاک قادیانیت کی تاویل کے خلاف

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں یہ دُعا فرماتے رہے: ''مع الرفيق الأعلى في الجنة۔ '' اسی طرح ''مع الذين أنعمت عليهم '' اوراسی طرح آپ کا قول ''مع النّبيين والصديقين والشهداء والصالحين۔ ''

کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رفیق اعلیٰ (باری تعالیٰ) بننے کی دُعا فرمائی؟ یا نبی بننے کی دُعا فرمائی؟ یا معاذ اللہ وہ صدیق نہیں تھے، صدیق بننے کی دُعا فرمائی؟ وہ شہید نہیں تھے، شہید بننے کی دُعا فرمائی؟ وہ صالح نہیں تھے، صالح بننے کی دُعا فرمائی؟ (العیاذ باللہ!)

ابنائے ملت قادیانیت تامل کریں کہ ان کی تحریف کی زد کہاں کہاں پہنچتی ہے؟ ''مع'' کے معیت کے معنی میں ہونے کی بیسیوں مثالیں قرآن وحدیث میں موجود اس قادیانی تحریف کی تکذیب کررہی ہیں۔

خود مرزا کا کلام قادیانی تاویل کی تکذیب میں

مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے:

> ''تم پنج وقتی نمازوں میں یہ دُعا پڑھا کرو ''إهدنا الصراط المستقيم '' یعنی اے ہمارے خدا اپنے منعم علیہ بندوں کی ہمیں راہ بتا۔ وہ کون ہیں؟ نبی اور صدیق اور شہید اور صلحاء۔ اس دُعا کا خلاصہ مطلب یہی تھا کہ ان چار

گروہوں میں سے جس کا زمانہ تم پاؤ اس کے سایہ صحبت میں آجاؤ اور اس سے فیض حاصل کرو۔''

(تحفہ گولڑویہ ص:۱۳۲، روحانی خزائن ج:۱۷ ص:۲۱۸۔)

مرزا کے اس صریح بیان نے منعم علیہ والی آیت سے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوّت پر استدلال کو خود ہی باطل کردیا ہے کہ وہ ان کی معیت میں آئیں گے نہ کہ ان درجات کو پالیں گے۔

مرزا غلام احمد اپنے عربی منظوم میں اہل مکہ کے لئے دعا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"وفقكم الله معية الأنبياء والرسل والصديقين والشهداء والصالحين۔"

(حمامۃ البشریٰ ص:۱۵۹، روحانی خزائن ج:۷ ص:۳۲۵۔)

''اللہ تعالیٰ تمہیں نبیوں، رسولوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی معیت کی توفیق بخشے۔''

نیز اس نے اہل مکہ کے لئے ''حمامۃ البشریٰ'' ص:۹۶ مندرج در ''روحانی خزائن'' ج:۷ ص:۳۲۵ میں یہ دعا کی ہے:

"نسأله أن يدخلكم في ملكوته مع الأنبياء والرسل والصديقين والشهداء والصالحين۔"

''ہم اس سے یہ طلب کرتے ہیں کہ وہ تمہیں اپنی ملکوت میں نبیوں، رسولوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی معیت میں داخل کرے۔''

ذرا غور کریں کہ کیا مرزا نے اہل مکہ کے لئے نبوّت کی دُعا کی تھی؟

مجددین کی تفسیر قادیانی تحریف کے خلاف

قادیانی امام رازی کو مجددین کی فہرست میں شمار کرتے ہیں۔ وہ ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں کیا کہتے ہیں؟ حکمت ربانی میں غور کیجئے کہ سینکڑوں برس پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان وقلم پر وہ جاری فرمادیا جس نے صراحت سے قادیانی تحریف کی تغلیط فرمادی۔

وہ ''مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ'' یعنی منعم علیہ بندوں والی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ اور رسول کے مطیع انہیں درجات میں بعینہ ہوں گے کیونکہ یہ مستحیل ہے۔ پھر انہی کے قول نے آیت ''وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾'' کی تفسیر میں بھی قادیانی تحریف کی قلعی کھول دی۔ وہ فرماتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر اوران کی وفات ان کی معیت میں ہونا، کا معنی یہ ہے کہ وہ ان جیسے اعمال کر کے اس دنیا سے جائیں تا کہ قیامت کے دن ان جیسے درجات پا سکیں۔ جیسے کوئی شخص کہتا ہے: میں اس مسئلہ میں امام شافعی کے ساتھ ہوں۔ یعنی ان جیسی رائے رکھتا ہوں۔

حکمتِ ربانی

یہ تکوینی امر ربی ہے کہ آٹھ سو سال قبل امام رازی کے قلم سے حق تعالیٰ شانہ نے قادیانیت کے اس استدلال کا ابطال کھلے الفاظ میں جاری فرمادیا ہے۔

قادیانیت کے ہاں حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوّت کی چوتھی دلیل

قادیانی حضرت خاتم النّبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوّت کے استدلال کے طور پر چوتھی دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔ سورۂ ''نور'' آیت ۵۵ میں آیا ہے:

''وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ص'' (النور:۵۵)

''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اہل ایمان اور نیک اعمال والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور بضرور تم کو زمین پر خلافت دے گا جیسا کہ تم سے پہلے والوں کو خلافت دی تھی۔''

طریقۂ استدلال

اس آیت میں اُمتِ محمد یہ کے اندر یقینی طور پر خلفاء ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلی اُمتوں میں ان کی ذریت میں انبیاء کے خلفاء ہوتے تھے اور وہ بھی انبیاء ہی ہوتے تھے۔

تحقیق ومناقشہ

اس آیت قرآنی سے خلفائے رسول اکرم سے لے کر آج تک اُمتِ مسلمہ کے کسی فرد نے خلفاء سے مراد انبیاء نہیں لیا۔ نہ صحابہ کرام نے، نہ تابعین اور تبع تابعین، نہ ائمہ مجتہدین، مفسرین ومحدثین اور فقہاء نے۔

بلکہ خود مرزا غلام احمد ''شہادۃ القرآن'' ص:۵۷ مندرج در ''روحانی خزائن'' ج:۶ ص:۳۵۳ میں لکھتا ہے:

''کیونکہ خلیفہ دراصل رسول کا ظل ہوتا ہے پس جو شخص خلافت کو ۳۰ برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظرانداز کرتا ہے۔''

پھر وہ اسی کتاب ''شہادت القرآن'' کے صفحہ:۵۹ مندرجہ ''روحانی خزائن'' ج:۶ ص:۳۵۵ پر رقم طراز ہے:

''نبی تو اس اُمت میں آنے کو رہے۔ اب اگر خلفائے نبی بھی نہ آویں

اور وقتاً فوقتاً روحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلاویں تو پھر اسلام کی روحانیت کا خاتمہ ہے۔''

مرزا غلام احمد جو قادیانیت کے مؤسس اور بانی ہیں، اس کا یہ بیان قادیانیت کے لئے کافی ہونا چاہئے کہ وہ ان کے نزدیک ملہم ہے۔ اس نے خود خلیفہ کو نبی کے معنی میں نہیں لیا ہے۔ لہٰذا اس سے تمہارا اجرائے نبوّت پر استدلال خود تمہارے بانی نے ہی باطل کردیا ہے۔

جبکہ خلفائے راشدین، خلفائے بنی امیہ، خلفائے بنی عباس، خلفائے مسلمین میں سے کسی نے اِدّعائے نبوّت کیا نہ اس سے اجرائے نبوّت پر استدلال کیا ہے۔

بلکہ خلفائے راشدین، اور ان کے بعد تمام طبقات اُمت، وہ مفسرین ہوں یا ائمہ مجتہدین ہوں یا محدثین خلافت کے قائل اور آپ ﷺ کے بعد نبوّت کے ختم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

دعوتِ ناصحانہ!

ہم نہایت اخلاص کے ساتھ ابنائے قادیانیت کو اجرائے نبوّت اور ختمِ نبوّت کے دلائل میں مقارنہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ ہمارے اس ترتیب شدہ مقالے کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو حق وحقیقت کو یقیناً پالیں گے۔

حق تعالیٰ شانہ انہیں اور جملہ انسانیت کو حضرت خاتم النّبیین کے دامن سے وابستگی کی نعمت عطا فرمائے۔ اور پھر انہیں حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل عاطفت میں جگہ نصیب فرمائے تاکہ وہ آخرت میں ظل رحمان میں آجائیں جس دن سوائے اس کے عرش کے کوئی ظل نہ ہوگا۔

خلاصہ مبحث

یہ مبحث مندرجہ ذیل نقاط پر مشتمل ہے:

۱- حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت اور آپ کے بعد اجرائے نبوّت دو متضاد نظریات ہیں اور ہر نظریہ کے حامل افراد مستقل اُمت ہیں۔

۲- ہر صاحب نظریہ کے نظریاتی واجبات میں، چند سوالات کے شرعی جوابات ہیں۔

۳- بقول قادیانیت مرزا کی نبوّت مخصوص نوع کی نبوّت ہے جس کی نظیر پہلوں میں نہ تھی۔ اس کا تقاضا ہے کہ اس کی دلیل بھی عام رسالت کی دلیل نہ ہو بلکہ خصوصی نبوّت کی دلیل ہو۔ جب ایسا نہیں تو دلیل ساقط اور دعویٰ بھی باطل۔

۴- لوگوں میں سے رسل کا معنی اللہ کے انبیاء ورسول نہیں بلکہ دعاۃ ومبلغین ہیں۔

۵- مرزا کے اپنے پیروکاروں میں موجود اصولی اختلاف قابل تامل ہے۔

۶- معیت ایک کے دوسرے کا عین ہونے کا تقاضا نہیں کرتی۔

۷- قادیانیت کا اِجماعِ اُمت سے ہٹ کر نصوصِ شریعت میں تحریف کی غرض اسلامی مسلمات میں تشکیک پیدا کرنا ہے۔

نمبر ⑭ از سلسلۂ ’’دِین بھلائی ہے‘‘

لفظ’’ خاتم‘‘ کا لغوی معنی و مفہوم
’’خاتم النّبیین‘‘ کا شرعی مدلول
بمعنی’’ آخری نبی‘‘
قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمتِ اسلامیہ کی روشنی میں

خلاصہ مبحث

اس بحث میں مندرجہ ذیل اُمور بیان ہوں گے:

۱-لفظ خاتِم اور خاتَم کا لغوی معنی اور خاتم النّبیین کا مدلول ''آخرالنّبیین''۔

۲- خاتم کا شرعی معنی اور قرآنی مدلول جس میں سترہ آیات قرآنی کا حوالہ کے طور پر بیان ہوگا۔

۳-سنت مطہرہ میں سے (۲۰) بیس احادیث کی روشنی میں خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی کا بیان۔

۴- اُمتِ مسلمہ کے مختلف طبقات- جیسے: طبقہ صحابہؓ، طبقہ محدثین، طبقہ مفسرین، طبقہ فقہاء، طبقہ متکلمین، اہل سلوک وتصوف- کے نزدیک ''خاتم النّبیین'' کے مدلول کا بیان۔

۵- کتب قدیمہ سے ''خاتم النّبیین'' کے مدلول کا بیان۔

۶- قادینت کو دعوت تامل اور حق وصواب کو اختیار کر لینے کی دعوت۔

تمہید

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام مجید میں آقائے نامدار فخر موجودات سیّد الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی ذکر کر کے اس اسم کے مبارک مسمّٰی کے لئے جس خصوصی اعزاز کا ذکر فرمایا ہے وہ یوں ہے:

''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط'' (الاحزاب:۴۰)

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں۔''

اس آیت میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی اعزاز، ان کے ''خاتم النّبیین'' ہونے کا بیان ہے۔

''خاتم'' کا لغوی مفہوم

اس آیت کریمہ میں لفظ ''خاتم'' ''تا'' کے فتحہ کے ساتھ یعنی ''خاتَم'' اور ''تا'' کے کسرہ کے ساتھ یعنی ''خاتِم'' دونوں طرح آتا ہے۔ ''خاتَم'' اور ''خاتِم'' دونوں کے مشترکہ معانی مندرجہ ذیل پانچ ہیں۔ پھر ایک ایک معنی ہر ایک کا مخصوص ہے، جو دوسرے میں نہیں۔

۱:-نگینہ مہر جس پر نام کندہ ہو۔ ۲:-انگوٹھی جو اُنگلی میں پہنی جاتی ہے۔ ۳:-قوم کا

آخری، یہ اکثر مستعمل ہے۔ ۴:- گدھی کے نیچے کا گڑھا۔ ۵:- گھوڑے کے پاؤں میں تھوڑی سی سفیدی۔ یہ پانچوں ''خاتَم'' اور ''خاتِم'' میں مشترک ہیں۔

۶:- خاتَم کے ساتھ خاص معنی، مہر کا نقش جو کاغذ پر طبع ہوتا ہے، (یہ خاتِم کا معنی نہیں ہے)۔

۷:- خاتِم کے ساتھ خاص معنی، جس سے کسی شئ کو ختم کیا جائے، (یہ خاتَم کا معنی نہیں ہے)۔

ان سات معانی میں مستعمل یہ دونوں خاتَم اور خاتِم ہیں مگر پہلے پانچ معانی دونوں میں مشترک ہیں اور نمبر ۶ خاتَم کے ساتھ خاص ہے جب کہ نمبر ۷ خاتِم کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا ''خاتم'' چھ معانی میں مشترک ہوا۔

آیت خاتم النّبیین میں معنی خاتم کا تعین

قرآن کریم میں ''خاتم النّبیین'' ہونا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور اعزاز ہے لہٰذا اس میں انگوٹھی، نگینہ یا مہر حقیقی طور پر مراد نہیں ہو سکتے ہیں، نہ ہی گدی کا گڑھا اور گھوڑے کے پاوں کی سفیدی کا کسی عقل مند کو وہم بھی ہوسکتا ہے نہ ہی ''مہر کا نقش'' معنی بن سکتا ہے، صرف دو کا احتمال رہ جاتا ہے ایک ''آخری'' دوسرا ''ختم کرنے والا''۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کا معنیٰ ''انبیاء کا آخری اور انہیں ختم کرنے والا'' رہ گئے، جب قرآن میں ''ت'' کے فتحہ اور کسرہ ہر دو طرح آیا ہے، تو خاتم کو ''ت'' کے فتحہ سے پڑھیں گے تو اس کا معنی خاص ''آخری'' ہے، اور جب خاتِم کو ''ت'' کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنی خاص ''ختم کرنے والا'' ہے۔

اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم

السلام کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں، اور وہ سلسلۂ نبوّت کے ختم کرنے والے ہیں۔

لغت اور عقیدۂ اُمتِ مسلمہ

محض عربی لغت میں نظر کرنے والا منصف اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ جاتا ہے کہ جب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنص قرآن ''خاتَم النّبیین'' ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف نبوّت پانے والے بنی نوع انسانوں میں سے آپ ہی وہ آخری انسان ہیں جنہیں اس اعزاز سے اللہ کی طرف سے یوں نوازا گیا ہے، کہ ان کے بعد کسی انسان کو نبوّت کا منصب عطا نہیں کیا گیا ہے، نہ عطا ہوگا۔ پھر جب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتمِ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف نبوّت پانے والوں کے سلسلے کو آپ نے ختم فرمادیا۔ تو آپ کے بعد کوئی انسان نبوّتِ ربانی کا منصب نہیں پا سکتا، کیونکہ یہ سلسلہ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتِ گرامی پر ختم فرمادیا ہے۔

اگر کوئی منصف اور طالبِ حق محض عربی لغت کو ہی دیکھ لے، تب بھی اُمتِ مسلمہ کے عقیدے کی صحت کے لئے یہ کافی ہے، کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوّت کے آخری، اور اس سلسلے کے ختم کرنے والے ہیں، یعنی وہ سب انبیاء سے آخر میں آئے اور ان پر نبوّت ختم ہوگئی ہے۔

علمائے تفسیر اور خاتم النّبیین کا مفہوم

۱- علامہ راغب اصفہانی ''مفردات القرآن'' میں کہتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین فرمایا گیا ہے، کیونکہ آپ کی آمد سے نبوّت کا سلسلہ ختم فرمایا گیا ہے۔ اسی ''مفردات'' کے بارے میں علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قرآنی لغات میں اس جیسی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ (یاد رہے کہ امام سیوطیؒ کا نام قادیانیوں نے مجددین کی فہرست

میں درج کیا ہوا ہے)۔

۲-سیدہ ''محکم'' میں کہتے ہیں: ''اور ہر شیٔ کا خاتم یا خاتمہ آخری ہونا ہے۔''

۳-علامہ آلوسیؒ ''روح المعانی'' میں کہتے ہیں کہ ''خَاتَم'' اسم آلہ ہے، جس کا معنی ہے مہر لگانے کا آلہ جیسے ''طابع'' اسم آلہ ہے، جس سے طبع کرتے ہیں تو خاتم النّبیین کے معنی ہے، جس سے انبیاء کے سلسلے کو مستقل طور پر بند کر دیا گیا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوّتِ ربانیہ کے ختم کرنے والے ہیں۔

۴-علامہ ازہریؒ نے ''تہذیب'' میں لکھا ہے کہ خاتَم اور خاتِم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ناموں میں سے ہیں قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ''، ''خاتم النّبیین'' یعنی انبیاء علیہم السلام میں آپ آخری ہیں۔

۵-''لسان العرب'' میں ہے: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور خاتَم یا خاتِم کا معنی آخری ہونا ہے۔

لغوی ضابطہ یہ ہے کہ لفظ خاتِم یا خاتَم جب قوم کی طرف مضاف ہو تو معنی قوم کا آخری ہوگا اور مضاف الیہ بتائے گا کہ وہ کس کا آخری ہے؟۔

۶-''تاج العروس'' میں ہے کہ خاتَم اور خاتِم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ہیں اور آپ کی ذاتِ گرامی وہ ہے، جن کی آمد سے سلسلۂ نبوّت ختم ہو گیا۔

۷-''مجمع البحار'' میں ہے کہ خاتَم اور خاتِم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہیں خاتَم ''ت'' کے فتحہ سے معنی ہے ''آخری''۔ اور خاتِم ''ت'' کے کسرہ سے معنی ہے وہ جس پر اس سلسلے کو ختم کیا گیا ہے۔

۸- ابوالبقاءؒ نے ’’کلیات‘‘ میں لکھا ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی خاتم الانبیاء اس لئے ہوا کہ خَاتَم قوم کا آخری ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ‘‘ تو اس آیت نے وضاحت فرمادی کہ آپ کا نام خاتم النّبیین اس لئے ہے کہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں۔

صاحب کلیات لکھتے ہیں کہ جب قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی نبوّت کی نفی فرمادی جو عام ہے تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی رسالت کی نفی بھی بطور اَولیٰ ہوگی، کیونکہ عام کی نفی سے خاص کی خود بخود نفی ہوجاتی ہے، لہٰذا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا تشریعی یا غیر تشریعی رسول نہیں آسکتا۔

ائمہ لغت کی ان تصریحات سے لفظ خاتَم اور خاتم النّبیین کا مفہوم متعین اور خوب واضح ہوگیا کہ خاتم کا معنی آخری اور خاتم النّبیین کا معنی آخری نبی ہونا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل النّبیین ہونا مع خاتم النّبیین ہونے کے

قرآن حکیم کی آیت مذکورہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب خاص ’’خاتم النّبیین‘‘ کا بیان ہے، یہ اس امر کے لئے نص قطعی ہے کہ آپ نبوّت ورسالت ربانی سلسلے کی آخری کڑی ہیں، آپ کی آمد کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی شخص کو کسی بھی قسم کی نبوّت ورسالت نہیں ملے گی، آپ کا آخری نبی ہونا صرف آپ ہی کا خصوصی اعزاز ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ کا افضل الرسل ہونا آپ کا دیگر شرف ہے، اور یہ دونوں آپ کی ذاتِ گرامی میں جمع ہیں۔ آپ کا آخری نبی ہونا آپ کے افضل الرسل ہونے کے منافی نہیں، اور نہ ہی آپ کا افضل الرسل ہونا آپ کے آخری نبی ہونے کے منافی ہے، دونوں آپ کے شرف واعزاز ہیں، اور ہر دو

کوقرآن حکیم نے الگ الگ بیان فرمایا ہے۔

سبھی جانتے ہیں کہ قرآن حکیم میں ایک جگہ باری تعالیٰ کی طرف سے لئے گئے اس عہد ومیثاق کا ذکر موجود ہے جو انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا، اور ہر نبی سے اس نبی کی اطاعت اور نصرت کا عہد لیا گیا جو سب کے بعد آنے والے ہیں، یعنی سلسلہ نبوّت کی آخری کڑی ہیں، اور تمام انبیاء کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ تو گویا افضل الرسل تو وہی ہے جو خاتم النّبیین ہیں، ہماری غرض اس جگہ صرف اسی امر کا بیان کرنا ہے کہ خاتَم اور خاتِم کے الفاظ لغت میں وضع اور قرآن میں استعمال ہی صرف ''آخری'' اور ''ختم کرنے والے'' کے لئے ہوئے ہیں، پھر یہ لفظ ''خاتَم یا خاتِم ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ ہیں، جو سلسلۂ نبوّت کے آخری ہیں اور اسے ختم کرنے والے ہیں۔

یہ بھی یادرہے کہ لغت عربی میں جو لفظ ایک سے زئد معنوں کے لئے ہو اسے مشترک کہتے ہیں، اور جو ایک ہی متعین معنی کے لئے وضع ہو پھر اس میں اقرار سے بھی اور دیگر معنی سے انفرادیت بھی ہو، اسے خاص کہا جاتا ہے، اور یہ لفظ خاتَم یا خاتِم مشترک تو ہیں، مگر ان معانی میں جن کا ذکر ہم نے پہلے کر دیا ہے، رہا ''افضل'' تو وہ ان میں نہیں ہے، کہ کوئی کہے ''خاتم'' ''افضل'' اور آخری میں مشترک ہو، اور وہ دونوں کا احتمال رکھے، پھر اس میں یہ گنجائش ہو کہ ایک فریق ''آخری'' معنی مراد لے لے، اور دوسرا فریق ''افضل'' مراد لے لے۔ جیسے کہ بعض قادیانی حضرات کہتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔

کیونکہ مشترک کی تعریف یہ ہے، کہ وہ ایک سے زائد معانی کے لئے ابتداءً وضع ہو، لہٰذا ''خاتم'' کی ''افضل'' پر دلالت وضعی ہے ہی نہیں، کہ ''آخری'' اور ''افضل'' ہر دو میں اس کا اشتراک بنے، لھذا یہ کہنا سراسر جہالت ہے۔

دجل اور اہم نکتہ

یاد رکھنے کے لئے یہ نہایت اہم نقطہ ہے، کہ اگر کوئی لفظ مجازی طور پر کسی معنی میں استعمال ہوتو اس مجازی استعمال کو ہرگز ہرگز لفظ کا معنی نہیں کہا جاتا، جیسے کہ:

کسی شخص نے بہادر آدمی کو ''شیر'' کہہ دیا۔

یا مکار آدمی کو ''لومڑی'' کہہ دیا۔

یا بہت باتیں کرنے والے کو ''کوّا'' کہہ دیا۔ تو اس مجازی استعمال کی وجہ سے ''شیر'' کا معنی بہادر، یا لومڑی کا معنی مکار، یا کوّے کا معنی باتونی نہیں ہوگا۔ نہ کوئی عقل مند ایسے کہے گا، کہ شیر کا لفظ ''بہادر مرد'' اور ''جنگل کے بادشاہ'' ہر دو میں مشترک ہے۔ یا لومڑی کا لفظ لغت میں ''مکار شخص'' اور ''مخصوص جانور'' ہر دو میں مشترک ہے، یا کوّے کا لفظ ''باتونی شخص'' اور ''پرندے'' میں مشترک ہوگیا ہے۔

لٰہذا عوام اگر مبالغہ کے طور پر کسی شخص کو اس کے علم میں کثرت کی بناء پر مبالغہ کے طور پر یہ کہہ دیں کہ فلاں صاحب ''خاتم العلماء'' ہے، کہ ان پر علم ختم ہے، یا فلاں محدث ''خاتم المحدثین'' ہے، کہ ان پر فن حدیث ختم ہے۔ یا فلاں فقیہ ''خاتم الفقہاء'' ہے، کہ ان پر فقاہت ختم ہے، یا فلاں خطیب ''خاتم الخطباء'' ہے، کہ ان پر خطابت ختم ہے۔ اس کا یہ ہرگز ہرگز مطلب نہیں کہ لفظ ''خاتم''، ''افضل'' اور ''آخری'' میں مشترک، کیونکہ کسی فن میں آخری کو تو صرف علاّم الغیوب ہی جانتے ہیں، رہا لوگوں کا مذکورہ قول تو اس میں دو احتمال ہیں، ا:- یہ کلام جھوٹ ہے، کہ قائل وہ کہہ رہا ہے جس کا اسے علم نہیں۔ یہ کلام بطور مبالغہ ہے، اور متکلم کی غرض اس فن میں اس کی افضلیت کو بیان کرنا ہے، اور یہ مجازی استعمال ہے جو قائل کے کلام کو جھوٹ سے بچانے کی خاطر ہے، اس کا ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ شخص جسے ''خاتم المحدثین'' یا ''خاتم الفقہاء'' کہا گیا

ہے، وہ آخری محدث یا آخری فقیہ ہے، کہ اس کے بعد کوئی محدث نہ ہو، یا فقیہ نہ ہو۔ کیونکہ بندہ تو عالم الغیب نہیں، وہ تو صرف مجازاً برائے مبالغہ یہ کہہ رہا ہے، کہ یہ فن فلاں پر ختم ہے، یہی مجاز ہے جو حقیقت کے خلاف ہے اس کو کیا خبر کہ اس زمانے میں دیگر کس قدر اس فن کے ماہر ہیں، یا اس کے بعد اس فن میں کیسے کیسے ماہر پیدا ہوں گیا کتنے بڑے بڑے خطیب، کتنے بڑے بڑے فقیہ، کتنے بڑے بڑے محدث، کتنے بڑے بڑے مفسر موجود ہیں، یا آئندہ پیدا ہوں گے یہ صرف علام الغیوب ہی جانتا ہے، کسی انسان کا کسی کو کسی فن میں آخری بتانا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ مبالغہ کے طور پر کہنا ہو جو مجاز ہے۔ ۲۔ یا سراسر جھوٹ ہو کہ جس کا علم نہیں رکھتا وہ بات کہہ رہا ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب ہے اس کا علم ہر شئے پر محیط ہے اسے انبیاء میں آخری کا علم ہے، وہی ہے جو نبیوں کو نبوّت اور رسولوں کو رسالت عطا کرنے والا ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو آخری نبی فرمایا، تو یہ حقیقت ہے اس کا کلام مجاز برائے مبالغہ نہیں، نہ معاذ اللہ کذب ہے، بلکہ وہ عین حقیقت اور عین حق وصواب ہے، کیونکہ یہ فرمان عالم الغیب اللہ کا ہے، اب اللہ جل مجدہ فرمائے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''خاتم النّبیین'' ہیں تو یہ فرمان باری تعالیٰ حق وحقیقت ہے، کیونکہ قائل عالم الغیب ہے، وہ نبیوں کو بھیجنے والا ہے، وہ ماضی، حال اور مستقبل کو جاننے والا ہے، لہٰذا اس کے قول ''خاتم النّبیین'' کا معنی صرف اور صرف یہی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، وہ سلسلۂ نبوّت کے خاتم ہیں، ان پر نبوّت ورسالت ربانی ختم ہے، باری تعالیٰ کا قول مجاز برائے مبالغہ نہیں نہیں کہ اس کو نبوت میں مبالغہ کے طور پر استعمال کیہ کر خاتم کے معنی افضل لے کر نبی خاتم کے بعد کسی کی جھوٹی نبوّت کو سہارا دیا جائے، خود مہبطِ وحی ربانی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس احتمال کو یہ کہہ کر: ''أنا خاتم النّبیین، لا نبی بعدی'' میں خاتم النّبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں اس مجاز کے

احتمال کو یکسر ختم ہی فرما دیا، یہ اس لئے فرمایا کہ کوئی شخص دجل کر کے حق و باطل کو خلط نہ کر سکے۔

خاتمیتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی بیان کی طرف اجمالی اشارہ

قرآن حکیم کی تمام وہ آیات جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوّت کے پوری انسانیت کے لئے ہونے اور آپ کی شریعت کے، آپ کے دعوئ نبوّت سے لے کر قیامت تک کے لئے جملہ انسانیت کے لئے دستور حیات ہونے کو بیان کرتی ہیں، وہ سب آیات آپ کی خاتمیت بمعنی آخری نبی ہونے کو بیان کر رہی ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ:

''قُلْ يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا''

(الاعراف:۱۵۸)

''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾'' (الانبیاء)

''ہم نے آپ کو سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا''

(سبا:۲۸)

''ہم نے آپ کو جملہ انسانیت کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

الفاظ قرآنیہ: ''جمیع''، ''عالمین'' اور ''کافۃ للناس'' بلا تخصیص و استثناء پوری انسانیت کو شامل ہیں وہ جس زمانے میں ہوں، جس خطۂ ارض پر مقیم ہوں،

جس زبان اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں، سبھی کے لئے جو ذات اقدس نبی اللہ، رسول اللہ اور اُسوۂ حسنہ ہے وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ہے۔

اس قرآنی اجمال کی کچھ تفصیل

اب ہم قرآن حکیم کی ان آیات کے بارے میں جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''آخری نبی'' اور ساری ''انسانیت کے نبی'' اور رسول اللہ ہونے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے پوری انسانیت کی شریعت ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان کا کچھ تفصیلی بیان کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱:-ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' (الاحزاب:۴۰)

''حضرت محمد... صلی اللہ علیہ وسلم... تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں۔''

قرآن حکیم کی آیت ''خاتم النّبیین'' میں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خصوصی اعزاز ہے اس کا مفہوم و مدلول خود ذات خاتم النّبیین اور اَصحابِ رسولؐ کے نزدیک کیا ہے؟ اس کا مطالعہ پیش ہے:

۱-مشہور محدث ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خلقت میں سب انبیاء سے اول اور بعثت میں سب انبیاء سے آخر میں ہوں۔لفظ ''خاتم النّبیین'' کا یہ مفہوم خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نزدیک متعین ہے۔ اب آپ کی تفسیر کے بعد آپ کے خلاف کسی کی تفسیر یا تاویل محض تحریف ہی ہوگی، جسے قرآن حکیم نے الحاد فی آیات اللہ سے تعبیر کیا ہے کہ کوئی شخص قرآنی الفاظ کے ایسے معنی بتائے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے معنی کے خلاف ہوں۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی بھی تاویل لائق التفات نہ ہوگی۔

۲- امام سیوطیؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے ''خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ''حق تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر انبیاء کو ختم فرمادیا اور آپ کو آخری نبی کے طور پر مبعوث فرمایا ہے۔''

''خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں:

"ختم اللّٰہ النّبیین بمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکان آخر من بعث ...إلخ"

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج۶ ص:۲۱۸)

''اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر انبیاء کو ختم فرمایا۔ وہ آخری انسان ہیں جو نبی مبعوث ہوئے...الخ۔''

اس کا یہ صاف مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد کسی شخص کو منصب نبوّت سے نہیں نوازا، نہ نوازے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو قربِ قیامت آئیں گے تو ان کو نبوّت کا منصب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عطا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں، آپ کے بعد یہ اعزاز کسی کو بھی نہ ملے گا۔

امام سیوطیؒ نے شعبیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے پاس ایک شخص نے کہا: ''صلی اللہ علی محمد خاتم النّبیّین لا نبی بعدہ'' اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خاتم النّبیین ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ یاد رہے کہ امام سیوطیؒ کا یہی مذہب ہے کہ خاتم النّبیین وہ ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہیں، اور امام سیوطیؒ کا نام قادیانیت کے ہاں مجدّدین کی فہرست میں شامل ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ امام سیوطیؒ نے اپنی اس تحقیق کی نسبت کو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور اپنے سے پہلے سلف صالحینؒ کی طرف سند متصل سے بیان فرمایا ہے۔

یاد رہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر نبوی، تفسیر صحابہ کرامؓ، تفسیر تابعینؒ کے بعد کسی کی تحریف لائق التفات نہیں ہوسکتی۔

۳- امام طبریؒ حضرت قتادہؒ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی: ''وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط'' کی تفسیر میں یوں نقل فرماتے ہیں ''کہ اللہ نے انہیں رسول اللہ اور آخری نبی بنایا۔''

۴- امام طبریؒ نے ''آیت خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں فرمایا:

"ولکنه رسول اللّٰه وخاتم النّبيين الذی ختم النبوة فطبع عليها، فلا تفتح لاحد بعده الی قيام الساعة، وبنحو الذی قلنا قال اهل التاويل۔"

''لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں اور خاتم النّبیین ہیں، جنہوں نے نبوّت کو ختم کردیا، اس پر ایسی مہر لگادی کہ آپ کے بعد قیامت تک وہ کسی کے لئے نہیں کھلے گی۔''

نیز امام طبریؒ فرماتے ہیں ''یہی جملہ اہلِ تفسیر نے خاتم النّبیین کا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

ابن جریر طبری نے حضرت علی بن الحسینؓ کا ''خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ ''خاتَم النّبیین'' اور ''خاتِم النّبیین'' ہر دو کا مدلول یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

۵- زمخشری ''کشاف'' میں لکھتے ہیں کہ خاتَم تاء کے فتحہ سے کا معنی ہے ''مہر لگانے والا آلہ'' اور ''نقش کرنے کا آلہ''۔ اور خاتِم تاء کے کسرہ کے ساتھ ''ختم'' کا اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے ختم کرنے والا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات سے بھی اسی کی تقویت ہو رہی ہے۔ ان کی قرات یوں ہے: ''ولکن نبیًّا ختم النّبیّین'' ''لیکن آپ ایسے نبی ہیں جنہوں نے انبیاء کا سلسلہ ختم فرما دیا۔''

پھر زمخشری ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ آپ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح آخری نبی ہیں جب کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخری زمانے میں نازل ہوں گے؟

تو اس کے جواب میں وہ خود ہی فرماتے ہیں کہ مَیں کہتا ہوں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخرالانبیاء ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبوّت نہیں ملے گی اور عیسیٰ علیہ السلام کو تو آپ سے پہلے نبوّت مل چکی ہے۔

اس طرح قادیانیت یا دیگر کسی فرقے کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حضرت خاتم النّبیین کی بعثت کے بعد دوبارہ اس دنیا میں آمد پہ اعتراض کہ ''یہ ختمِ نبوّت کے منافی ہے'' اس کا جواب زمخشری نے نہایت ہی آسان اور واضح اُسلوب میں دے دیا ہے۔

۶- سیّد آلوسیؒ ''روح المعانی'' میں خاتم النّبیین کا مدلول یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم ہونے کا صاف معنی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعزاز

سے موصوف ہونے کے بعد اس کائنات میں انس وجن میں سے کوئی دیگر شخص وصف نبوّت سے موصوف ومتصف نہیں ہوسکتا اور اس امر پر پوری اُمتِ مسلمہ کا ایسا پختہ اجماع ہے، جس میں کسی کو کوئی اشکال نہیں ہے، اسی پر قرآن وسنت شاہد ہیں۔ اسی پر ایمان لانا اہل ایمان کا واجب ہے۔ اس عقیدہ ختمِ نبوّت کا منکر کافر ہے۔

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول تو وہ اس عقیدہ کے اس لئے منافی نہیں کہ انہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شرف نبوّت سے نوازا گیا ہے۔

۷-تفسیر خازن میں ''خاتم النّبیین'' کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا، لہٰذا نہ آپ کے بعد کسی کی نبوّت ہوگی نہ آپ کے ساتھ کسی کی نبوّت ہوگی۔

۸-امام نسفیؒ خاتم النّبیین کے معنی میں کہتے ہیں کہ خاتَم تاء کے فتحہ کے ساتھ طابع کے معنی میں آتا ہے جس کا مطلب ہے'' آخری''، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی کو شرف نبوّت سے نہیں نوازا جائے گا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ آپ سے پہلے نبی بنائے گئے ہیں اور خاتِم تاء کے کسرہ کے ساتھ طابع اور ختم کرنے والے کے معنی میں ہے۔

۹-زرقانی نے'' المواہب الدینیہ'' کی شرح میں'' خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں لکھا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی اعزاز ہے کہ آپ انبیاء ومرسلین کے خاتم ہیں، یعنی آخری نبی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر سلسلۂ نبوّت ختم فرمادیا ہے۔ امام احمدؒ اور ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' رسالت اور نبوّت منقطع ہوگئی، سواَب میرے بعد کوئی رسول نہیں۔'' نیز فرمایا کہ:'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ختمِ نبوّت کے

خلاف نہیں کہ وہ آپ سے پہلے نبوّت کے شرف سے شرف یاب ہوئے ہیں اور جب تشریف لائیں گے تو آپ ہی کے دین پر ہوں گے۔''

۱۰- قاضی عیاضؒ ''خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: ''جس کسی شخص نے خود اپنے لئے نبوّت کا دعویٰ کیا، یا نبوّت کو کسی طریقے سے پالینا رَوا رکھا، یا نبوّت تک قلب کی صفائی سے پہنچنا جائز کہا، جیسے کہ فلاسفہ اور غالی صوفی کہتے ہیں، پھر اسی طرح ان میں سے کسی نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا اور یہ کہا کہ اسے وحی ہوئی ہے، چاہے اس نے نبوّت کا دعویٰ نہ بھی کیا ہو، یا یہ کہا ہو کہ وہ آسمان پر چڑھا، وہ جنت میں داخل ہوا، اس نے حورِعین سے معانقہ کیا، تو ایسے تمام لوگ کفار ہیں اور وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں، کیونکہ آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ''خاتم النّبیین'' ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں، پھر آپ نے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ وہ ''خاتم النّبیین'' ہیں اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث ہوئے ہیں۔ لہٰذا ''خاتم النّبیین'' میں تمام اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ یہ کلام ظاہر ہی پر محمول ہوگا اور اس کا مفہوم متعین ہے اس میں کسی تاویل یا تخصیص کی گنجائش ہی نہیں، لہٰذا ایسے تمام گروہ کے کفر میں قطعی طور پر اجماع ہو چکا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

۱۱- امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النّبیین'' ہونے سے پوری اُمت یہی سمجھتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہ کوئی نبی ہوگا نہ کوئی رسول، اور اس میں کوئی تاویل نہیں کوئی تخصیص نہیں، اگر اس میں کوئی تاویل کرے تو اس کا قول قابلِ اعتبار نہیں، کیونکہ وہ ایسی قرآنی نص کا منکر ہے جس میں کسی تاویل یا تخصیص کی ہرگز ہرگز گنجائش ہی نہیں ہے۔''

یہاں تک تو ہم نے آیت ''خاتم النّبیین'' میں وارِد لفظ ''خاتم النّبیین'' کے قطعی مفہوم کو

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرامؓ، تابعینؒ ائمہ مجتہدین اور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں بیان کر دیا ہے۔

دوسری آیت برائے تعیین مراد خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی

قرآن حکیم کی سورۃ المائدۃ میں جو آیت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت رسالت اور اسلام کے خاتمیت شریعت ہونے پر کھلی دلیل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط'' (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا، اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا، اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دِین پسند کیا۔''

اس آیت کے بارے میں ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ اُمتِ محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے کہ اس نے ان کے دین کو مکمل فرما دیا، اور وہ اب اس کے سوا کسی دیگر دین کے محتاج نہ ہوں گے، نہ اپنے نبی علیہ السلام کے علاوہ کسی دیگر نبی کے محتاج ہوں گے، اسی لئے انہیں ''خاتم الانبیاء'' بنایا گیا ہے۔''

آیت اِکمالِ دین کا شانِ نزول

آیت اِکمالِ دین حجۃ الوداع میں جمعہ کے روز میدانِ عرفات میں نازل ہوئی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسّی روز تک زندہ رہے اور آپ پر حلال وحرام میں سے کوئی امر نازل نہ ہوا۔

الغرض قرآن حکیم کی یہ آیت اُمتِ محمدیہ پر باری تعالیٰ کی طرف سے احسانِ عظیم کا اعلان کر رہی ہے جس کے بارے میں یہود نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ تم ایسی آیت کی تلاوت

کرر ہے ہو کہ اگر ہم میں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو بطور عید کے مناتے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کب نازل ہوئی؟ کہاں پر نازل ہوئی؟ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں تھے؟ واللہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عرفات میں نازل ہوئی اور جمعہ کے دن نازل ہوئی، اس کے نزول کے وقت ہماری دو عیدیں جمع ہوگئیں ایک یومِ عرفہ، دوسرا یومِ جمعہ۔''

بعض راویوں نے حضرت عمرؓ کا یہ جملہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسے ہمارے لئے عید بنایا۔

خازن نے تو حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس آیت کے نزول کے دن ہماری پانچ عیدیں جمع ہوگئیں:

۱- جمعہ، ۲- عرفہ، ۳- یہود کی عید، ۴- نصاریٰ کی عید، ۵- مجوس کی عید۔

جو اس سے قبل ایک دن میں کبھی بھی جمع نہیں ہوئیں اور نہ آئندہ ایک ہی دن میں یہ عیدیں جمع ہوں گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اُمتِ محمدیہ ایسی خصوصیت سے مشرّف ہوئی ہے جس کا اعتراف اہلِ کتاب نے بھی کیا ہے اور اُمت کے دین کا بایں طور کامل ہونا ہے کہ یہ اُمت قیامت تک اپنے عقائد کے باب میں اخلاق کے باب میں عبادات کے باب میں اور معاملات کے باب میں نیز اپنے سیاسی نظام میں اپنے اقتصادی نظام میں اپنی دنیاوی معاش میں یا آخرت کے امور میں کسی دیگر شریعت کی یا کسی دیگر نبوّت کی محتاج نہ ہوگی پھر اس میں اُمتِ مسلمہ کے دین کے تا قیامت باقی رہنے کی بھی بشارت ہے پھر یہ کہ اس دین میں اب قیامت تک نسخ نہ ہوگا یہ قیامت تک مٹ نہ سکے گا، قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں اس کی مخاطب اُمتِ مسلمہ اس عظیم

شرف سے مشرف ہوئی پھر دین کا کمال اور نعمت ربّانی کا اتمام بذات خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''ختمِ نبوّت'' کی عظیم الشان ظاہر و باہر قوی دلیل ہے کہ دینِ محمد کے بعد کوئی دین نہیں، اور نبوّت ورسالتِ محمدیہ کے بعد کوئی نبوّت ورسالت نہیں شریعت محمدیہ کے بعد کوئی شریعت نہیں گویا خاتم الانبیاء خاتم الادیان کے ساتھ مبعوث کئے گئے جن کی اُمت بھی خاتم الاُمم قرار پائی۔ اس آیت کا یہی مفہوم جملہ مفسرین قرآن اور ان تمام مجددینِ دین کے ہاں مسلّم ہے جن کی مجددیت کو قادیانیت بھی تسلیم کرتی ہے انہی مجددین حضرات میں سے ابن اکثیرؒ، فخرالدین رازیؒ، امام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن حجرؒ، ملاعلی قاریؒ، امام محمد بن عبدالوہابؒ، اورامیر صنعانیؒ، محدث عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ ہیں، ان سب کے اسمائے گرامی قادیانی تصنیف ''عسل مصفی'' میں مجددین کی فہرست میں درج ہیں۔

تیسری آیت: آیتِ عہد و میثاق

سورت آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط''

(آل عمران:۸۱)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ تمہیں جو کتاب وحکمت عطا کی ہے پھر تمہارے سب کے بعد ایک رسول آئے جو تمہارے سب کے ساتھ جو کچھ ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ تمہیں ضرور بضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور بضرور اس کی مدد کرنا ہوگی۔''

اس آیت میں اس عظیم عہد ومیثاق کا ذکر ہے جو ازل میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے

اپنے آخری رسول کے بارے لیا جس کا عنوان قرآن کریم نے یہ بتایا کہ صاحب ختم رسالت اگر تمہاری حیات میں مبعوث ہوئے تو تمہیں ان پر ضرور بالضرور ایمان لانا ہوگا اوران کی یقینی طور پر مدد کرنا ہوگی، مذکورہ آیت کی تفسیر میں جملہ مفسرین نے یہی فرمایا ہے۔

زرقانی کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا اس سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا عہد و پیمان لیا۔قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرّسل اور آخر الانبیاء ہونے کی دلیل ہے کیونکہ وہ ذات گرامی جس کے لئے تمام نبیوں سے ایمان ونصرت کا عہد لیا گیا وہ ذات گرامی سب سے آخر میں آئے گی۔اسی لئے ارشاد ربانی ہے:

''ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ'' ''تمہارے بعد ایک رسول آئیں گے۔''

حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے یہ نص صریح ہے کہ صاحب افضلیت صاحب آخریت ہیں یعنی سب سے افضل وہی ہیں جن کی بعثت سب سے آخر میں ہوگی ،تو افضل الرسل، خاتم الرسل ہی ہیں۔قرآن حکیم کی رو سے جملہ انبیاء ربانی کو یہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل اور آخری نبی ہونے کا بتایا گیا تھا،لہٰذا جناب محمد رسول اللہ آخریت اور افضلیت دونوں شرف کے حامل ہیں آیت خاتم النّبیین اگر آپ کے آخری نبی ہونے میں نص قطعی ہے تو یہ آیت میثاق آپ کی افضلیت اور آخریت ہر دو باب میں نص قطعی ہے، اب کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ افضلیت وآخریت میں فصل کر سکے اور کہے کہ وہ آپ کو افضل تو مانتا ہے مگر آخری نہیں اور وہ خاتم النّبیین کو افضل النّبیین ہونے کے معنی میں مانے ،جس طرح قادیانیت کا دجل ہے کہ قادیانی جب آپ کو خاتم النّبیین کہتے ہیں تو آخریت کی نفی کے ساتھ کہتے ہیں اور مسلمان آپ کو آخری اور افضل دونوں وصف کے ساتھ مانتے ہیں۔

چوتھی آیت

''قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۣالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ'' (الاعراف:۱۵۸)

پانچویں آیت

''تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ'' (الفرقان:۱)

چھٹی آیت

''وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ'' (النساء:۷۹)

ساتویں آیت

''اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝'' (یوسف:۱۰۴)

یہ تمام آیات قرانیہ ختمِ نبوّت کے مفہوم کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ یہ ہے کہ ان کی بعثت عمومی اس کائنات کے جملہ انسانوں کے لئے ہے اور وہ تمام عالم کے جملہ مکانوں اور زمانوں کو شامل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت آپ کی رسالت اور شریعت کے عموم میں کوئی تخصیص یا استثناء نہیں، اِنس وجن کا کوئی فرد آپ کی دعوت سے خارج نہیں، آپ قیامت تک تمام زمانوں کے لئے اللہ کے آخری نبی بن کر مبعوث ہوئے ہیں۔

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء رسولوں کے بعد مبعوث ہوئے ہیں، آپ کی نبوّت ورسالت کے عموم نے انسانیت کو کسی بھی دیگر نبوّت سے مستغنی کر دیا، اور آپ کی لائی ہوئی

شریعت کے شمول نے انہیں کسی دیگر شریعت سے مستغنیٰ کر دیا ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس کا بھی نبی ہوں جس نے مجھے زندگی میں پالیا اور اس کا بھی ہوں جو میرے بعد پیدا ہوا۔''

ابن کثیرؒ کہتے ہیں یہ: ''خاتم''، یعنی آخری نبی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز خاص ہے۔

آٹھویں آیت

قرآن حکیم کی آیت:

''وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط''

(الانعام:۱۹)

''آپ فرمادیجئے کہ میری طرف یہ قرآن وحی ہوا تاکہ میں تمہیں اور جن تک یہ قرآن پہنچے سب کو اللہ تعالیٰ سے ڈراؤں۔''

یہ آیت بھی اس باب میں نصِ قطعی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن قیامت تک کے جملہ انسانوں کا دستور حیات ہے۔ یہ آیت قرآن حکیم کے خاتم الکتب ہونے پر حجت قطعی ہے اور صاحبِ قرآن کے آخری نبی ہونے پر بھی حجت قطعی ہے، جن کے بعد کوئی نبوّت نہیں، نہ کسی پر وحی ربّانی نازل ہوگی، کیونکہ خاتم الشرائع اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتر چکی ہے جو خاتم الامم کا قیامت تک کے لئے دستورِ حیات ہے۔

نویں آیت

ارشاد ربانی ہے:

''وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ ج''(ہود:۱۷)

''اور گروہوں میں جو اس کا انکار کرے گا تو آگ ہی اس کا ٹھکانا ہے۔''

جملہ مفسرین جنہیں قادیانیت نے بھی مجدّدیت کا درجہ دیا ہے، بیک زبان کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ''الاحزاب'' (گروہوں) سے مراد تمام اقوامِ عالم ہیں۔ لہٰذا اس آیت نے تمام اقوامِ عالم کی جہنم سے نجات کو صرف اور صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں منحصر کر دیا ہے لہٰذا بشریت کسی دیگر نبی و مرسل کی محتاج نہیں رہی۔

دسویں آیت

ارشادِ ربانی ہے:

''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ'' (النساء:۱۷۰)

''اے لوگو! تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس حق لے کر رسول آ چکے ہیں، تم ایمان لے آؤ! تمہارے لئے خیر ہے۔''

جملہ مفسرین اور مجددینِ ملت کے نزدیک اس آیت میں ''الرَّسُوْلُ'' سے مراد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قدر ہے، انہی پر یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور ''بِالْحَقِّ'' سے مراد وہ دینِ اسلام ہے جسے خاتم النّبیین لائے ہیں اور ''النَّاسُ'' سے مراد تمام انسان ہیں، پھر جب پوری بشریت کی خیریت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں ہے، تو جناب خاتم النّبیین کی بایں طور بعثت بھی بذاتِ خود عقیدہ ختمِ نبوّت کی پختہ دلیل قرار پائی۔

گیارہویں آیت

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۷'' (الانبیاء:۱۰۷)

''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

یہ آیت دو وجہوں سے عقیدہ ختمِ نبوّت پر دلالت کرتی ہے:

پہلی وجہ:- اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی بعثت کا بیان ہے، جسے یہ امر لازم ہے کہ ایسی صاحب نبوّت ہستی آخری نبی ہی ہیں۔

دوسری وجہ:- اس آیت نے اللہ تعالیٰ کے پختہ فیصلہ کا اعلان فرما دیا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اوران پر تمام جہانوں کے لئے ایمان لانا نجات کی ضمانت ہے، دارین میں سعادت کی ضمانت ہے، تو پھر کسی کو کس بنیاد پر کہنے کا حق ہے کہ کوئی دوسرا شخص ان کے قائم مقام ہو گیا جسے ماننا نجات کی ضمانت ہے؟

جس طرح کہ آج قادیانیت اپنے ذرائع ابلاغ عامہ پر کھلے عام یہ اعلان کرتی ہے کہ دنیا کا امن اور انسانیت کی نجات آسمانی مبعوث مرزا غلام احمد کی ذات کو قبول کرنے سے وابستہ ہے۔ اگر معاذ اللہ ایسی بات درست ہو تو حق تعالیٰ شانہ کا مذکورہ آیت میں اعلان غلط ہوا۔

جب اللہ تعالیٰ کا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رحمۃ للعالمین ہو نے کا اعلان سچ اور حق ہے تو پھر کسی دیگر آسمانی مبعوث کے بارے میں اعلان وہ قادیانیت کا ہو یا کسی دیگر کا، لغو و باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین کے اعلان کرنے کے بعد کتنی صراحت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ کے بعد کوئی ہستی نہیں جس پر بطورِ نبوّت ایمان لانا واجب ہو، اور اس کا انکار کفر ٹھہرے، پھر انسانیت کی سعادت کسی دیگر کی نبوّت پر ایمان لانے سے وابستہ رہے۔

لہٰذا آیت رحمت اس امر کو متضمن ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔

بارھویں آیت

ارشاد ربانی ہے:

''وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾''

(النساء)

''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد جب حق اس پر ظاہر ہوجائے اور اِتباع کرے غیر مؤمنین کے راستے کی تو ہم اسے متوجہ کریں گے وہاں جہاں وہ متوجہ ہے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے جو کہ بُرا ٹھکانا ہے۔''

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دیگر نبوّت نے چلنا ہوتا تو آنے والا دو حالتوں سے خالی نہیں:

اولاً:- اس آیت کے مقتضا کے مطابق وہ ''سبیل المؤمنین'' پر چلنے والا ہو۔

ثانیاً:- وہ اپنی نبوّت کے مقتضا کے مطابق لوگوں کو اپنی اتباع کی دعوت دے۔

پہلی صورت:- اگر مدعی نبوّت اہل ایمان کے راستے کا کاربند ہوا، تو یہ منصبِ نبوّت کے منافی عمل ہے۔ نبی، مؤمنین کا پیروکار نہیں ہوتا، وہ تو دوسروں کو اپنی پیروی کی دعوت دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ''

(النساء:۶۴)

''ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا مگر کہ وہ اللہ کے حکم سے دیگر کا مطاع ہو۔''

یعنی دیگر اس کی پیروی کریں، نہ کہ وہ دیگر کی پیروی کرے، لہٰذا اس آیت نے بتایا کہ آنحضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سبیل المؤمنین کا تارک شخص وعید کا مستحق ہے۔

دوسری صورت:- اگر وہ کسی کا مطیع نہیں تو مذکورہ انجام اگر دوسرے اس کے متبع نہیں، تو پھر وہ مطاع بھی نہیں، بلا حاجت نبی ٹھہرا، تو یہ امر بھی حکمتِ شارع کے خلاف ہے کہ وہ بغیر ضرورت کسی کو نبی بنادے۔

لہٰذا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوّت ہر دو صورتوں میں خائب وخاسر ہوگا، مطیع نہ ہوکے بھی اور مطاع نہ ہوکے بھی۔

''سبیل المؤمنین'' کا مطیع نہ ہوا تو ارشاد ربانی ہے: ''نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ'' یہ فیصلہ ہے اور مسلمان بالاجماع اس عقیدے پر قائم ہیں کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِنسانوں کو کسی نئی نبوّت کی ضرورت ہی نہیں۔

لہٰذا قادیانی حضرات کو بھی ہم دعوت تامل دیتے ہیں کہ اس باب میں وہ ''سبیل المؤمنین'' کو ہی اختیار کریں اور اسے ترک کرکے اس وعید سے خود بھی بچیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچائیں جو ''سبیل المؤمنین'' کے تارکین کے لئے قرآن کریم نے تحریر فرمائی ہے۔

تیرہویں آیت

اہل جنت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

''ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾'' (الواقعہ)

''وہ پہلوں میں سے کثیر اور پچھلوں میں سے قلیل ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں ''الآخرین'' کا کلمہ اُمتِ محمدیہ پر بولا گیا ہے، یہ وہ اُمت ہے جن کا نبی آخری نبی ہے اور وہ خود آخری اُمت ہیں، حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہیں ہوگا اور آخرالامم کے بعد کوئی اُمت نہیں ہوگی۔

ابن جریر طبریؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ جل ذکرہ نے پہلی اُمتوں سے کثیر جماعت کا اور اُمتِ محمدیہ سے قلیل کا ذکر فرمایا، اور وہ اُمتوں میں سے آخری ہیں کیونکہ ان کے نبی حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے آخری ہیں یہی پوری اُمتِ مسلمہ کا عقیدہ ہے۔''

ہم ابنائے ملت قادیانیت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اُمتِ مسلمہ کے اس اجماعی عقیدے کو اختیار کر کے صفِ اُمتِ محمدیہ میں شامل ہو جائیں۔ قرآن وسنت اس باب میں اُمتِ مسلمہ کی تائید میں ہیں اور اُمت کے مفسرین ومجددین بھی اسی پر قائم رہے ہیں۔ اُمت سے خروج یا سلف صالحین کے مسلک سے عدول ہرگز ہرگز مفید نہ ہوگا۔

چودھویں آیت

اہل جنت کے بارے میں پھر ارشاد ربانی ہے:

''ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝٣٩ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝٤٠'' (الواقعہ)

''وہ پہلوں میں سے کثیر ہیں اور آخرین میں سب سے بھی کثیر ہیں۔''

اس آیت میں پہلوں اور پچھلوں ہر دو کی کثرت کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ کا اُمتِ محمدیہ کو آخری اُمت قرار دینے کا اعلان ان کے نبی کے آخری ہونے کا بھی اعلان ہے، کیونکہ اُمت کی تشکیل نبی کی نسبت سے ہوتی ہے۔

اس آیت میں پہلوں کے شانِ نزول میں جو مفسرین نے ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یوں ہے کہ پہلی اُمتیں اہلِ جنت میں مجموعی طور پر جس کثیر تعداد میں ہوں گی۔ اُمتِ محمد یہ بذات خود ان سب کے مجموعہ سے کم ہوگی۔ اس مفہوم کو پہلی آیت میں ذکر کردیا گیا ہے مگر چونکہ اُمتِ محمد یہ کی تعداد فی نفسہ بھی بہت زیادہ ہوگی لہٰذا دوسری آیت میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں آخری اُمت کی بذات خود تعداد کثیر ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک طویل حدیث کے آخر میں فرمایا کہ: ''میں نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرما رہے تھے: کیا تم راضی ہو کہ پورے اہلِ جنت کا رُبع (چوتھائی) حصہ تم ہو؟ ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ! پھر آپ نے فرمایا: کیا تم راضی ہو کہ اہل جنت کا ثلث (دو تہائی) حصہ تم ہو؟ تو ہم نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے اُمید ہے کہ تم اہلِ جنت کا نصف ہوگے۔ ہم نے تکبیر کہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾'' (الواقعہ) کہ اہل جنت سابقہ اُمتوں میں سے بھی کثرت سے ہوں گے اور آخرین میں سے بھی کثرت سے ہوں گے۔

پندرہویں آیت

ارشاد ربانی ہے:

''اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾''

(المرسلات)

''کیا ہم نے اوّلین کو ہلاک نہیں کردیا؟ پھر ہم آخرین کو ان کے پیچھے

لائیں گے۔‘‘

اس ارشادگرامی کی تفسیر میں جملہ مفسرین لکھتے ہیں کہ اوّلین سے مراد ان تمام سابقہ اُمتوں کے کفار ہیں جو حضرت خاتم النّبیین صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے، اور آخرین سے مراد اُمتِ محمدیہ کے کفار ہیں۔ اس میں بھی لفظ اوّل نے لفظ آخر کا واضح معنی متعین کر دیا ہے کہ جس نبی کے منکر آخری منکرین ہیں، وہ نبی آخری نبی ہیں، ان کو ماننے والے آخری اُمت ہیں، ان کے نہ ماننے والے آخری منکرین ہیں۔ حضرت خاتم النّبیین صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر اِیمان لانے والے مؤمنین کو آخری اُمت ہونے کا اور نہ ماننے والوں کو آخری منکرین ہونے کا وصف اس طرح ملا کہ حضرت محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا ہمارا معاملہ پہلے منکرین اور آخری منکرین کی ہلاکت کے باب میں ایک ہوگا، اس آیت قرآنی نے بھی جناب محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو وضاحت سے یہاں بیان فرما دیا ہے۔

سولھویں آیت

ارشادِ ربانی ہے:

’’وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ط‘‘

(المائدۃ:۱۰۱)

’’اور اگر تم ان کے بارے میں نزولِ قرآن کے وقت پوچھ لو تو تم پر ظاہر کر دیا جائے۔‘‘

اس آیت میں بیان اشیاء کے لئے حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ کی قید بڑھا کر بتایا گیا کہ نزولِ قرآن کے بعد کوئی ذریعہ وحی کی صورت سے بیانِ اَحکام کا باقی نہ رہے گا۔ یہ آیت نزولِ

قرآن کے بعد انقطاعِ وحی کا اعلان کرتی ہے۔

سترھویں آیت

ارشادِ ربّانی ہے:

''هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ؕ'' (التوبۃ:۳۳، الفتح:۲۸، الصّف:۹)

''اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ تمام ادیان پر اسے غالب کردے۔''

یعنی حق وہی ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، جس کی غرض تمام ادیان پر اسی کا غلبہ ہے، تو وہ حق جسے تمام ادیان پر غالب آنا ہو، اسے لانے والا تمام انبیاء کا آخری نبی ہی ہے، جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی یا رسول نہیں۔

ہم نے ان چند آیاتِ قرآنیہ کو بایں طور ترتیب دیا ہے کہ ہر ذی عقل وشعور یہ سمجھ لے کہ حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کا مفہوم کیا ہے؟ اور وہ ہے ان کا آخری نبی ہونا۔

قرآن حکیم کے نازل کرنے والے کی اس اعزاز عالی مرتبت سے کیا مراد ہے؟ اور وہ ہے اس اعزاز والے کا آخری نبی ہونا۔

خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ارشاد گرامی نازل ہوا وہ اس سے کیا سمجھے تھے؟ حضرات صحابہ کرامؓ کو کیا سمجھ آئی؟ اس کے بعد تابعین اور پوری اُمتِ مسلمہ کے علماء عوام وخواص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے سے ان کا آخری نبی ہونا ہی مراد لیتے ہیں۔

قرآن حکیم کی آیات سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی کتاب ''ختمِ نبوّت'' میں مزید تفصیل ملے گی۔ نیز ہمارے ساتھی فاضل نوجوان جناب مولانا محمد سیف الرحمٰن صاحب، مدرّس گوجرانوالہ نے قرآن حکیم کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ہر سورت سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر استدلال کیا ہے، اس موضوع پر ان کی کتاب کا مطالعہ بھی نہایت مفید رہے گا۔

مذکورہ تفصیل کا پھر سے اجمال برائے تقریر وتثبیت

✡ عربی زبان میں لفظ ''خاتم'' کی وضع اور لغت میں اس کے استعمال ہر دو سے اس لفظ کا معنی صرف اور صرف آخری ہی ہے۔

✡ قرآن حکیم میں ''خاتم النّبیین'' کا وصف تمام انبیاء میں سے خصوصی طور پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی اعزاز خاص ٹھہرا ہے۔

✡ اس لئے جملہ اہل اسلام اور دُنیا کے ذی عقل وشعور تمام انسان سلسلۂ نبوّت کی آخری کڑی صرف اور صرف بلا استثناء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو تسلیم کرتے ہیں۔

✡ آیت خاتم النّبیین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں نص قطعی ہے، یہ الفاظ قطعی الثبوت ہیں، ان کا مدلول ومفہوم بھی قطعی ہے، جس میں کسی دیگر معنی کی گنجائش ہے ہی نہیں۔

✡ قادیانیت کی اللہ کے قطعی ارشاد ''خاتم النّبیین'' کو، جو قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی المدلول بھی ہے۔ اسے ظنی المفہوم بنانے کی سعی کرنا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علام الغیوب کے قطعی ارشادِ گرامی ''خاتم النّبیین'' کو غیب نہ جاننے والی مخلوق کسی

انسان کے کسی دیگر کے بارے ''خاتم المحدثین'' یا ''خاتم المفسرین'' کہنے پر جو بطورِ مبالغہ ہو، اور پھر افضل پر مجازاً حمل کیا جائے، اس پر قیاس کرنا، یہ ''خاتم النّبیین'' کے شرعی مفہوم میں تشکیک پیدا کرنا ہے، جو لغت عربی، قرآن کریم کے اُسلوب، مذکورہ ودیگر آیات قرآنیہ، خود منزّلِ قرآن (ذاتِ باری تعالیٰ) اور مہبطِ قرآن (ذاتِ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم)، شہودِ قرآن حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین ائمہ محدثین، مفسرین، علمائے اسلام اور جمہور اُمتِ محمدیہ کے ہاں مُسلَّمہ عقیدے سے فرار ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں اِلحاد فی آیات اللہ ہے کہ اس کے کلام میں اس کی متعین مراد سے ہٹ کر اپنی مرضی کے معنی ڈالنا ہے، اور یہ حق تعالیٰ کے نزدیک اس قطعی آیت کا انکار ہے۔

دوسری طرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل النّبیین ہونا خود قرآن حکیم نے بیان کردیا ہے، قرآن نے انہیں رحمۃ للعالمین فرمایا، قرآن حکیم ہی نے ان پر تمام انبیاء علیہم السلام سے ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کے پختہ عہد و میثاق کا بیان کیا ہے، جس طرح ان پر نبوّت کا سلسلہ ختم ہے، ان پر شرفِ رسالت بھی ختم ہے، آپ پر خاتمیتِ زمانی اور خاتمیتِ رُتبی ہر دو ختم ہیں، یعنی آخریت وافضلیت دونوں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں جمع ہیں، یہ آپ کے لئے کوئی متناقض وصف نہیں ہیں۔

مزید یاد رہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخریت کا منکر یعنی آپ کو آخری نبی نہ ماننے والا کبھی بھی آپ کی افضلیت کا قائل نہیں ہوسکتا، کیونکہ قرآن نے صاحبِ افضلیت، صرف اور صرف صاحبِ آخریت کو بتایا ہے۔ لہٰذا یہ کذبِ صریح ہے کہ کوئی شخص آپ کو آخری نبی تسلیم کرنے سے انکار کرے، پھر کہے کہ میں تو انہیں افضل نبی ہی مانتا ہوں، آخری نہیں۔ جیسے کہ قادیانیت کا عقیدہ ہے۔ اس لئے ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم اس امر کو عوام وخواص پر

خوب واضح کردیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر اِیمان شرعاً اس وقت قابلِ تسلیم ہوگا جب ان کی آخریت پر اِیمان ثابت ہوگا۔ یہی آیاتِ قرآن کریم کا ماحصل ہے جو عقیدۂ ختمِ نبوّت کو بیان کررہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''خاتم النّبیین'' میں وارد ''خاتم'' کو ''افضل'' پر حمل کرنے کی قادیانی غرض اوراس پر ردّ کی تفصیل ہمارے مقالہ ''خاتمیت کو افضل پر حمل کرنے کی غرض وغایت'' کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

یہاں تک ہم نے آیاتِ قرآن اور لغت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النّبیین'' بمعنی آخری نبی ہونے کو بیان کیا ہے، اب ہم آپ کی نبوّت میں خاتمیت بمعنی آخریت کو احادیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

ختمِ نبوّت فی الحدیث

احادیثِ نبویہ کا بہت بڑا مجموعہ جو مسئلہ ختمِ نبوّت پر دلالت کرتا ہے اس کا مکمل طور پر استیعاب تو دشوار ہے، لیکن اس کا کچھ حصہ مختصراً یہاں ترتیب دے رہے ہیں تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ہونا، اس معنی میں کہ وہ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد سلسلۂ نبوّت بند ہے، لھذا اس کو جاری رکھنے والے قرآن کی طرح احادیث مصطفیٰ کے بھی خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ احادیث کے ذخیرے کو دیکھ کر بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ ختمِ نبوّت کی احادیث متواتر ہیں۔

۱ – "عن أبي هريرةؓ: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فأحسنه وأجمله إلّا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له، ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة وأنا خاتم النّبيين۔"

(رواه البخاري في كتاب الأنبياء ومسلم في الفضائل وأحمد في مسنده والنسائي والترمذي)

وفي بعض ألفاظه: "فكنت أنا سددت موضع اللبنة وختم بي البنيان وختم بي الرسل۔"

(هكذا في الكنز عن أبي العساكر)

"حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال مجھ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے بہت عمدہ آراستہ وپیراستہ کیا، مگر اس کے ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ پس لوگ اس کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق آتے ہیں اور

خوش ہوتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں: یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھی گئی؟ (تاکہ مکان کی تعمیر مکمل ہوجاتی) چنانچہ میں نے اس جگہ کو پُر کیا اور مجھ سے ہی قصرِ نبوّت مکمل ہوا اور میں خاتم النّبیین ہوں۔''

۲- ''عن أبی سعید الخدری قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: مثلی ومثل النّبیین کمثل رجل بني دارًا فأتمها إلّا لبنة واحدة، فجئت أنا فأتممت تلک اللبنة۔''

(رواہ مسلم وأحمد)

اس کا حاصل اور ترجمہ بھی وہی ہے جو اُوپر گزرا ہے۔

۳- ''عن جابر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: مثلي ومثل الأنبیاء من قبلي کمثل رجل بنی بیتًا فأحسنہ وأجملہ إلّا موضع لبنة من زاویة، فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون: ھلا وضعت ھٰذہ اللبنة؟ قال: فأنا اللبنة وأنا خاتم النّبیین۔''

(رواہ الشیخان والترمذی وبن ابی حاتم)

اس کا حاصل اور ترجمہ بھی وہی ہے جو اُوپر گزرا ہے۔

۴- ''عن أبی حازم قال: ''قاعدت أبا ھریرة خمس سنین فسمعتہ یحدث عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: کانت بنو إسرائیل تسوسھم الأنبیاء، کلما ھلک نبیٌّ خلفہ نبیٌّ وأنہ لا نبي بعدي۔''

''حضرت ابوحازم فرماتے ہیں کہ: میں پانچ سال حضرت ابوہریرہ کے

ساتھ رہا، میں نے خود سنا کہ وہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے، جب کسی نبی کی وفات ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر فرماتے تھے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

۵- ”عن جبير بن مطعم أن النبی صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن لي أسماء، أنا محمد، وأنا الماحي الذی يمحوا اللّٰه بي الكفر، وأنا الحاشر الذي يحشر الناس علٰى قدمي، وأنا العاقب، والعاقب الذی ليس بعد نبی۔“

(رواه البخاری ومسلم)

''حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں، اور ماحی ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعے سے کفر کو مٹائے گا، اور میں حاشر ہوں یعنی میرے بعد ہی قیامت آئے گی، اور میں عاقب ہوں، اور عاقب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔''

۶- ”عن أبی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لقد كان فيما مضىٰ قبلكم من الأمم محدثون فإن يک فی أمتی احد فإنه عمر بن الخطاب۔“

''حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی اُمتوں میں محدث ہوا کرتے تھے، پس میری اُمت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔''

۷- "عن سعد بن أبي وقاص قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لعلي رضى اللّٰه عنه: أما ترضى أن تكون مِنّي بمنزلة هارون من موسٰي۔ وفي لفظ المسلم: ألَا أنه لَا نبيَّ بعدي۔"

''حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ ایسے رہو جیسے حضرت ہارون، موسیٰ کے ساتھ؟

اور مسلم کی روایت میں ہے: ''مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔''

۸- "عن ثوبان قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: وإنه سيكون في أمتي كذّابون ثلاثون كلّهم يزعم أنه نبي وأنا خاتم النّبيين لا نبى بعدى)۔"

(رواه أحمد وأبو داود)

''حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میری اُمت میں تیس جھوٹے ہوں گے اور ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ میں خاتم النّبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

۹- "عن أبى هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فضلتُ على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرُّعب، وأحلت لي الغنائم، وجعلت لي الأرض طهورًا ومسجدًا، وأرسلتُ إلى الخلق كافة، وخُتم بي النبيون۔"

''حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ اور یہ کہ: مجھے

جوامع الکلم دیئے گئے، اور دوسرے یہ کہ: رُعب سے میری مدد کی گئی، (مخالفین پر میرا رُعب پڑکر ان کو مغلوب کردیتا ہے)، تیسرے: میرے لئے غنیمت کا مال حلال کردیا گیا، اور چوتھے: میرے لئے تمام زمین نماز پڑھنے کی جگہ بنادی گئی اور زمین کی مٹی میرے لئے پاک کرنے والی بنادی گئی، پانچویں: میں تمام مخلوق کی طرف نبی بناکر بھیجا گیا ہوں، چھٹے یہ کہ: مجھ پر انبیاء ختم کردیئے گئے۔''

یہ حدیث مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص وفضائل پر مشتمل ہے، اور اس میں سے آپ کی ایک خصوصیت اور اعزاز آپ کی ختمِ نبوّت ہے۔ آپ خاتم الأنبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

۱۰- ''عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لم یبق من النبوة إلّا المبشرات قالوا: وما المبشرات؟ قال: الرؤیا الصالحة۔'' (رواه البخاری)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نبوّت میں سے سوائے مبشرات کے کچھ نہیں بچا۔ صحابہ نے پوچھا کہ: مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ: سچے خواب!''

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نبوّت بالکلیہ ختم ہوچکی ہے اور سلسلۂ وحی منقطع ہوگیا ہے، البتہ اجزائے نبوّت میں سے ایک جزو ''مبشرات'' باقی ہے، یعنی سچے خواب مسلمان دیکھتے ہیں۔

حدیث میں سلسلۂ نبوّت کے انقطاع پر صاف ارشاد ہوتا ہے اور قادیانی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ نبوّت کا ایک جزو باقی ہے، جس سے نفسِ نبوّت کا بقاء ثابت ہوتا ہے۔ جیسے پانی کا ایک قطرہ بھی باقی ہو تو پانی کو باقی کہا جاسکتا ہے۔ معمولی تامل کرنے والا

جانتا ہے کہ کسی جزو کے ثابت ہونے سے کل ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔ جیسے کہ نماز کے ایک جزو ''اللہ اکبر'' کو پوری نماز نہیں کہہ سکتے ہیں۔ وضو کے ایک جزو ''ہاتھ دھونے کو'' وضو نہیں کہا جاسکتا ہے۔

اگر کسی چیز کے جزو ثابت ہونے سے کل کا وجود قرار پائے تو ایک اینٹ کو پورا مکان کہنا بھی درست ہوگا اور ایک لحظہ کے لئے کھانا ترک کرنا بھی روزہ کہلائے گا۔ جس طرح یہ اُمور غیر شرعی، غیر منطقی ہیں، اسی طرح حدیثِ مبشرات سے اجزائے نبوّت پر قادیانیت کا استدلال بھی غیر معقول ہے۔

دارمی نے حضرت عطاء بن رباح کی حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت نقل کی ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۱- "أنا قائدالمرسلين ولا فخر! وأنا خاتم النّبيين ولا فخر! وأنا أول شافع وأول مشفع ولا فخر!"

''میں رسولوں کا سردار ہوں اور فخر نہیں کرتا! میں خاتم النّبیین ہوں اور فخر نہیں کرتا! اور میں پہلا شافع ہوں اور فخر نہیں کرتا! اور میں سب سے پہلا (سفارشی ہوں) جس کی سفارش قبول ہوگی اور فخر نہیں کرتا!''

ابوداؤد اور ترمذی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے:

۱۲- "عن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقوم الساعة حتّى تلحق قبائل من أمتي بالمشركين وحتّى يعبدوا الأوثان، وأنه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم أنه نبي، وأنا خاتم النّبيين لا نبي بعدى۔"

''حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری اُمت کے بعض قبائل مشرکین سے نہ مل جائیں اور بت پرستی شروع کریں، اور میری اُمت میں تیس جھوٹے آئیں جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ میں نبی ہوں، جبکہ درحقیقت میں خاتم النّبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت نقل کرتے ہیں:

۱۳ – "إذا صليتم على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأحسنوا الصلاة عليه، فإنكم لا تدرون لعل ذلک يعرض عليه۔ قال: فقالوا له: فعلمنا! قال: قولوا: اللّٰهم اجعل صلاتک ورحمتک وبركاتک على سيد المرسلين وإمام المتقين وخاتم النّبيين محمد عبدک ورسولک إمام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة۔"

''جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجو تو نہایت اچھا انداز اختیار کرو، تمہیں کیا خبر کہ وہ ان پر پیش ہو۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں سکھلا دیجئے! تو انہوں نے فرمایا کہ کہو: اے اللہ! تو اپنی رحمت وبرکت رسولوں کے سردار اور خاتم الانبیاء محمد پر نازل فرما، جو تیرے بندے اور رسول ہیں، جو خیر کے امام اور قائد اور رسول رحمت ہیں۔''

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے جس میں شفاعت کا ذکر ہے:

۱۴ – "يا محمد! أنت رسول اللّٰه وخاتم الأنبياء وقد غفر اللّٰه لک ما تقدم من ذنبک وما تأخر أشفع لنا إلى ربک.....۔"

''اے محمد! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الأنبیاء ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ بخش دیئے۔ آپ اپنے ربّ سے ہماری شفاعت فرما دیجئے۔''

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا:

۱۵ – "إنی عبد اللّٰه وخاتم النبين وإن آدم عليه السلام لمنجدل في طينته وسأنبئكم بأول ذلک دعوة أبي إبراهيم وبشارة عيسٰی۔"

''میں اللہ کا بندہ اور خاتم النّبیین ہوں اس وقت سے جبکہ آدم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، میں ابراہیم خلیل اللہ کی دُعا ہوں۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔''

معجم کبیر کے اندر طبرانی نے حضرت علی الہلالی سے روایت کی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس بیماری کی حالت میں جس میں آپ کی وفات ہوئی...الخ'' اس کے آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۶ – "يا فاطمة! ونحن أهل بيت قد اعطانا اللّٰه سبع خصال لم يعط أحد قبلنا، ولا يعطى أحد بعدنا، أنا خاتم النّبيين، وأكرم النّبيين على اللّٰه وأحب المخلوقين إلى اللّٰه عز وجل۔"

اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ نے ہم اہل بیت کو سات خصائل عطا فرمائے جو ہم سے پہلے کسی کو نہ ملے اور نہ ہمارے بعد کسی کو ملیں گے۔ میں خاتم النّبیین ہوں

اور اللہ کے ہاں افضل النبیون ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہوں۔''

حضرت سہل بن سعد الساعدی سے روایت ہے کہ:

۱۷- ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں فرمایا: ''چچا جان! آپ اپنی جگہ پر ہی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہجرت کو ختم فرمایا ہے، جیسا کہ مجھ پر نبوّت کو ختم فرمایا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے خاتم المہاجرین ہونے کو اپنے خاتم النّبیین ہونے سے تشبیہ دی کیونکہ وہ آخری مہاجر ہیں۔

قادیانی شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ:- مرزا قادیانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النّبیین'' ہونے سے اپنی نبوّت کی تو نفی نہیں کرتا کہ وہ مدّعی ہے کہ وہ ان کا ظل و بروز ہے۔ نہ اپنے دعویٰ کو مہر ختمِ نبوّت کے ٹوٹنے کے خلاف کہتا ہے، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے سے وہ سمجھتا ہے کہ یہ مہرِ نبوّت ٹوٹ جائے گی، لہٰذا ان کی آمد کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النّبیین'' ہونے کے منافی خیال کرتے ہوئے بھی حضرت عیسیٰ کی حیات کی نفی کرتا ہے۔

اِزالہ:- ہم کہتے ہیں کہ کیا حضرت عباسؓ کا خاتم المہاجرین ہونا دیگر مہاجرین کی جو اُن سے قبل تھے، موت کی دلیل ہے؟، ہرگز نہیں! نہ ہی ان کا خاتم المہاجرین ہونا دیگر مہاجرین کی حیات کے معارض ہے۔ بعینہٖ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ہونا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی دلیل ہے، نہ یہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے معارض ہے۔

۱۸- حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے قول:

’’وَاِذْاَخَذْنَامِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۠ وَاَخَذْنَامِنْھُمْ مِّیْثَاقًاغَلِیْظًا ۝‘‘ (الاحزاب) کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: ’’میں خلقت میں سب سے پہلا نبی اور اور بعثت میں سب سے آخری نبی ہوں۔‘‘

اس حدیث نبوی نے خاتم النّبیین کے مفہوم کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا کہ وہ آخرالنّبیین ہی ہے جن کی بعثت تمام انبیاء کے بعد ہوئی۔ (نیز اس میں یہ مفہوم نہیں ہے کہ تمام انبیاء وفات پا چکے ہیں)۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کا معنی ومفہوم آپ ہی کی زبانی آپ کی آخر میں بعثت ہونے سے متعین ہو چکا ہے جسے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محل کی مثال سے بھی خوب واضح فرمایا کہ جس کی تکمیل میں صرف ایک اینٹ کی کمی رہ گئی تھی اور آپ کے آنے سے وہ کمی پوری ہوگئی۔ اس محل کی تکمیل میں دیگر کسی اینٹ کی ضرورت نہیں، اس طرح نبوّت کے باب میں بھی دیگر کسی نبوّت کی ضرورت نہیں رہی۔

۱۹- ’’ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ محمد کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے آپ کے آخری بیٹے ہیں۔‘‘

کسی بیٹے کا آخری ہونا دیگر کی موت کا مقتضی نہیں ہوتا، ہاں! اس کے بعد دیگر کی نفی کا ضرور تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا آپ کا آخری نبی ہونا اس میں آپ کے بعد نبوّت کی نفی تو ضرور ہے قبل کی موت کا متقاضی نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

۲۰- ’’أنا خاتم الأنبياء و مسجدی خاتم المساجد۔‘‘

''میں خاتم الأنبیاء ہوں اور میری مسجد خاتم المساجد ہے۔''

''خاتم المساجد'' کا یہ مطلب ضرور ہے کہ اس کے بعد دیگر کوئی مسجد ایسی نہیں جو کسی نبی اللہ کے ہاتھوں سے تعمیر ہوئی، مگر یہ ہرگز نہیں کہ دیگر مساجد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیگر انبیاء کی تعمیر کردہ تھیں، وہ منہدم ہو گئیں۔

مذکور کا ماحصل اور قادیانی فریب

الحاصل مذکورہ حوالہ جات سے ہم جن دو امر کی طرف اشارہ کر رہے تھے، وہ ہیں:

اولاً: - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ہونا آپ کی سب سے آخر میں بعثت کے لئے متعین ہے، اس کے علاوہ کوئی دیگر اس کا مفہوم نہیں ہے۔ اور جملہ احادیث اس کی تائید فرما رہی ہیں، یہی مفسرین نے تفسیر کی، یہی اُمتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے، لہٰذا قادیانیت کا اسے افضل النّبیین پر حمل کرنا خلافِ لغت، خلافِ قرآن، خلافِ حدیث اور خلافِ اِجماعِ اُمت ہے۔ قادیانی جب بھی اپنے ذرائع ابلاغ میں یا مرزا کے خلیفہ کی بیعت کے وقت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو وہ اس خاتمیت سے افضلیت کا معنی مراد لیتے ہیں، آخری نبی ہونا مراد نہیں لیتے ہیں۔ یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''آخری نبی'' ہونے کی نفی کرنا ہرگز ہرگز ایمان نہیں، بلکہ یہ کھلا اور واضح کفر ہے۔

ثانیاً: - آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات (بمعنی موت) کی دلیل نہیں ہے، جیسا کہ آخر المساجد ہونا دیگر مساجد کے فنا کی دلیل نہیں، کیونکہ آپ کی خاتمیت کا معنی آپ کے بعد کسی کو نبوّت نہ ملنا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو آپ سے پہلے نبوّت مل چکی ہے۔

یہاں تک ہم نے خاتم النّبیین کے مفہوم کو (آپ کے آخری نبی ہونے ہی میں منحصر

ہونے کو) احادیث نبوی کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ اب ہم خاتم النّبیین کا مفہوم اِجماعِ اُمت کی ررشنی میں بیان کرتے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کے جملہ طبقات کا اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین بمعنیٰ ''آخری نبی ہونے پر اجماع

اُمتِ مسلمہ کے مختلف طبقات کا اپنے اپنے دور میں اس امر پر اجماع رہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''خاتم النّبیین'' بمعنیٰ ''آخری نبی'' ہیں اور آپ کے بعد ہر مدعئ نبوّت کذاب و دجال ہے، چاہے وہ کسی نوع کی بھی نبوّت کا مدعی کیوں نہ ہو۔

یہ عقیدہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین ومفسرین، سبھی کے ہاں اجماعی عقیدہ، مسلّماتِ اسلامیہ اور ضروریاتِ دین میں سے رہا ہے۔ کسی دور میں کسی طبقے نے اس کا انکار نہیں کیا، نہ کسی کی کسی نوع کی نبوّت کو جائز کیا۔ کیونکہ یہ عقیدۂ نص قرآن خاتم النّبیین کے قطعی الفاظ کا قطعی اور متعین مفہوم ومدلول ہے، جس میں کسی شک وظن یا تشکیک کی ہرگز گنجائش نہیں ہے، اور جس کو ماننا ہر اُمتی کا فرض ہے۔

پھر اُمتِ مسلمہ کا یہ شرف اور افضلیت کہ وہ خاتم الأمم ہے، یہ اسی عقیدے کی مرہونِ منّت ہے کہ اس اُمت کے نبی خاتم النّبیین ہیں۔ کسی امر پر اِجماعِ اُمت بذاتِ خود بھی حجت شرعی ہے کہ یہ اُمت بطور مجموع بزبان شارع غلطی سے مبرأ ہے، اُمتِ مسلمہ کبھی غلطی اور گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی ہے، یہی خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''لن یجتمع أمتي علی ضلالۃ ''میری اُمت ہرگز گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

یہی علمائے اُصول نے تصریح فرمائی ہے جیسا کہ صاحبِ توضیح اجماع کے باب میں لکھتے ہیں کہ: اُمتِ محمدیہ کا کسی دور میں کسی امر پر اِجماع اس امر کی حجیت کی دلیل ہے، کیونکہ

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''علمائے اُمتِ مسلمہ کا اِجماع حجتِ قطعیہ ہے، جس کی اتباع واجب ہے، بلکہ یہ سب سے پختہ دلائل میں سے ہے، جو دیگر اُمور کا مقدمہ ہے.... پھر فرماتے ہیں: اس اصل کو آپ جملہ کتبِ اُصول میں پائیں گے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں اُمتِ مسلمہ کے فقہاء اور جملہ مؤمنین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

(اقامۃ الدلیل ۲/ ۱۳)

اجماع کے بارے اس مختصر ضروری تمہید کے بعد اب ہم طبقاتِ اُمت کے مختلف حضرات کے اجماع کا بیان کرتے ہیں۔

اوّلاً: اَصحابِ رسول کا اِجماع

اسلامی تاریخ کے اولین عہد خیرالقرون میں اُمتِ مسلمہ کے افضل ترین حضرات اصحاب رسول کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ایک ایسے مدعیٔ نبوّت کے خلاف اجماع ہوا جو عقیدۂ ختمِ نبوّت کا منکر اور بقیہ بہت سے اُمورِ دِین کو ماننے والا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق کا حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعیٔ نبوّت کے خلاف جہاد کا حکم، جو اس کے اسلام سے خروج کی بنا پر تھا، وہ صرف اس کے عقیدۂ ختمِ نبوّت کے انکار ہی کی وجہ سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننا یہ ''ایمان بالرسل'' کا حصہ ہے، اور ''ایمان بالرسل'' ارکانِ ایمان میں سے ایک رُکن ہے، ارکانِ ایمان میں سے کسی رُکن کا انکار کرنے والا دِینِ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

مسیلمہ کذاب جو تمام ارکانِ ایمان کا اقرار کرتا تھا، اس نے صرف عقیدۂ ختمِ نبوّت کا

انکار کیا تھا، صحابہ کرام نے بالا جماع اسے خارج اَز دِین سمجھ کر خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر کے حکم کی تعمیل فرمائی، اور مسیلمہ کے خلاف جہاد کیا۔ مسیلمہ کذاب کا معاملہ مرزا غلام احمد سے اس لئے شبیہ ہے کہ ہر دو انکارِ ختمِ نبوّت کے ساتھ ساتھ دونوں مصادر شریعت قرآن وسنت کا زبانی اقرار کرتے ہیں۔ مسیلمہ کے بارے میں طبری اپنی تاریخ میں صاف طور پر لکھتے ہیں کہ وہ اذان میں بھی ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' کہتا تھا۔ اس کا مؤذن عبداللہ بن حجر تھا، جب وہ اس کے لئے اقامت میں لفظ شہادت کے قریب پہنچتا تو مسیلمہ اسے کہتا کہ حجیر! یہ شہادت ذرا بلند آواز سے کہو۔

الحاصل تاریخ اسلام کا پہلا مدعی نبوّت جو مسیلمہ کذاب کے نام سے معروف ہے، وہ اور اس کے جملہ پیروکار اپنے زعم میں قرآن کو مانتے تھے، اس کی تلاوت کرتے تھے اور نماز اور روزہ کا اہتمام کرتے تھے اور دیگر اُمورِ دِین بھی بجالاتے تھے۔ اس صورتِ حال کے باوجود اَصحابِ رسول بالا جماع اس کے کفر پر متفق ہوگئے۔ صحابہ کرام نے دِینِ اسلام میں انکارِ ختمِ نبوّت کے اس فتنے کی سرکوبی کی خاطر مال وجان کی قربانی دی اور دِینِ اسلام اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کا تحفظ فرمایا۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے نہیں کہا کہ ''مسیلمہ'' اور اس کی جماعت ہماری طرح نماز پڑھتی ہے، ہمارے قبلے کی طرف رُخ کرتی ہے، وہ ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں، اے خلیفۂ رسول! آپ کس حجت پر انہیں دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں؟ کیونکہ سبھی کو علم تھا کہ ایمان کے لئے تمام ایمانیات کو ماننا ضروری ہے، جبکہ کفر کسی بھی رکن ایمان کے انکار سے ثابت ہوجاتا ہے۔ صحابہ کرام کا مذکورہ اجماع اسی شرعی ضابطے اور اصل کی بنیاد پر تھا۔

دجل اور ضابطۂ شرعی

آج کی قادیانیت یہ حدیث پڑھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی تعریف صرف اتنی ہی فرمائی ہے کہ: ''جو ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کا رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو وہ مؤمن ہے۔''

قادیانیت سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا اصحابِ رسول سے تمہارا فہم زیادہ ہے؟ ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی نہ تھا؟ انہوں نے پھر کیونکر مسیلمہ کذاب کو خارج از دِین سمجھ کر اس کے خلاف جہاد کیا؟ اور کیونکر یہ سمجھا کہ ارکانِ ایمان میں سے کسی ایک رُکن کا اور ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک ضروری اَمر کا انکار مؤمن کو دائرۂ اسلام سے خارج کر کے دائرۂ کفر میں داخل کر دیتا ہے۔ پھر دائرۂ اسلام سے خروج کے بعد اس کی نماز، اس کا قبلہ رُخ ہونا، اس کا مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا اسے دائرۂ اسلام میں واپس نہ لا سکے گا، جب تک وہ اس امر کے بارے ایمان وتسلیم کا اظہار نہ کرے جس کا اس نے انکار کیا۔

صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے دین اسلام میں بعض ارکانِ ایمان کا انکار تمام اُمورِ اِیمانیہ کا انکار ہوتا ہے۔ ایمان کے باب میں تفریق وتقسیم نہیں، لہٰذا اِیمان تو سبھی اُمور کا تسلیم کرنا ہے جبکہ کفر کسی ایک امر کے انکار کو بھی لازم آ جاتا ہے۔

یہی وہ شرعی ضابطہ اور اصل الاُصول ہے جس کی بنیاد پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ عظام نے عظیم الشان قربانیاں پیش فرمائیں، پھر ایمان وکفر کا مسئلہ صحابہ کرام سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا ہے؟ قرآن وسنت کی تعلیم اور مہبطِ وحی جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے انہوں نے یہی سیکھا تھا کہ ایمان کے باب میں ہرگز جزء بندی نہیں کہ کوئی شخص آدھا یا جزوی طور پر مؤمن ہے، بلکہ قرآن حکیم نے تو اِیمان کے باب میں جزء بندی کے

قائل کو نہ صرف کافر کہا، بلکہ اسے پکا کافر کہا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ...... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا'' (النساء:۱۵۱،۱۵۲)

''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ کو مانتے اور کچھ کو نہیں مانتے ہیں...... وہی پکے کافر ہیں!''

یہ صراحت اور شدت اس لئے کہ تمام اُمور کے منکر کے کفر سے عام آدمی کسی شک وشبہ میں نہیں پڑتا اور وہ اسے فوراً کافر ہی سمجھتا ہے، لیکن وہ شخص جو کچھ چیزوں کو مانتا اور کچھ چیزوں کو نہیں مانتا اس کے بارے میں عام انسان شک وشبہ کا شکار ہو جاتا ہے اور دھوکے میں آجاتا ہے۔ شریعت کے اندر جزء بندی نہیں ہے۔ اسی لئے اس ضابطے کی وضاحت کے لئے ایمانیات میں جزء بندی کرنے والوں کو قرآن نے ''الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا'' ''پکے کافر'' قرار دیا تاکہ لوگ ان کے دجل سے محفوظ رہیں۔ یہی وہ ضابطہ اور اصل الأصول ہے جس پر اُمتِ مسلمہ خیر القرون سے تاحال قائم رہی اور اہلِ حق اہلِ دجل کے دھوکہ میں نہیں آتے۔ آج بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی ظلی نبوّت، بروزی نبوّت، بالقوۃ نبوّت، لغوی نبوّت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی نبوّت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے نبوّت، اُمتی نبوّت، جزوی نبوّت، کو جملہ اہلِ اسلام الحمدللہ عقیدۂ ختمِ نبوّت کے منافی جانتے ہیں اور اس میں کسی تاویل کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

پھر جب انکارِ ختمِ نبوّت کی وجہ سے قادیانیت بالاجماع خارج از اسلام ہے تو وہ اپنے پیروکاروں کے جمِ غفیر کو، یا ان کے اعمال کو، ان کے نماز وروزہ، تلاوتِ قرآن، تعمیرِ مساجد، قرآن اور اس کے تراجم کی نشر واشاعت کو دخولِ اسلام اور اپنے مسلمان ہونے کی دلیل بنانے کی کیوں کوشش کرتے ہیں؟ بات واضح اور بالکل سیدھی ہے کہ اپنے کفریہ عقیدہ سے توبہ اور عقیدۂ ختمِ

نبوّت کے اقرار کے بغیر ان جملہ اعمال سے ان کا دخول اسلام ممکن نہیں ہے۔ اگر مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کو مسجد، اذان، اقامت، نماز، روزہ، تلاوت قرآن، زکوۃ اور حج نے عقیدۂ ختمِ نبوّت کے انکار کی صورت میں کوئی فائدہ نہ دیا تو مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت کو عقیدۂ ختمِ نبوّت پر شرعی ایمان کے بغیر مذکورہ اعمال کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔

مسیلمہ کذاب کی تعداد کی کثرت اور قوت یہ تھی کہ اس نے چالیس ہزار شہسوار حضرت ابوبکر کے لشکر کے مقابلے کے لئے تیار کر رکھے تھے جن کے پیچھے دیگر بھی کثیر تعداد میں عورتیں، مرد بچے اور ضعفاء تھے۔ لہٰذا کثرت عدد اور دنیوی شوکت اور اعمال ظاہرہ مدعی نبوّت اور اس کی جماعت کو ان کے رکن ایمان کے انکار کے بعد اسلام سے خروج سے نہیں بچا سکتے۔ یاد رہے کہ صحابہ کرام کا تاریخ اسلام میں اولین اجماع عقیدۂ ختمِ نبوّت کے رکن ایمان ہونے اور اس کے منکر کے کفر کے ثابت ہونے پر ہی ہوا۔ صحابہ کرام کے نزدیک یہی حال اور حکم ان تمام مدعیان نبوّت کے بارے میں تھا جو مسیلمہ کے علاوہ تھے جیسے کہ اسود عنسی، طلیحہ اسدی اور سجاح۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ منکرین ختمِ نبوّت کے ساتھ جو معاملہ صحابہ کرام نے فرمایا تاریخ اسلام میں بہت سے خلفاء وملوک اسلام نے بھی صحابہ کرام ہی کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے منکرین ختمِ نبوّت کے ساتھ وہی معاملہ کیا اور ان کے زمانے کے علمائے کرام نے ان خلفائے اسلام کے عمل کی تصویب فرمائی اور اس مسئلے میں ان کے مخالف کی تکفیر کی۔

قاضی عیاض یہ بھی فرماتے ہیں کہ: چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ وہ خاتم النّبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف خبر دی کہ یقیناً وہ خاتم النّبیین ہیں اور اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ لفظ ظاہر پر حمل ہوگا اور اس کا مفہوم ومراد متعین

ہے جس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

لہٰذا تمام ایسے گروہ اور جماعتیں جو آپ کو آخری نبی نہیں مانتیں وہ بالا جماع قطعی طور پر کافر ہیں۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت پر طبقۂ محدثین کا اجماع

حضرات محدثین کرام جیسے کہ امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ان ماجہ، امام مالک، احمد بن حنبل، امام طحاوی، امام ابن ابی شعبہ طیاسی، طبرانی، ابن شاہین، ابونعیم، ابن حبان، ابن عساکر، حاکم، بیہقی اور ابن خزیمہ وغیرہ تمام حضرات ختمِ نبوّت کے مضمون پر مشتمل احادیث خاتم النّبیین کو نقل فرمایا اور انہیں ان کے ظاہر پر محمول کیا اور ان میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص نہیں کی اور بلا تاویل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی مانا ہے۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت پر مفسرین کا اجماع

ہم نے آیات ختمِ نبوّت اور مفسرین اسلام کے جن اقوال کو نقل کیا ہے کہ وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بمعنی آخر النّبیین مانتے ہیں۔ اب ہم ان کے ناموں کی فہرست کی طرف اشارہ کرتے ہیں، تاکہ مفسرین کا عقیدۂ ختمِ نبوّت پر اجماع سمجھنے میں آسانی ہو۔

ان مفسرین میں بہت سارے ایسے حضرات بھی ہیں جن کو قادیانیت نے اپنے مجددین کی فہرست میں ذکر کیا ہے۔ امام تفسیر وحدیث امام طبری، امام راغب اصفہانی، امام ابن کثیر، علامہ زمخشری، امام نسفی، امام بغوی، امام رازی، قاضی بیضاوی، علامہ سیوطی، ابوحیان۔

یاد رہے کہ ان میں سے ابن کثیر، طبری، سفیان، سیوطی اور نسفی کے نام قادیانیت کے ہاں ''عسل مصفیٰ'' کے مجددین کی فہرست میں صدی وار مذکور ہیں۔ ان تمام کے عقیدۂ ختمِ نبوّت

اور حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر اِجماع ہے جن کے اقوال ہم تفسیر آیات میں نقل کر چکے ہیں۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت پر فقہاء کا اِجماع

اُمتِ مسلمہ کے مشہور فقہاء امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن زیاد جملہ فقہاء اور ان کے تلامذہ، جناب محمد رسول اللہ کو خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی مانتے ہیں اور آپ کے بعد کسی بھی مدعی نبوّت یا اس کے ماننے والے کو عقیدۂ ختمِ نبوّت کے انکار کی وجہ سے خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔

ابن نعیم فرماتے ہیں کہ:

''اگر کسی شخص کو یہ علم نہ ہو کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، کیونکہ آپ کو خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی ماننا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ ایسا شخص جو یہ کہے کہ انبیاء نے جو فرمایا اگر حق اور سچ ہے، یا یہ کہے کہ میں رسول اللہ ہوں، تو ایسا شخص کافر ہے۔''

اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ رسولوں اور انبیاء کی حقانیت کے بارے یقین، یہ اہل ایمان کے واجبات اور ان امور میں سے ہے جس کے بغیر بندۂ مؤمن نہیں ہوسکتا اور ان کی حقانیت میں شک کرنا یا حضرت خاتم النّبیین کو بمعنی آخری نبی نہ ماننا کہ ان کے بعد نبوّت کو جاری سمجھنا۔ ایسا قول، قائل کو دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

''اگر کوئی شخص نہیں جانتا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں، اور اگر یہ کہے کہ وہ رسول اللہ ہے، یا فارسی میں کہے کہ:

''میں مبعوث ہوں'' اور مراد اس کی پیغمبر و نبی ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔''

شارح بخاری ابن حجر کہتے ہیں کہ:

''جس شخص نے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزولِ وحی کا عقیدہ رکھا وہ اِجماعِ اُمت سے کافر ہے۔''

ملاعلی قاری شمائل کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

''مہر نبوّت کی نبوّت کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ بیت نبوّت کو اس سے سیل کر دیا گیا ہے کہ اس میں اب کسی کا بھی داخلہ محال ہے۔''

وہ فقہِ اکبر کی شرح میں کہتے ہیں کہ:

''ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کا دعویٰ نبوّت بالاجماع کفر ہے۔''

یاد رہے کہ ملاعلی قاری کا نام نامی بھی قادیانیت کی فہرست مجددین میں شامل ہے۔

مشہور مفسر علامہ آلوسی مفتی بغداد لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ''ت'' کے کسرہ کے ساتھ ہونا بمعنی نبیوں کو ختم کرنے والا ہے۔ قرآن اس کا شاہد، سنت اس کی ناطق اور اُمت کا اس پر اِجماع ہے۔''

مفسرین میں سے ابن حزم نے مسئلہ ختمِ نبوّت کو اپنی مشہور تالیف ''الملل والنحل'' میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ وہ اس کے صفحہ ۷۷ جلد ۱ میں لکھتے ہیں:

''حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا اقرار واجب ہے اور آپ کے بعد نبوّت کا تصور باطل، کیونکہ یہ ہرگز روا نہیں ہے۔''

نیز وہ صفحہ ۲۴۹ جلد ۳ میں لکھتے ہیں:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ کے علاوہ کسی کی آمد نہ ہوگی اور کوئی کسی دیگر کی نبوّت کا قائل ہوا تو اس کے کفر میں کسی مسلمان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس عقیدے پر شرعی حجت قائم ہو چکی ہے۔''

وہ صفحہ: ۱۱۳ جلد: ۱، اور صفحہ: ۱۹۸ جلد: ۴ میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ کیسے روا ہوگا کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی نبوّت کا کوئی مسلمان قائل ہو۔''

اُمتِ مسلمہ کے طبقہ صحابہ، مجتہدین، محدثین اور مفسرین کے بعد اب مسلم متکلمین کے عقیدۂ ختمِ نبوّت اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی ہونے پر اجماع کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

طبقہ متکلمین کا عقیدۂ ختمِ نبوّت پر اِجماع

علامہ تفتازانیؒ ''شرح عقائد'' میں لکھتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ پر نازل شدہ قرآن ہر دو اس بات کے کھلے ثبوت ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں، جنہیں تمام انسانیت کی طرف بھیجا گیا ہے بلکہ وہ تمام جن و انس کے نبی ہیں اور وہ ''آخر الانبیاء'' ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔

علامہ عبدالسلام شرح اتحاف المرید میں لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے ربّ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّتِ انبیاء کو ختم

فرمایا، وہ ختم المرسلین بھی ہیں، کیونکہ عام کے خاتمہ سے خاص تو بطور اَولیٰ ختم ہوگئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی نبوّت وشریعت کا آغاز نہ ہوگا۔''

علامہ عبدالغنی نابلسی شرح کفایۃ العوام میں فرماتے ہیں:

''انبیاء کے اول آدم ہیں تو ان کے آخر محمد بن عبداللہ ہیں ...صلی اللہ علیہ وسلم...جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔ وہ خاتم النّبیین بھی ہیں، خاتم المرسلین بھی ہیں۔ وہ ایسے نبی ہیں جن کی نبوّت ان کی وفات کے بعد بھی دُنیا کے خاتمہ تک باقی رہے گی۔''

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی ہونے پر اہلِ سلوک کا اجماع

عارف باللہ شیخ جامیؒ اپنے عقائد میں لکھتے ہیں کہ:

''جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الأنبیاء بھی ہیں، خاتم المرسلین بھی ہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط'' (الاحزاب:۴۰) وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو فرمایا کہ: تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون، مگر میرے بعد نبوّت نہیں ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔''

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا ان کے بعد نبوّت کو جائز سمجھے وہ قرآنِ کریم کی تکذیب کرتا ہے، کیونکہ قرآن کی نص ہے کہ وہ خاتم النّبیین ہیں، وہ آخر المرسلین ہیں، پھر حدیث میں ہے کہ وہ عاقب ہیں جن

کے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اللہ اور رسول کے یہ ارشادات اپنے ظاہر پر ہیں، اس پر پوری اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ ان میں کوئی تاویل نہیں ہے۔

شیخ عماد الدینؒ ''حیات القلوب'' میں لکھتے ہیں:

''ہمارا ایمان ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل اور ان کے آخری اور خاتم ہیں۔''

ابن العربی کہتے ہیں کہ:

''نبوّت اور نبی کے الفاظ صاحبِ شریعت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نیز وہ جسے رُؤیا صالحہ میں وحی کی گئی ہو، مگر رُؤیا صالحہ نبوّت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ نبی کے رُؤیا تو صالحہ ہوتے ہیں، مگر ہر رُؤیا صالحہ والا نبی نہیں ہوتا، جب تک نبوّت کے جملہ اجزاء بطور مجموعہ اس میں جمع نہ ہوں۔ اور یہ نبوّت منقطع ہو چکی ہے۔''

لہٰذا قادیانیت کا یہ قول کہ ابن العربی غیر تشریعی نبوّت کو روا رکھتے ہیں، باطل قول ہے۔ وہ نبوّت اور نبی کے الفاظ کو صاحب شریعت کے ساتھ مخصوص ہونے کی بات کرتے ہیں۔

اگر کوئی ابن العربی کی بات نہ سمجھتے ہوئے اپنا مطلب نکالتا ہے تو نکالے ہم تو اللہ اور رسول کی صریح بات سے حق کو بیان کرنا جانتے ہیں، جن کے قول پر کسی کا قول مقدم نہیں ہوتا، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ''

(الحجرات:۱)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی بات پر کسی کی بات کو مقدم نہ

سمجھو!''

پھر عقیدۂ ختمِ نبوّت تو قرآن وسنت کے صریح ارشادات اور اجماع اُمتِ مسلمہ اور اس کے تمام طبقات کے اجماع سے مؤید ہے جس کے بعد کسی کی بات لائق استماع نہ ہوگی۔

شیخ عبدالغنی نابلسی فصوص الحکم میں لکھتے ہیں:

''ہمارے رسول اور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ورسالت ختم ہوچکی، قیامت تک اس کے ساتھ کسی دیگر کو موصوف نہ کیا جائے گا۔''

اُمت کے جملہ طبقات صحابہ، تابعین، مجتہدین، محدثین، مفسرین، متکلمین، علمائے سلوک وتصوف سبھی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی ہونے او رآپ کے بعد کسی کے نبوّت کے ساتھ موصوف نہ ہونے پر متفق ہیں۔

اب قرآن وسنت اور اُمتِ مسلمہ کے اجماع کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے پر سابقہ کتب کے حوالہ جات کو پیش کیا جاتا ہے، جن میں انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتب نے بھی جناب نبی کریم کے خاتم النّبیین ہونے اور اُمتِ مسلمہ کے خاتم الامم ہونے کو بیان کیا ہے۔

ابن جریر طبری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ''اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ... اِلخ'' ''انہوں نے تختوں کو پکڑا'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے ربّ! ان تختیوں میں میں ایک ایسی اُمت کا ذِکر پاتا ہوں جو خلقت میں سب سے آخر میں ہے اور جنت میں داخلے میں سب سے پہلے ہے، اے میرے ربّ! انہیں میری اُمت

بنادے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ تو اُمتِ محمد ہے!''

ابونعیم نے دلائل نبوّت میں حضرت حسان بن ثابت کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ میں سحری کے وقت فارع مقام پر تھا جہاں یہود کے پختہ قلعے تھے تو میں نے ایک آواز سنی جس سے زیادہ اثر کرنے والی آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی۔ دیکھتا ہوں کہ ایک یہودی مدینہ منورہ کے اس مرتفع مقام پر ہے اس کے پاس آگ کا ایک شعلہ ہے۔لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے اور پوچھا کہ: تمہاری بربادی ہو کیوں ایسا کررہے ہو؟ اس نے کہا کہ احمد کا ستارہ طلوع ہوگیا ہے۔ یہ ستارہ صرف نبوّت کے ساتھ ہی طلوع ہوتا ہے اور سوائے احمد کے کسی کی نبوّت باقی نہیں رہی ہے۔ابو نعیم نے ہی حضرت حویصہ بن مسعود کا قول بھی ذکر کیا ہے۔انہوں نے وہب بن منبہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف اللہ کی وحی میں آیا ہے کہ میں ایک ایسے امی نبی کو مبعوث کرنے والا ہوں جس کے ذریعہ سے میں بہرے کانوں، بند قلوب اور اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا، اس کی پیدائش کا مقام مکہ اور اس کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے۔اس کا ملک شام میں ہے۔جس میں آگے یہ فرمایا کہ: میں اس کی اُمت کو خیرِ اُمت بناؤں گا، ان کی کتاب پر تمام کتب کو ان کی شریعت پر تمام شریعتوں کو اور ان کے دین پر تمام ادیان کو ختم کردوں گا۔

ابونعیم ہی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور رومی بادشاہ کے مابین ہونے والی گفتگو کو یوں نقل کیا ہے کہ:

> ''حضرت محمد...صلی اللہ علیہ وسلم...ایسے نبی ہیں جنہیں تمام انسانیت کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے، ان کا دِین تمام ادیان پر غالب رہے گا اور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اُونٹ اور گھوڑے پہنچ سکتے ہیں۔انہوں نے ایک پادری سے ملاقات کے دوران اس سے پوچھا کہ انبیاء میں سے کسی کی بعثت باقی ہے؟ تو اس

نے کہا کہ ہاں! انہی کی بعثت باقی ہے جو آخری نبی ہیں اور ان کے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی کی اتباع کا حکم دیا تھا۔ وہ نبی امی ہیں اور عربی ہیں۔''

طبرانی نے بلال بن حارث کے حوالے سے ان کے شام کے تجارتی سفر کا یہ قصہ لکھا ہے کہ وہاں پر اہلِ کتاب کے عالم نے ان سے پوچھا کہ: کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو نبوّت کا دعویدار ہے؟ تو میں نے کہا کہ: ہاں ہے! تو وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ جب میں نے آپ کی سیرت و کردار کو مکمل طور پر اس کے سامنے بیان کردیا تو کہنے لگا کہ: اس سے قبل جتنے بھی نبی گزرے ان کے بعد دیگر نبی آجاتے سوائے اس نبی کے اس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے یہ دُعا فرمائی کہ اے میرے ربّ! ان میں (یعنی میری ذُرّیت میں) انہی میں سے ایک رسول بھیجنا جو انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ فرمائیں۔ تو ربّ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آپ کی دُعا قبول کی گئی ہے اور یہ آخری زمان میں ہونے والا ہے (ابن جریر نے یہ بات مذکورہ دُعائے ابراہیمی کی تفسیر میں ذکر کی ہے)۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں لکھا تھا کہ تیری ذُرّیت میں سے قوم در قوم ہوتی رہے گی یہاں تک ان میں سے نبی امی آجائیں جو کہ خاتم الأنبیاء ہیں۔''

ابونعیم نے حضرت سعد بن ثابت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ذکر کرتے رہتے تھے اور جب سرخ کوکب نمودار ہوگیا تو سبھی کہنے لگے:

نبی آ گئے، وہی نبی جن کے بعد کوئی نبی نہیں اور جن کا نام احمد ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت کی گواہیاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک ان کی کتاب میں کثیر تعداد میں موجود رہیں، بعض آج تک بھی ہیں۔

الغرض جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ورسالت اور آپ کا اس سلسلے کی آخری کڑی ہونا قرآن وسنت کے علاوہ سابقہ کتب اور ان کے ماننے والوں کے مابین بھی معروف رہا۔

لفظ'' خاتم'' کے لغوی مدلول، اور'' خاتم النّبیین'' کے شرعی مفہوم اور کتاب وسنت سے اس پر دلائل اور اُمتِ مسلمہ کے اجماع اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ورسالتِ ربانیہ کے سلسلے کے ختم ہو جانے کی اتنی گواہیاں سن لینے کے بعد کہ جس کے شاہد اوّل خود ذات باری تعالیٰ ہیں، پھر اس کے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر ان کے اصحاب کرام ہیں، پھر اُمتِ مسلمہ کے تمام طبقات، پھر سابقہ عظماء حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتب اور ان کی امم، اس مفصل بیان کے بعد کسی بھی ذی شعور عاقل کے پاس انہیں قبول کر لینے اور ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لینے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں ہر دو شرف افضلیت اور آخریت کو مان لینے کے کسی امر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

دعوتِ مخلصانہ برائے ابنائے قادیانیت

ہم آخر میں ابنائے ملت قادیانیت کو مخلصانہ دعوت پیش کرتے ہیں کہ وہ بنظرِ غائر عقیدۂ ختمِ نبوّت اور خاتم النّبیین کے شرعی مفہوم کے بارے ان مذکورہ دلائل میں فکر وتامل کریں۔ وہ یقین کرلیں کہ ہم رحمۃ للعالمین کی اُمت ہیں، ہمارے قلوب میں کسی کے لئے حقد وحسد اور بغض وعناد نہیں ہے، ہاں بھلائی اور خیرخواہی سب کے لئے ہے۔

یاد رکھیں کہ اُمتِ محمدیہ اسی لئے خیرِ اُمت ہے کہ وہ ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' ہے، اسے تو سب انسانوں کی بھلائی کے لئے ہی نکالا گیا ہے۔ جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر اس ایمان اور ان کی طرف اسی نسبت سے اس اُمت کی تشکیل ہوئی ہے، آپ کی ذات گرامی رحمۃ للعالمین ہے، وہ رؤوف بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں، وہ تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے حریص بھی ہیں۔

اے ابنائے ملت قادیانیت! بانی قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیت کے زعماء نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔اس محکم عقیدہ ختمِ نبوّت کا انکار کر کے نہ اپنے لئے خیر چاہی اور نہ دیگر انسانیت کے لئے۔ اس فاسد عقیدے کا ضرر اوّلاً اس کے بانیوں کو پہنچا۔ ثانیاً: ہر اس شخص کو پہنچا جو قادیانیت کے دھوکے میں آ گیا۔ پھر قادیانیت کا یہ اُسلوب ہے کہ اس نے تمام ملتوں کے ان عظماء کو جو اللہ کے رُسل اور انبیاء تھے، حتیٰ کہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اَصحابِ کبار، اُمت کے صلحاء وعلماء سب پر زبان درازیاں کیں۔ جس کا حساب وہ اللہ کے سامنے دے رہے ہیں۔ اس بارے ان کی آرا اور اقوال کی تحقیق اور افصاح وبیان ہمارا شرعی واجب ہے جو الحمدللہ ہم کر رہے ہیں۔ مگر اے ابنائے ملت قادیانیت! جنہیں اب تک اللہ نے قیدِ حیات میں رکھا ہے، آپ کے لئے غنیمت اور بہترین موقع ہے کہ آپ اس عقیدے میں خوب غور کریں جو آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، اقوالِ سلف صالحین، حضراتِ صحابہ کرام وتابعین عظام اور اُمتِ مسلمہ کے تمام طبقات کے واضح طور پر ہم نے حوالہ جات پیش کئے ہیں ان میں خوب غور وتدبر کر لیں۔ اور یہ بھی یاد رکھئے کہ اُمتِ مسلمہ سے کٹنے میں آپ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ان کے ساتھ جڑنے ہی میں خیر خواہی، بھلائی اور حکمت ودانشمندی ہے۔ حق اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جس طرف اللہ تعالیٰ،

اس کا کلام، رسول کریم اور ان کی احادیث، اصحابِ رسول، مجتہدین ومفسرین ومجددین اور اُمت کے خواص وعوام جس عقیدہ پر جمع ہیں انہیں اختیار کرنے میں ہی آپ کی بھلائی ہے۔ اور ان سے ہٹ کر ایک ایسے فرد کے پیچھے چلنا جو کلام اللہ، کلامِ رسول اور اجماعِ صحابہ وتابعین، اجماعِ مفسرین ومحدثین، اجماعِ علماء وصلحاء، اجماعِ مجتہدین وفقہاء، اجماعِ اہل سلوک وکلام اور پوری اُمت کے خواص وعوام سے ہٹ کر الگ عقیدہ رکھنے والا ہے۔

اے ابنائے ملت قادیانیت! اللہ سے ڈرو، اپنی ذات کے بارے میں، اپنے اہل وعیال کے بارے میں، اپنی دنیا وآخرت کے بارے میں! اور حق اور صواب کو بخوشی قبول کر کے اُمت کے دھارے میں داخل ہو جاؤ۔

یقیناً یہ بات ہمارے لئے باعثِ اَلم ہے جیسے کہ جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی گمراہی پر اَلم ہوتا تھا، آپ لوگوں کے صراطِ مستقیم سے اِنحراف پر اس قدر حزین ہوتے تھے، حتیٰ کہ باری تعالیٰ کو آپ کو وحی کے ذریعہ کہنا پڑا کہ: ''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③'' (الشعراء) اے پیغمبر! آپ خود کو (لوگوں کے) غم میں ہلاک نہ کریں کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ ہمیں بھی آپ کے عقیدہ ختمِ نبوّت سے انحراف کا اَلم اور حزن ہے اور آپ کے راہِ ہدایت کو اِختیار کرنے سے خوشی ہوگی۔

ہمارا ایمان ہے کہ ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے وہ چاہے اسے ہی ہدایت مل سکتی ہے، اور وہی اس نعمت سے مستفید ہو سکتا ہے، مگر کسبِ خیر کے لئے کوشش اور ارادہ بندے کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہر کسی کو اپنا حساب دینا ہے۔ ہماری انتہائی تمنا ہے کہ آپ صراطِ مستقیم پر آ کر رحمۃ للعالمین کی رحمت میں آ جائیں، اُمت کی تفریق کے بجائے اُمت کی تقویت کا باعث بنیں۔ اپنے اُوپر رحم کریں، اپنے اہل وعیال پر رحم کریں۔ خود اپنے آپ سے

پوچھیں، اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ ان نصوصِ شرعیہ اور قوی ادلہ اور براہین کے بعد اور حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد بھی کسی دیگر کی نبوّت کی، اور شریعتِ محمدیہ کے بعد کسی کی تجدیدات کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے...؟

خلاصۂ مبحث

۱- لفظ خاتم کا لغوی معنی اور خاتم النّبیین کا شرعی مفہوم اور مراد آخری نبی۔

۲- قرآن کریم کی آیات کی عقیدۂ ختمِ نبوّت پر واضح دلالت۔

۳- احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدۂ ختمِ نبوّت پر واضح دلالت۔

۴- اُمت کے مختلف طبقات (صحابہ، تابعین، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، اہل سلوک) کا خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی ہونے پر اِجماع۔

۵- قدیم کتب، سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے حوالہ سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین (بمعنی آخری نبی) ہونے کا بیان۔

۶- قادیانیت کو مخلصانہ دعوت اور دُعا۔

نمبر ⑮ از سلسلۂ ’’دِین بھلائی ہے‘‘

عقیدۂ ختمِ نبوّت کی عظمت
اور
قرآنی اسالیبِ بیان

جنہوں نے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی تدریجی، ظلی، بروزی، بالقوۃ، بالفعل، تشریعی اور غیر تشریعی نبوّت کی آمد کی گنجائش نہیں چھوڑی

حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کرتا حال اس بات پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع رہا ہے ...اوران شاء اللہ تا قیامت رہے گا... کہ ہمارے آقا ومولی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی میں خاتم النّبیین ہیں کہ آپ کی بعثت کے بعد تا قیامت کسی شخص کو نبوّت ورسالت ربانی کے منصب سے نوازا نہ جائے گا۔

ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن ایمان بالرسل (اللہ کے رسولوں پر ایمان) ہے جس کا تقاضا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حقانیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی پختہ یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ کو آخری نبی بنایا ہے۔اور ان پر سلسلۂ نبوّت کو ختم فرما دیا ہے۔اسی عقیدہ پر ایمان میں اہل ایمان کی نجات ہے۔اور بطور رسول اللہ صرف انہیں کی اطاعت وفرمانبرداری میں رب تعالیٰ کی رضا ہے۔اللہ تعالیٰ کا غضب صرف ان کے رسول کی مخالفت اور آپ کی ختمِ نبوّت کے انکار پر ٹوٹتا ہے۔یہ مسلمہ ایمانی جس میں سے حقیقت ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ کی توحید کے بعد اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ایمان، مذکورہ شرعی طریقہ سے نہ رکھے گا تو وہ اللہ کے ہاں دین اسلام کے دائرہ سے خارج ہے۔

گویا ایمان بالرسل کا شرعی مفہوم تمام انبیاء کو برحق اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرنا ہے۔بغیر اس کے ایمان بالرسل کا تحقق نہ ہوگا۔

مفہوم خاتمیتِ خاتم النّبیین کیا نہیں؟

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نبوّت ورسالت کا ہرگز ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے کہ انسانیت آپ کی بعثت کے بعد نعمتِ نبوّت ورسالت سے ہی محروم ہوگئی۔یا انسانیت پر جس

انعام کا اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت فرما کر اظہار فرمایا اور قرآن میں اسے بطور احسانِ عظیم ہمیں جتلایا ہے۔ اب اللہ کا وہ انعام اور احسان اُمتِ مسلمہ سے چھین لیا گیا ہے۔ یا بشریت ان ہدایاتِ ربانی سے جو بذریعۂ وحی و رسالت انہیں ملی تھیں، ان سے استفادہ و افادہ نہیں کر سکتی۔ یا بشریت سے صراطِ مستقیم اوجھل ہوگئی، یا وہ راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم جسے لے کر جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اس پر چل کر اُمت کی راہنمائی فرمائی تھی وہ راستہ بند ہوگیا۔ یا وہ شریعتِ محمدیہ جس سے اُمتِ مسلمہ اپنی زندگی میں راہنمائی لینے کی پابند ہے وہ اس پر غائب ہوگئی ہے۔ یا وہ ہدایت جس سے نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اکنافِ عالم کو روشن فرمایا، وہ شمعِ رسالت وہدایت اب بجھ گئی ہے۔ اور اب وہ علوم ومعارف جو اُمتِ مسلمہ کے لئے جامع علمی سرمایہ تھا کہ جس نے انہیں دیگر نبوّت وشریعت سے مستغنی کر دیا، اب وہ چرالی گئی یا ناپید ہوگئی ہے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا ہرگز ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے۔

مفہوم خاتمیتِ خاتم النّبیین کیا ہے؟

خاتمیت خاتم النّبیین کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عظیم نعمتِ ربانی جو نبوّت ورسالت کے نام سے انسانیت کے مختلف ادوار میں مختلف اشخاص کے نام سے انسانوں کو ملتی رہی، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی ہے۔

جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ شانہ نے اپنی رسالت کو تمام فرما دیا، اپنی نبوّت کو ختم فرما دیا، اب انسانیت صرف انہی کی لائی ہوئی ہدایت سے راہنمائی لے گی، انہی کے لائے ہوئے نور سے روشنی حاصل کرے گی، انہی کی لائی ہوئی شریعت سے تا قیامت اپنی زندگی کو سنوارتی رہے گی۔ تمام بنی نوع انسان کی حیاتِ طیبہ صرف انہی کی سیرتِ مطہرہ کو اُسوۂ حسنہ کے

طور پر اِختیار کرنے میں ہے۔ تمام زمانوں اور تمام ادوار میں انہی کی نبوّت کا سکہ چلے گا۔ اب زمانہ بدلنے سے، دور کے اختلاف سے، نبوّت ورسالت میں تبدیلی نہ ہوگی۔ کیونکہ آپ وہ عظیم الشان مبعوث ہیں جو خاتم النّبیین ہیں، جن کی لائی ہوئی شریعت خاتم الادیان ہے۔ شارع کی طرف سے اس شریعت کے جملہ ستون اللہ تعالیٰ کی حفظ وعنایت سے مضبوطی سے قائم ہو چکے اور قائم رہیں گے۔ اس شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری خود رب تعالیٰ نے لی ہے۔ اسی ذات عالی نے اس شریعت کے لانے والے کو نبوّت ورسالت میں شرف خاتمیت سے نوازا ہے۔ اس نے ان کی شریعت کو بھی شرف خاتمیت سے نوازا بلکہ اس کی اُمت کو بھی شرف خاتمیت سے نوازا ہے۔

نبوّت میں خاتمیت، رسالت میں خاتمیت، قبلہ میں خاتمیت، اُمت میں خاتمیت، شریعت میں خاتمیت، دراصل ہر میدان میں وہ کمال ہے جس کا حق تعالیٰ شانہ نے خود یوں اعلان فرمایا ہے:

> ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ
> رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط''
> (المائدۃ:۳)
>
> ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دِین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو
> تمام کردیا اور تمہارے لئے دِین کے طور پر اِسلام کو پسند کیا ہے۔''

یہ وہ خاتمیت کا مفہوم ہے جس کا ادراک، جس کا یقین واذعان، جس پر اِیمان ہر مؤمن کا بنیادی واجب ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والا دائرۂ ایمان سے خارج ہوجائے۔ جب تک یہ عالم باقی ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ابدی ہے،

آپ کی لائی ہوئی شریعت ابدی ہے، وہ پوری بشریت کے لئے پورے عالم کے لئے، تمام زمانوں کے لئے ہے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ شانہ اس عالم کی موجودات کے عدم کا فیصلہ فرمالیں۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت وآخریت رسالت ونبوّت اپنے اندر جملہ حقائق کو شامل ہیں۔ آپ کی خاتمیت نبوّت کا تقاضا ہے کہ آپ کی آمد کے بعد کسی دیگر کی نبوّت کا سکہ نہ چل سکے۔ اگر کوئی نبی برحق پہلوں میں سے ہی آجائے تو اسے بھی صرف آپ کی خاتمیت کی یوں تعمیل کرنا ہے کہ وہ شریعتِ محمدیہ ہی کو دستورِ حیات بنائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”والذی نفسی بیده! لو کان موسٰی حیًّا ما وسعه إلّا ان یتبعنی۔“

’’خدا کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میرے اتباع کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے مسلمہ عقائد میں سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی آمدِ ثانیہ پر اسی خاتمیتِ محمدیہ کا عملی نمونہ پیش فرماتے ہوئے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اتباع فرمائیں گے۔

خاتمیتِ رسالت مآب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی دعوت اور دائرۂ نبوّت ورسالت سے کوئی فرد، کوئی مکان، کوئی زمان مستثنیٰ نہیں۔ جس طرح آپ اپنے ابنائے زمانہ کے لئے مبعوث فرمائے گئے، آپ کے بعد آنے والے ہر زمانے میں جملہ بنی نوع انسان آپ ہی کی بعثت کے زیرِسایہ ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

''میں اپنے ابنائے عصر اور اپنے بعد آنے والے ابنائے عصر سب کا نبی ہوں!''

خاتمیت کے اس معنی پر اوّل المؤمنین ابوبکر صدیق سے لے کر آج تک اُمت قائم رہی اور تا قیامت تمام ابنائے اُمتِ مسلمہ رہیں گے۔

خاتمیتِ خاتم النّبیین یا عقیدۂ ختمِ نبوّت

اُمتِ مسلمہ کا عقیدۂ ختمِ نبوّت یہ ہے کہ وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت کا خاتم مانتی ہے کیونکہ نبوّت کا منصب اللہ کا انتخاب ہے اور اس ذات عالی کا فیصلہ اور واضح اعلان ہے کہ اس باب میں خاتمیت کا تاج جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سجا دیا گیا ہے۔ مگر قادیانیت جو اس بات کا زبانی اعلان کرتی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں، ان کے ہاں خاتمیت کا مذکورہ اسلامی مفہوم نہیں بلکہ ان کی اس باب میں اپنی مخصوص تجدید یا کھلی تحریف ہے۔

اس باب میں قادیانی تجدید کیا ہے؟ اس کا ملاحظہ کریں:

اوّلاً:- قادیانیت کے ہاں نبوّت کسبی اُمور میں سے ہے، نبوّت کا حصول اطاعت و ریاضت سے ممکن ہے۔ قادیانیت کا زعم ہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت کی ایسی مہر ہیں جس سے نبی بنتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا مطیعِ کامل منصبِ نبوّت تک پہنچ سکتا ہے۔ جس کی مثال مرزا غلام احمد ہیں جو کمالِ اطاعت کی وجہ سے مرتبۂ نبوّت تک پہنچ گیا۔

قادیانیت کے ہاں نبوّت صرف ایمان کا ایک اعلیٰ درجہ ہے، لھذا اللہ اور رسول کی اطاعت سے نبی بنتے ہیں۔

تین ضروری اُمور

یہاں پر تین ضروری اُمور ہیں، جنہیں ہمیں یاد رکھنا چاہئے۔ ان میں سے پہلا امر حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے، جبکہ دیگر دو اُمور حضرت مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں۔

پہلا امر: جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ آپ خاتم النّبیین اس معنی میں ہیں کہ آپ پر نبوّت ختم ہو چکی ہے۔ رہے حضرت مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام! جن کا رفع ہوا تھا، وہ آسمان وہ آسمان میں زیدہ ہیں وہیں سے دوبارہ نازل ہوں گے او راس دُنیا میں آکر شریعتِ محمدیہ پر عمل پیرا ہوں گے، کیونکہ یہ زمانہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو دو اُمور ہیں۔ ان میں اولاً: یہ کہ ان کو نبوّت حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ملی۔ ثانیاً: سابق انبیاء میں سے صرف وہی اکیلے ایسے نبی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت میں دوبارہ آئیں گے۔

قادیانیت کے نزدیک جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ہونا، نبوۃ ختم کرنے والے کے معنی میں نہیں ہے وہ آپ کے صانع النّبیین ہونے کے معنی میں ہے، جن کی مہر سے نبی بنتے چلے جائیں گے۔ جبکہ اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے ہاں آپ کا خاتم النّبیین ہونا، آپ کا سلسلۂ نبوّت کو ختم کرنا ہے۔ (اس کا مفصل بیان آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور اِجماعِ اُمت کی روشنی میں اپنے مقالہ ''ختم النبوۃ'' میں بیان کر چکے ہیں)۔

بہرحال یہ واضح فرق ہے قادیانیت اور اُمتِ مسلمہ میں '' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے میں یا آپ کی خاتمیت کے بارے میں۔'' مسلمان انہیں '' خاتم النّبیین''

بمعنی سلسلۂ نبوّت کا ختم کرنے والا، اور قادیانی انہیں ''خاتم النّبیین'' بمعنی نبوّت کو جاری رکھنے والا اور صانع نبوّت قرار دیتے ہیں۔

اس باب میں موجودہ قادیانیت کا تناقض

مرزا غلام احمد کی تالیفات میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت اور مرزا کی نبوّت کے بارے میں تناقض ہے ہی، (جس کا ذکر ہم تناقضات مرزا کے مقالہ میں کر چکے ہیں) مگر آج کی قادیانیت اپنے ذرائع ابلاغ پر آپ کی خاتمیت کے بارے میں جس تناقض کا شکار ہے، اسے بھی یاد رکھ لیں۔ پھر اس کا M.T.A پر مشاہدہ بھی کر لیں۔ جس کی کچھ تفصیل یوں ہے:

خاتَم بمعنی افضل

آج کی قادیانیت اپنے خاتم النّبیین کے پروگرام میں ایک زبان سے تو یہ کہتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا خاتم النّبیین کہنا افضل ہونے کے معنی میں ہے، جیسے کہ کوئی شخص کسی محدث و مفسر کو خاتم المحدثین یا خاتم المفسرین بایں طور کہہ دے۔ جبکہ دوسری زبان سے دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ آپ خاتم النّبیین ہیں، اس معنی میں کہ وہ آخری نبی ہیں۔ پھر وہ نبوّت کی تقسیم مندرجہ ذیل طور پر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت کی ایک مخصوص قسم کا خاتم کہتا ہے۔ اور وہ قسمیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تشریعی اور مستقل نبوّت: جسے وہ خالص عطیۂ ربانی مانتے ہیں، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت۔

۲۔ نبوّت غیر تشریعی غیر مستقل: یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوّت۔

۳- نبوّت غیر تشریعی غیر مستقل: جیسے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے حاصل شدہ نبوّت۔ قادیانیت کے ہاں یہ مخصوص نبوّت اُمتِ محمدیہ کا خاصہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعتِ کامل سے ملنے والی نبوّت کی مثال میں یہ کہتا ہے، جیسے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوّت، جو محض وہبی نہیں ہے، اس میں ان کے کسب واطاعت کا بھی دخل ہے۔

یاد رکھیں!

یہ غیر شرعی فلسفہ ہے مگر قادیانیت کے پہلے قول اور دوسری تقسیم کا ماحصل ایک ہی ہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ نبوّت کا خاتم بنایا ہے اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی خصوصیت بتلایا ہے۔ صحابہ کرام سے لے کر آج تک اُمت کا اس پر اِجماع چلا آرہا۔ قادیانیت اپنی تجدید یا تحریف میں اس عظیم ہستی کو صانع نبوّت قرار دے رہی ہے۔ یہی قادیانیت کا نرالا اور نہ سمجھ آنے والا اُسلوب ہے، جس کا شریعتِ اسلامیہ اور اس کے مصادر قرآن وسنت اور اس کے مفسرین وشارحین اور اُمت کے مجددین کے ہاں کوئی تصور نہیں ہے۔

قادیانیت کے اس قول کی مرجعیت

ہر اُمتی کا یہ حق ہے کہ وہ قادیانیت سے استفسار کرے کہ مذکورہ نبوّت کی اقسام کی مرجعیت کیا ہے؟ ان کا ثبوت آپ کو کہاں سے ملا؟ قرآن وسنت سے؟ کیا کسی مجدد اسلام، مفسر اسلام، مجتہد امام یا محدث نے ان اقسام کو بیان کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تو تشریعی وغیر تشریعی نبوّت کی تقسیم مفہوم ہے، مگر کسبی اور اطاعت سے ملنے والی نبوّت کی نہ وہاں گنجائش ہے نہ آپ کے بعد گنجائش ہے۔

پھر حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد والی اطاعت اور ہبہ والی نبوّت کہاں سے ثابت ہے اور کہاں سے ملتی ہے؟ نبوّت ربانی کے ختم ہونے کے بعد یہ سلسلہ دوبارہ کس نے شروع کر دیا؟ پھر مرزا تو پہلی دفعہ اس دُنیا میں آیا ہے، وہ مسیح ابن مریم یا مسیح موعود اور معاد کیسے مانا جائے؟ پیدا ہونے والا، کیسے نازل ہونے والا بن گیا؟ پھر مرزا مسیح بن مریم کیسے ہو گیا؟ وہ تو ابنِ چراغ بی بی ہے۔

ابنائے ملت قادیانیت کو کچھ غور و تامل کرنا چاہئے اور انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان تمام دعووں کے لئے قادیانیت کے ہاں کوئی شرعی مرجعیت نہیں ہے۔

خاتم نبوّت یا فاتح نبوّت؟

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے ہاں اور اُمتِ مسلمہ کے ہاں ''خاتم النّبیین'' ہیں جن پر اللہ نے اپنے نبیوں کا سلسلہ ختم فرما دیا۔

کسی سلسلے کا خاتم (ختم کرنے والا) یا سلسلۂ نبوّت پر مہر بن جانے والا کہ جس پر نبوّت کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ کیسے اس کا صانع اور خاتم ہو جاتا ہے؟

وہ کس طور پر اسی چیز کو شروع کرنے والا بن سکتا ہے جس کے لئے وہ خاتمہ بن کر آیا؟ یا اپنی مہرِ نبوّت سے دیگر نبوّتوں کا اجراء کر سکتا ہے جو خود انہی پر ختمِ نبوّت کی مہر ہے؟ پھر نبوّت کا خاتم کس طرح صانعِ نبوّت ہو سکتا ہے...؟

نبوّت ایک وہبی امر ہے، اور اس کی عطا اللہ کے ہاں سے ہوتی ہے، وہی انبیاء کو منتخب اور پسند کرتا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں آخری انتخاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور آخری نبی مبعوث فرما کر اس سلسلے کو ہی بند فرما دیا۔ اب جس نے اس ذات عالی کو بھیج کر

دروازۂ نبوّت کو سیل کر دیا اور بند کر دیا، اب وہ کیسے اسی ذات کو فاتحِ نبوّت قرار دے گا کہ ان کی اطاعت سے نبی بننے شروع ہو جائیں؟ اور وہ بند دروازہ ان کی اطاعت سے پھر سے کھل جائے، جس ہستی پر اللہ نے نبوّت کا دروازہ بند کر دیا، وہ خود کیسے اس دروازہ کو کھولنے والے بن سکتے ہیں؟ یاد رکھیں خاتمِ نبوّت کا صانعِ نبوّت بننا عقلاً اور نقلاً محال ہے!

آمدِ عیسیٰ علیہ السلام

یہ ختم نبوت کے اسلامی مفہوم کے ہرگز مخالف نہیں کہ سابقہ نبیوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ جائیں، کیونکہ وہ تو پہلے سے اس باب کے اندر ہیں، یعنی انہیں شرفِ نبوّت آخری نبی کی بعثت سے پہلے مل چکا ہے۔ انہوں نے ہی بنی اسرائیل کو آخری نبی کی خوشخبری سنائی تھی جسے قرآن میں یوں نقل فرمایا گیا:

''وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶''

(الصّف)

''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، توراۃ کا تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی ہے، اور بشارت دینے والا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں، جن کا نام احمد ہے... الخ۔''

کون مسیح موعود؟

یاد رکھیں کہ قرآنی نص کے مطابق مسیح موعود وہ ہے جن کی بعثت حضرت خاتم النّبیین صلی

اللہ علیہ وسلم سے قبل ہوچکی، اوران کے بعد حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ لہٰذا جس مدّعی مسیحیت سے قبل حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ مسیح موعود نہیں ہوسکتا۔ اوراسی طرح جب پہلے والا دوبارہ آئے تو اس پر ''نازل ہونے والا'' یا ''موعود'' کا معنی صادق ہوجاتا ہے اگراس کی آمد سے انبیاء کی فہرست میں اضافہ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے ختمِ نبوّت کے معنی ثابت رہتے ہیں، اورانہیں کسی نقض کا سامنا نہیں ہوتا۔

اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ حضرت خاتم النّبیین محمد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت کے دروازہ کو بند کرنے والے ہیں اور حضرت مسیح موعود اس بند دروازہ کو کھولنے والے نہیں کہ ان کی نبوّت انہیں پہلے مل چکی۔ نبوت کے اس بند دروازہ کو کھولنے کی ناکام سعی ہر وہ شخص کرنے والا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مدعیٔ نبوّت ہو اور یہی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے ہوا ہے، مرزا قادیانی کے اس عمل کی عقل اورنقل ہرگز اجازت نہیں دیتیں۔

قادیانیت کے دو حقیقی متعارض قول

قولِ اوّل

قادیانیت کبھی ''خاتم النّبیین'' کا معنی افضل النّبیین کرتی ہے۔ اس سے وہ اللہ کے فرمان حقیقی ''خاتم النّبیین'' کو بندوں کے مبالغے کے طور پر مجازی قول ''خاتم المفسّرین'' پر قیاس کرتی ہے۔ اور پھر یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ جس طرح خاتم المحدّثین اور خاتم المفسّرین افضل محدث اور افضل مفسر پر محمول ہوتا ہے، اسی طرح اللہ کا قول بھی مجازی ہے جو حقیقت پر مبنی نہیں۔ حضرت محمد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ہونا آپ کے افضل النّبیین ہونے کے معنی میں ہے۔

دوسرا قول

قادیانیت یہ بھی کہتی ہے کہ لفظ ''خاتم'' افضل اور آخری ہر دو میں مشترک ہے۔ مسلمان اُمت ''آخری'' والا معنی لیتی ہے اور ہم ''افضل'' والا معنی لیتے ہیں اور ہمارا افضلیت پر حمل کرنا آخری سے بہتر ہے۔

قادیانیت کا یہ اُسلوب

اوّلاً:- تو دو متناقض قولوں سے عبارت ہے۔

ثانیاً:- قرآنی لفظ ''خاتم'' جو عالم الغیب جل جلالہ نے استعمال فرمایا ہے۔ یہ غیر عالم غیب کے مجازی استعمال جیسا ہی ہے حالانکہ اللہ کا قول علام الغیوب اور غیر اللہ کا قول علام الغیوب ہرگز برابر نہیں ہوتے کیونکہ بندہ اگر کسی کو ''خاتم'' کہے گا تو وہ یا جھوٹا ہوگا یا مبالغہ کرنے والا ہوگا مگر اللہ تعالیٰ کا لفظ خاتم کو استعمال کرنا یہ حقیقی معنی میں ہی ہے اور آخری نبی ہی ہے۔ وہ افضل کے معنی میں نہیں ہے، نہ ہی خاتم کا لفظ افضل اور آخری میں مشترک ہے۔ لہٰذا قرآنی نص میں قادیانیت یہ عمل اِلحاد فی آیات اللہ کہلاتا ہے اور اس کی تفصیل آپ ہمارے مقالہ ''لفظ خاتم کا لغوی معنی اور شرعی مراد'' میں دیکھ سکتے ہیں۔

ہم یہاں صرف مختصراً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ:

لفظ ''خاتم'' افضل کے لئے انسان اگر مجازاً استعمال کریں تو اس مجازی استعمال کو معنیٔ لفظ کہنا قائل کی جہالت یا بدنیتی کی علامت ہے جس سے اس کی غرض صرف خاتم النّبیین کے شرعی مفہوم میں الحاد ہے اور بندوں کو شبہ میں ڈالنا ہے جسے دجل کہتے ہیں۔

''خاتم'' کا لفظی معنی ''آخری'' ہی ہوتا ہے اور ہر خاتم اس کا آخری ہوتا ہے جس کی طرف وہ مضاف ہو۔ لہٰذا ''خاتم'' جب ''نبیین'' کی طرف مضاف ہے تو اس کا معنی ''آخری

نبی‘‘ ہی ہوتا ہے۔جس کے بعد نبی نہیں

اس طرح خاتم کے لفظی معنی آسانی سے سمجھے جاسکتے ہیں۔اس کے بعد دیگر نصوص، اِجماعِ اُمت، مفسرین ومحدثین، ائمہ کرام اوراُمتِ مسلمہ اس پر دلیل مستزاد۔

حدیث ’’لا نبی بعدی ‘‘مرزا قادیانی کے ہاں بھی حدیث مشہور ہے۔قادیانیت کا ’’ خاتم‘‘ کو ’’ افضل‘‘ اور ’’ آخری‘‘ دونوں کے معنی میں مشترک کہنا خلاف لغت ہے۔ کہ لفظ حقیقی اور مجازی معنی میں مشترک نہیں ہوتا نیز خود مرزا اور قادیانیت اس سے مراد صرف آخری نبی ہی لیتے رہے ہیں۔جس کی تفصیل ہمارے مقالے ’’ختمِ نبوّت‘‘ میں مع حوالہ مذکور ہے۔

تیسرا قول

قادیانیت کا تیسرا قول یہ ہے کہ آپ خاتم بمعنی مہر ہیں۔اور آپ کی مہر سے آگے نبی بنتے ہیں۔اس قول کے مطابق مہر نبوّت کو توڑا گیا کیونکہ جب خاتم الانبیاء نبیوں کی مہر سے نبی بنتے رہیں گے تو وہ صانع الانبیاء ہوگئے خاتم نہ ہوئے۔

قادیانیت اپنے عقیدے کی تعیین کرے

ہم قادیانیت کو نصیحت کرتے ہیں کہ دُنیا میں بہت سے ذوی العقول اصحابِ نظریات ہیں جو اپنے نظریات کی تعیین کرتے ہیں، چاہے وہ حق ہوں یا باطل۔لہٰذا اولاً:-قادیانیت ’’ خاتم النّبیین‘‘ کے مفہوم ومدلول کی تعیین کرے اور لوگوں میں خوامخواہ تشکیک پیدا نہ کرے۔ ثانیاً:- قادیانیت ’’ختمِ نبوّت‘‘ کے باب میں اپنے عقیدے کی تعیین کرے اور لوگوں میں تشکیک سے باز رہے۔لوگوں میں تشویش پیدا کرنا یقیناً شرعی اور انسانی اخلاقی جرم ہے۔ یہ انسانوں کی عقول اور اذہان سے کھیلنا ہے۔ثالثاً:-قادیانیت مندرجہ ذیل اُمور میں تامل کرکے ان کے جوابات مرتب

کرے:

سوال۱:- کیا صحابہ کرام، تابعین حضرات، ائمہ مجتہدین، مفسری ومحدثین یا مجددین میں جن کی مجددیت کے قادیانیت بھی قائل ہے، کوئی بھی مطیع اور متبع کامل نہیں ہوا جو طاعت سے نبوّت کے حصول میں کامیاب ہوا ہو؟

سوال ۲:- اگر مطیعین نبوّت کے حاملین اُمتِ محمدیہ میں ہیں تو خیر القرون اور اس کے بعد سے یعنی بعثت نبوی سے اِدّعائے مرزا تک تقریباً تیرہ صدیوں میں کتنے اور کون کون مطیعین انبیاء بنے؟

سوال ۳:- آیا یہ زمانہ، زمانۂ فترۃ ہے؟ (معاذ اللہ) جو رسالت ونبوّت سے خالی عہد ہے؟

سوال ۴:- اگر عقیدۂ ختمِ نبوّت انسانیت کو نعمتِ نبوّت سے محروم کرتا ہے جیسا کہ قادیانی زعم ہے تو انسانیت کو مرزا غلام احمد کے اِدّعائے نبوّت تک اس نعمت سے محروم رکھا گیا؟

سوال ۵:- اگر اُمتِ محمدیہ میں مطیع نبوّت کا جاری رہنا حضرت خاتم الأنبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سابق انبیاء پر افضلیت ہے، تو اس غرض کی تکمیل کتنے عدد سے پوری ہوگی؟

سوال۶:- مرزا کے اِدّعائے نبوّت سے لے کر آج تک سو سال سے زائد کے عرصہ میں اُمتِ محمدیہ میں کتنے مطیع کامل نے قادیانی مخصوص نبوّتِ خاصہ کو پایا؟

حق اور حقیقت صرف یہی ہے کہ عقیدۂ ختمِ نبوّت اور مفہوم ''خاتم النّبیین'' روز روشن سے بڑھ کر ظاہر وثابت ہیں، مگر قادیانیت کا شرعی نصوص میں تحریف سے یا نبوّت کی نئی قسموں کی اختراع سے یا حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کی اُمت میں مطیع نبوّت کو باعث

فضیلت قرار دینے سے یا دیگر کسی طریقے سے اسلام کے مسلّمات میں تشکیک سے نہ مرزا کی نبوّت ثابت ہوگی، نہ انکارِ ختمِ نبوّت کا عقیدہ ثابت ہوگا، نہ اُمتِ مسلمہ اپنے مسلّمات سے انحراف کرے گی۔

لوگوں پر حقائق کو خلط کر کے ان کے اذہان میں تشویش پیدا کرنا، خلط کرنے والے کے لئے باعثِ عقوبت ہوگا، کیونکہ یہ عمل انسانیت کے ساتھ کھلی فکری دہشت گردی ہے۔

ہم ابنائے ملت قادیانیت کو حق وحقیقت کو قبول کر لینے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتے ہیں، کیونکہ عقیدۂ ختمِ نبوّت اور رحمۃ للعالمین کی نبوّتِ عالمگیر کو تسلیم کرنا ہی ان کے لئے باعث خیر و برکت ہے۔

عقیدہ ختمِ نبوّت تمام بشریت پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے

حق تعالیٰ شانہ اپنے بندوں پر رحیم و کریم ہے، اس کا ان پر احسانِ عظیم ہے، جس کا ذِکر قرآنِ حکیم میں بھی کئی بار ہوا کہ انہوں نے سب انسانیت کی سعادت کو ایک انسان کی اطاعت میں منحصر فرمایا اور ایک انسان کو پوری انسانیت کے لئے اُسوۂ حسنہ ٹھہرایا۔ تمام عالم کے انسانوں کا ایک رسول اعظم، ایک رسول خاتم اور افضل الرسل کا مطیع ہونا، یہ تشریع ربانی ہے، یہ حکمت یزدانی ہے اور اسی میں بندوں کے لئے آسانی ہے، کیونکہ انسان اپنی شخصیت کی تعمیر میں جب صرف ایک انسان کی سیرت کا متبع ہو تو یہ اس کے لئے اس سے کہیں آسان ہے کہ اس کے لئے کئی انسانوں کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر اپنے اس احسان عظیم کا ذکر یوں فرمایا:

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۶۴﴾'' (آل عمران)

''اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو ان میں رسول انہی میں سے بھیجا، جو اُن پر آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور وہ پہلے صریح گمراہی پر تھے۔''

نبوّتِ ربانیہ وہبی امر ہے، اور حق تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اپنی تدبیر سے جسے چاہا نبوّت کے لئے اختیار فرمایا۔ پھر اس نے اپنے اختیار سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بنا کر اس سلسلے کو ختم فرمایا تاکہ آپ بعثت سے تا قیامت اوّلین و آخرین کے لئے رسول ہوں۔ آپ کی خاتمیت نبوّت آپ کی عموم رسالت آپ کی افضلیت رسالت کا یہی تقاضا ہے۔ اسی نعمت ربانی کا بیان اس آیت میں ہوا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

''هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲﴾ وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳﴾''

(الجمعہ)

''وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے بھیجا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ اور اس رسول کی بعثت ان کے لئے بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں۔ اور اللہ زبردست اور حکیم ہے۔''

نبیٔ خاتم ہی اوّلین اور آخرین کے لئے مبعوثِ ربانی

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّیّین کے لئے اپنا نبی ہونے کا شرف بخشا جو اُمتِ محمدیہ کے اوّلین اور سابقین حضرات ہیں۔ ساتھ ہی انہیں آخرین اُمتِ محمدیہ کا بھی نبی ہونے کا شرف بخشا۔ آپ کی بعثت اوّلین اور آخرین کے لئے ہے۔ ''هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ... اِلخ'' اور ''وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ... اِلخ'' سے آپ ہی مراد ہیں۔ یہی خصوصیت ہے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ ان کی بعثت اوّلین وآخرین کے لئے ہوئی، آپ کی بعثت اُمت کے تمام طبقات کو شامل ہے۔ قادیانیت کی تحریف ہے کہ اس نے آپ کی بعثت کو تقسیم کر دیا۔ جس کے نزدیک چودہ صدیوں تک آپ کی پہلی بعثت ہے اور اس کے بعد دُوسری بعثت شروع ہوئی، اور معاذ اللہ! آپ کی بعثتِ ثانیہ مرزا غلام احمد کی بروزی صورت میں تھی، پھر قادیانیت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آپ کی بعثتِ ثانیہ بعثتِ اُولیٰ سے رُوحانیت میں زیادہ زور دار، زیادہ اکمل اور زیادہ مکمل تھی (معاذ اللہ!) جبکہ قرآنِ کریم آیت جمعہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی بعثت کو اَوّلین وآخرین کے لئے قرار دے رہا ہے، جو کسی زمانے یا مکان پر آکر منقطع نہیں ہوئی، نہ ہی منقسم ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے والوں کے لئے بھی نبی ہیں اور اپنی حیات کے بعد والوں کے لئے بھی نبی ہیں۔ یہ شرف ایک طرف تو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے تو دوسری طرف اوّلینِ اُمت اور آخرینِ اُمت کے لئے بھی ہے کہ وہ آخرالامم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس شرفِ عظیم میں دیگر کوئی فرد شریک نہیں، نہ کوئی آپ کا بروز ہے، نہ ظل ہے، نہ قرآن نے ایسا کہا، نہ سنت سے یہ ثابت ہے۔ یہ شرف صرف اللہ کا اختیار ہے، وہ جسے چاہے، اسی کا انتخاب کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ‘‘ (المائدۃ:۵۴)

’’یہ اللہ کا خاص فضل ہے، جسے چاہے وہ دیتا ہے۔‘‘

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شرفِ عظیم سے مشرف ہیں۔ اور آپ کی یہ عظیم ذمہ داری ہے کہ اُمت کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور ان کا تزکیہ فرمائیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تکوینی یہ رہی کہ نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو براہِ راست خود تعلیم دی، خود ان کا تزکیہ فرمایا، پھر اس وراثتِ پیغمبری کو ان کے وارثین تا قیامت آپ ہی کے منہج کے مطابق ادا کرتے رہیں گے۔ تو جو عمل بھی صحابہ کرام کے بعد تابعین، تبع تابعین ان کے اتباع اور آج تک علمائے اسلام کرتے رہے اور تا قیامت کرتے رہیں گے یہ آپ کی تعلیم وتربیت کی طرف منسوب ہوگا، کیونکہ آپ ہی مربی اعظم اور اس اُمت کے معلّمِ اوّل ہیں۔ ایسا نہ ہوا اور نہ آئندہ ہوگا کہ ہر ملک، ہر خطے، ہر علاقے، ہر شہر، ہر بستی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز پیدا ہوتے رہیں، بلکہ تا قیامت ہر معلم ومربی جو بھی آپ کی لائی ہوئی کتاب وحکمت اور آپ کے قائم کردہ منہج تزکیہ پر لوگوں کی تعلیم وتربیت کا عمل سرانجام دے گا تو وہ اسی اوّلین وآخرین کی طرف مبعوث معلم ومربیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل تعلیم وتربیت سے مربوط ہوگا۔ یہی آپ کی اوّلین وآخرین میں بعثت کا مفہوم ہے، جسے شاہ ولی اللہ نے بیان کیا ہے، (اس کا ذکر ہم مستقل مقالہ ’’اغالیط القادیانیۃ‘‘ میں کریں گے)۔

یہی اُمتِ مسلمہ میں حق تعالیٰ شانہ کی جاری کردہ سنت ہے، یہی وہ سنہری سلسلہ ہے جو متصل سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تا حال قائم ہے اور تا قیامت قائم رہے گا، یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مظہر ہے کہ اس نے تمام بنی آدم کو فرمایا:

’’فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَ

اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۱۵۸﴾'' (الاعراف)

''تم اللہ اور رسول اس نبیٔ اُمی پر اِیمان لاؤ جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور اس کی پیروی کرو، اُمید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔''

حق تعالیٰ شانہ نے بعثتِ نبیٔ اُمی فرما کر تمام انسانیت کی ہدایت کو ان کی اتباع سے وابستہ کر دیا، اور پھر اُمت کے لئے اس عمل کو ہر دور میں، چاہے وہ دورِ اسلام کا اوّلین عہد ہو یا اس کے بعد مختلف ادوار ہوں، یا تا قیامت جس قدر ادوار بھی آئیں، انہیں آسانی سے وہی تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ میسر رہے گا جو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد تھا۔

اس لئے فرمایا:

''وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾''

''وہی عزیز وحکیم کی قدرت کا مظہر ہے۔''

تحریف قادیانیت

قادیانیت نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو چودھویں صدی میں توڑ مروڑ کر نئی بعثت کی صورت نکالی یہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّلین وآخرین کے لئے بعثت میں قادیانی تحریف ہے۔ پھر پہلی صدی سے چودھویں صدی تک کی بعثت کو قادیانیت نے پہلی اور اصلی، اور اس کے بعد والی بعثت کو ظلی وبروزی کہا، اور اسے مرزا غلام احمد کی صورت میں قرار دیا۔ اس کی تفصیل تو ہم نے مستقل طور پر ایک مقالہ بنام ''اغالیط القادیانیۃ'' کے عنوان کے ذیل میں لکھی ہے۔ اس کا مراجعہ بہتر رہے گا۔ مگر یہاں پر اتنا عرض کر دیں کہ قادیانیت کا یہ تصور آپ کے خاتم نبوّت ہونے، آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے، آپ کی نبوّت ورسالت کے کافۃ للناس ہونے کے قرآنی صریح بیان کی کھلم کھلا مخالفت اور انکار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اُمتِ

مسلمہ کے خیر الامم ہونے، اس کے خاتم الامم ہونے، اُمتِ محمدیہ کے ہر دور میں وظیفۂ نبوّت تعلیم وتربیت کے عمل کو جو قائم شدہ ہے، اور موجود ہے اس کا بھی انکار ہے اور الحاد فی آیات اللّٰہ ہے۔

قادیانیت کا تو یہاں تک زعم ہے کہ قرآن نہ رہا، توحید نہ رہی، تعلیمات اسلام نہ رہیں، جن کو قائم کرنے کے لئے ان کا بانی بروزِ محمد واحمد بن کر آیا، بلکہ قادیانیت نے یہاں تک کہہ دیا کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم اپنے وظیفہ رسالت کی بوجہ عدم وسائل کے تکمیل نہ کر سکے جیسے مرزا غلام احمد نے کیا۔

سوال یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے خود اس شریعت کے تحفظ کی ذمہ داری لی، حضرت خاتم النّبیین صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ قرآن محفوظ رہے گا، ان کی تعلیمات محفوظ رہیں گی، تو پھر ان کے خاتمے کا دعویٰ تو اللّٰہ ورسول کی کھلم کھلا تکذیب ہے! قادیانیت کا یہ اُسلوب قرآن وسنت نہیں، ہاں تکذیبِ کتاب وسنت ضرور ہے کہ اللّٰہ اور رسول تو یہ کہیں کہ تا قیامت خاتم الشرائع محفوظ رہے گی، اور قادیانیت کہے کہ: ''نہیں رہے گی اور نہ رہی!'' قادیانیت تامل کرے کہ وہ کونسا دور اِسلام کی تاریخ میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا وعدہ برائے تحفظ دین پورا نہ ہوا ہو؟ یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی پیش گوئی برائے حفاظتِ دین معاذ اللّٰہ! غلط ثابت ہوئی۔ اسلام کی تاریخ میں اس عالم میں جہاں پر اور جس شخص نے سرِمو شریعت محمدیہ سے ہٹ کر کسی امر کو شریعت محمدیہ کہنے کی جسارت کی اللّٰہ تعالیٰ نے اس اُمت کے رجال کار کے ہاتھوں ہی اس کی تحریف کے ابطال کا نظم فرما دیا جنہوں نے دین میں ہر خلط اور غلو کا افصاح فرمایا اور دین خالص تو کتاب وحکمت کی اصل شکل میں محفوظ رہا اور تا قیامت محفوظ رہے گا اور اُمت کی نبوی تعلیمات کی بنیاد پر تربیت وتزکیہ کا عمل جو جاری رہا وہ تا قیامت جاری رہے گا۔ کیونکہ جناب محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی دیگر کی بعثت فالتو ہے، وہی اوّلین کے لئے مبعوث ہوئے اسی طرح

آخرین کے لئے بھی، جن کی آپ کے ہاتھوں براہِ راست تعلیم کتاب، تزکیہ اور تعلیم حکمت ہوا۔ وہ اس اُمت کے سرخیل اصحاب عدول اور امناء اُمت ہیں جو بغیر کسی نقص کے اس کتاب وحکمت اور منہج تزکیہ کے محافظ رہے پھر اس امانت نبوی کو انہوں نے بعد والوں کو پوری امانت سے پہنچایا پھر تسلسل سے تا حال بھی اور تا قیامت ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہی عزیز وحکیم کی قوت وقدرت کا مظہر ہے۔ اسی احسان عظیم کا آیت آل عمران اور آیت جمعہ اور دیگر سورتوں میں بیان مکرر ہوا تا کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا مفہوم تا قیامت محفوظ رہے بعینہ اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا اللہ کے رسول نے بیان فرمایا۔ اصحاب رسول نے سمجھا۔ اس عقیدہ ختمِ نبوّت کے بیان کی اہمیت ہی ہمارے اس مقالہ کا موضوع وعنوان ہے۔ اب ہم اس کی اہمیت اور اس کے بیان کی تاریخ کا ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں عقیدۂ ختمِ نبوّت کے بیان کا اہتمام

اللہ تعالیٰ کے ہاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا بیان اس قدر مہتم بالشان امر ہے کہ اس کا اقرار واعلان عالم ارواح میں اس وقت ہو چکا جب ابھی انسان اول بھی اس دنیا میں نہیں آیا تھا۔ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اس وقت خاتم النّبیین تھا جب آدم ابھی مٹی گارے میں تھے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شرفِ نبوّت کے خاتمے کا بیان واعلان تمام انبیاء کی بعثت سے بھی بہت قبل ہو گیا تھا، اگرچہ اس افضل الرسل نبی خاتم کی بعثت سب سے آخر میں ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے قبل ہی خاتم النّبیین تھے۔ یہ مقامِ خاتمیت آپ کو حاصل تھا۔ اس ربانی فیصلے کے

بعد اگر تمام کی بعثت آپ کی خاتمیت کی منافی نہیں تو حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آنا آپ کی ختمِ نبوّت کے منافی نہیں ہوسکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس اقرار و بیان کے بعد آدم و دیگر انبیاء کی خلقت و آمد ہوتی رہی پھر بعثت ہوتی رہی مگر نبی خاتم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بعثت ہوگئی تو اب آپ کے بعد کسی کو نبوّت نہ ملنے کا حتمی ربانی فیصلہ و اعلان ہے پھر نبوّت کو نبی خاتم سے پہلے پالینے والے کی آمد دوبارہ آمد نبی خاتم کی ختمِ نبوّت کے معارض نہیں۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانیہ۔ لہٰذا قادیانیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کو آپ کی ختمِ نبوّت کے منافی قرار دینا ایک باطل امر ہے کیونکہ ان کی بعثت صاحب ختمِ نبوّت کے بعد نہیں اس سے پیشتر ہے۔ تو ان کی آمد ختمِ نبوّت کے منافی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ البتہ قادیانیوں کا مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوّت کا اثبات نبی خاتم کی ختمِ نبوّت کے ضرور منافی ہے کیونکہ نبی خاتم کے بعد کسی بھی نبی کی بعثت شرعاً مستحیل اور ناممکن ہے۔ نہ اکتساب سے اور نہ کسی اور طریقے سے۔ نبی خاتم کے بعد تا قیامت خاتم النبیین کی نبوّت و شریعت رہے گی اس لئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ بھی آپ ہی کی شریعت کی اتباع فرمائیں گے۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نبوّت کا حصول، تو یہ اسلامی تعلیمات میں سے نہیں ہے اور نہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ دین میں کسی بھی طرح سے اُمتی کے نبی بننے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ نبی خاتم کی ختمِ نبوّت کے عالم ارواح میں اعلان کے ساتھ ساتھ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے پر پختہ عہد لیا گیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

’’وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾‘‘

(آل عمران)

’’یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت ودانائی سے نوازا ہے، پھر ایک رسول تمہارے پاس انہی تعلیمات کی تصدیق کرنے والا آئے گا تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے ان سے پوچھا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی ذمہ داری اُٹھاتے ہو؟ سب نے کہا کہ: ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: سب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اور جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔‘‘

تو اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے اقرار لینے کا بیان ہے، اور اس نبیٔ خاتم -جس پر شرفِ نبوّت ختم ہے- اس کے زمانۂ بعثت کی بھی تعیین ہے۔ اور وہ سب سے آخر میں ہے اس طرح نبی خاتم پر خاتمیت مرتبت کے ساتھ ساتھ ان کے لئے خاتمیت زمانی کا بھی اعلان ہے کہ ان کے بعد کوئی اس شرف ومنصب سے نوازا نہ جائے گا انہی کا فرمان ہے: ’’لا نبی بعدی ‘‘ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت قتادہ روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کی

بعثت کے نہ ہونے پر عہد لیا۔

پھر جب نبی خاتم کی بعثت کا زمانہ آ گیا تو ان کی خاتمیت کا اعلان قرآن نے یوں فرمایا کہ:

''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۴۰'' (الاحزاب)

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

نبیٔ خاتم کی ختمِ نبوّت کا قرآن کی مذکورہ آیت اور اس کے علاوہ بے شمار آیات میں اقرار واعلان ہے، اور صحیح احادیثِ نبویہ بھی اس باب میں وارد ہیں۔ جیسا کہ احمد، بیہقی اور ابنِ حبان نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت سے خاتم النّبیین ہوں جب آدم علیہ السلام مٹی گارے میں تھے۔

حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ مبارکہ کو خاتم النّبیین قرار دے دینا یہ مسئلہ ختمِ نبوّت یا عقیدۂ ختمِ نبوّت کا اللہ کے ہاں عظیم الشان اور ذی اہتمام ہونے کی دلیل ہے، جس کے پیشِ نظر عالمِ اَرواح میں رُوحِ محمد رسول اللہ کے لئے خاتم النّبیین ہونا قرار دیا گیا اور عالمِ اَرواح میں ہی اجسام کی خلقت سے بھی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا بیان ہو گیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو قرآنِ کریم نے اپنی بے شمار آیاتِ بینات

میں بیان کے جملہ اسالیب کو اس عقیدۂ ختمِ نبوّت کے بیان میں صَرف کر دیا ہے۔

اب ہم ان اسالیب کو بیان کرتے ہیں جو عقیدۂ ختمِ نبوّت کو بیان کرنے کے لئے اختیار کئے گئے ہیں۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت کے متعلق قرآنی اسالیب

اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں جب بھی ایمان باللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ایمان بالرسل کو اس پر عطف کرتے ہیں۔ اور تمام اُمتِ مسلمہ بخوبی طور پر جانتی ہے کہ ایمان بالرسل سے مراد تمام رسولوں اور انبیاء پر ایمان اور حضرت خاتم النّبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ایمان ہے۔

پہلا اُسلوب

ایمان بالرسل کے بیان کا پہلا قرآنی اُسلوب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ایمان بالرسل کو ماضی کے صیغے میں بطورِ خبر ذکر کیا۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ ۚ''

(النساء)

''اے محمد! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق،

یعقوب اور اولادِ یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی۔ ہم نے داؤد کو زَبور دِی۔ ہم نے اِن رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذِکر ہم نے کیا اور اُن رسولوں پر بھی جن کا ذِکر آپ سے نہیں کیا۔ ہم نے موسیٰ سے اس طرح بات کی جس طرح بات کی جاتی ہے۔''

اس قرآنی ضابطے میں حق تعالیٰ شانہ نے ایمان بالرسل کے باب میں دو وحیوں کے وحیٔ ربانی ہونے کی خبر دی ہے، اولاً: تو وحیٔ محمدی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اور ثانیاً: وہ وحی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماقبل انبیاء کی وحی ہے، لہٰذا اہلِ ایمان صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے ماقبل انبیائے کرام کی نبوّت پر ایمان لانے کے پابند ہوئے۔

دُوسرا قرآنی اُسلوب

اس ایمان بالرسل کے بیان کا دوسرا قرآنی اُسلوب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ایمان بالرسل کو صیغۂ مضارع میں مؤمنین کی بطور صفتِ لازمہ کے بیان فرمایا، جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝'' (البقرۃ)

''یہ وہ لوگ ہیں جو اِیمان لاتے ہیں جو آپ کے اُوپر نازل ہوا اور جو آپ سے پہلے والوں پر نازل ہوا اور وہ آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں۔''

اس آیت میں بھی صرف دو وحیوں کا ذکر ہوا ہے: ۱-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی۔ ۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ انبیاء کی وحی۔ مؤمن کہلانے کے وہی حقدار ہیں جو اِن دو وحیوں پر اِیمان لائے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت اور وحی کا ذِکر اسلام میں کہیں بھی

نہیں ہے۔

تیسرا قرآنی اُسلوب

ایمان بالرسل کے بیان کا تیسرا قرآنی اُسلوب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قرآن کے اندر اپنے مخاطب بندوں سے صیغۂ اَمر کے ساتھ مخاطب ہوئے اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ تم ان رسولوں پر یا وحیوں پر ایمان لاؤ، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾''

(النساء)

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے رسول پر نازل کی ہے، اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل کی۔ اور جو کوئی یقین نہ کرے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے کتاب پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر تو بے شک وہ گمراہ ہوگیا۔''

حق تعالیٰ شانہ نے ایمان بالرسل کا مطالبہ فرمایا تو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ سے قبل رسولوں پر۔ جب کتاب پر اِیمان کا مطالبہ کیا تو صرف اسی کتاب پر جو خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور جو ان سے پہلے رسولوں پر نازل کی گئیں۔ پورے قرآن کے مطالعے سے آپ کو کہیں بھی یہ نظر نہ آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی نبوّت پر ایمان کا مطالبہ یا کسی کتاب پر اِیمان لانے کا کہا گیا ہو۔ حالانکہ اگر نبیٔ خاتم کے بعد کوئی نبوّت یا کتاب ہوتی تو اس کا ذِکر کرنا بدرجہ اَولیٰ ضروری اور اس کا بیان مہم ہوتا، کیونکہ اس کا تعلق ہم سے تھا، جبکہ

ایسی نبوّت کا اور کتاب اور وحی کا اللہ کے ہاں وجود ہی نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے جو نبوّت ربانی ہے اور وحیٔ یزدانی ہے اور جس پر مؤمنین کو اِیمان لانا ہے، وہ صرف اور صرف جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ورسالت اور وحی وکتاب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی نبوّت ورسالت اور وحی وکتاب ہے، لہٰذا صرف ان دو وحیوں کو ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صیغۂ ماضی میں بیان فرمایا، اور انہیں اللہ تعالیٰ نے صیغۂ مضارع میں بیان فرمایا ہے، اور انہی دو کو صیغۂ اَمر میں بیان فرمایا ہے۔ جو اس اَمر کی قطعی دلیل ہے کہ واجب الایمان نبوّت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور ماقبل انبیاء کی ہے، اور واجب الایمان وحی، وحیٔ خاتم النّبیین اور ماقبل انبیاء کی وحی ہے۔ نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی نبوّت، وحی اور کتاب، نہ نبوّتِ الٰہی ہے، نہ کتاب و وحیٔ ربانی، نہ واجب الایمان واطاعت ہے، بلکہ واجب اِنکار ورَدّ ہے، اور اِنسانیت ان سے مستغنی ہے۔

نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بشریت کا نبوّت اور شریعتِ جدیدہ سے استغنا!

قرآنِ حکیم نے مکمل وضاحت اور پوری صراحت کے ساتھ نبی علیہ السلام کے بعد کسی نبوّت کے اِجرا کی نفی کی ہے، تاکہ بشریت کو عموماً اور اُمتِ مسلمہ کو خصوصاً اس بات کا کامل یقین رہے کہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی نبوّت اور شریعت کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ اولاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور ثانیاً: حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت آخری شریعت ہے اور یہ اس دُنیا کے آخری آنے والے انسان تک کے لئے ہے، یہی ساری بنی نوعِ

انسان کے لئے دستورِ حیات ہے، انہیں کسی بھی نئی شریعت کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔

خاتمیت نبوتِ محمدیہ اور خاتمیت شریعتِ محمدیہ کو جن آیات نے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک آیت یہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ''

(المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دِین کو مکمل کر دیا اور اور تم پر اپنی نعمت کو تام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا۔''

قبل اس کے کہ ہم کسی مسلم مفسر کا اس آیت کے بارے میں تفسیر کا حوالہ پیش کریں، ہم مرزا غلام احمد قادیانی کی رائے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ''تحفہ گولڑویہ'' صفحہ:۱۵۱، روحانی خزائن ج:۱۷ص:۱۷۵ پر رقم طراز ہے:

''ایسا ہی آیت الیوم اکملت لکم دینکم اور آیت ولکن الرسول الله وخاتم النّبیین میں صریح نبوّت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر چکا ہے، اور صریح لفظوں میں فرما چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، جیسا کہ فرمایا ہے: ولکن رسول الله وخاتم النّبیین۔''

علامہ ابن کثیرؒ (یاد رہے کہ ان کا نام قادیانیت کے ہاں مجددین کی فہرست میں شامل ہے) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے جو ان کی اس اُمت پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو مکمل فرمایا۔ وہ اس کے لائے ہوئے دین کے سوا کسی دیگر دین کے محتاج نہیں ہیں۔ اور نہ وہ اس نبوّت کے بعد کسی دوسری نبوّت کے

محتاج ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں خاتم الأنبیاء بنایا اور انہیں تمام انس و جن کی طرف مبعوث فرمایا۔ حلال وہی ہے جو انہوں نے حلال فرمایا اور حرام وہی ہے جو انہوں نے حرام فرمایا۔ اور دین صرف وہی ہے جو ان کی شریعت ہے۔ اور جس امر کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ حق اور سچ ہے جس میں نہ جھوٹ ہے اور نہ خلاف ہے۔''

علامہ ابن کثیرؒ آیت خاتم النّبیین (وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ آیت نص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اگر آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو آپ کے بعد کسی کے رسول نہ ہونے کی بطریق اَولیٰ نفی ہوگی کیونکہ مقامِ رسالت مقامِ نبوّت سے بڑھ کر خاص ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ اس موضوع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث ثابت ہیں جنہیں صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔''

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو عامر ازدی نے روایت کیا ہے، ان سے زہیر بن محمد نے، ان سے عبداللہ بن محمد بن عقیل نے، ان سے طفیل بن ابی کعب، ان سے ان کے والد نے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

''نبیوں میں میری مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک مکان بنایا، اسے انتہائی خوبصورت تعمیر کیا اور اس کی تکمیل بھی کر دی، صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس عمارت کے گرد چکر لگاتے اور اس کے حسن و جمال پر تعجب کرتے اور کہنے لگتے کہ کاش! اس اینٹ کی جگہ کو پُر کر دیا جاتا۔ میں نبیوں میں

سے اس اینٹ کی جگہ پر ہوں۔‘‘

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

’’بے شک رسالت اور نبوّت منقطع ہوگئی ہیں، سو میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ:

’’مجھے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت بخشی گئی ہے، مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے، رُعب سے میری نصرت کی گئی، میرے لئے مالِ غنیمت کو حلال کیا گیا، میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ کردینے والی بنایا گیا، میری بعثت تمام مخلوق کی طرف ہوئی، مجھ پر نبوّت کو ختم کردیا گیا ہے۔‘‘

ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ:

’’جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، پھر ان کا یہ شرف ہے کہ ان پر نبیوں اور رسولوں کو ختم کردیا گیا، ان پر دِینِ حنیف کو کامل کردیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر سنت میں یہ خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں، تاکہ وہ جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس کسی نے اس مقام کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا، بہتان تراش، خود گمراہ اور دُوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے، چاہے وہ خلافِ عادت اُمور اور شعبدہ بازی کی مہارتیں دکھائے، جادوٹونا کرے، اہلِ عقل کے ہاں یہ سب مستحیل اور گمراہی ہے۔

’’اللہ تعالیٰ نے یمن کے اسود عنسی کے ہاتھ کئی اُمور ظاہر کئے۔ یمامہ میں مسیلمہ سے بھی کئی فاسد اور بے بنیاد اقوال صادر ہوئے، مگر اُمتِ مسلمہ کے ہر

ذی عقل وشعور نے ان دونوں کو جھوٹا اور گمراہ ہی سمجھا - اور اللہ کی ان پر لعنت ہو-
قیامت تک ہر مدعیٔ نبوّت کا یہی حکم ہوگا تا آنکہ مسیح دجال پر اس سلسلے کا خاتمہ ہو۔
اللہ تعالیٰ محض آزمائش کی خاطر ان کے جھوٹوں کے ساتھ بہت سے اُمور ظاہر
کرتے رہیں گے مگر اہل علم اور مؤمنین ان کی تکذیب ہی کریں گے۔''

مرزا غلام احمد اور خاتمیت کے درست مفہوم کا اعتراف

مرزا غلام احمد ''حمامة البشری''ص: ۳۴، روحانی خزائن ج: ۷ ص: ۲۰۰ میں خود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نبوّت ورسالت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النّبيين) ألا! تعلم أن الرب الرحيم المتفضل يسمى نبينا صلى الله عليه وسلم خاتم الأنبياء بغير استثناء وفسره نبينا صلى الله عليه وسلم فى قوله: لا نبي بعدي۔"

''محمد رسول اللہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ فضل فرمانے والے ربِّ رحیم نے ہمارے نبی کریم کو خاتم الأنبیاء بنایا ہے بغیر کسی استثناء کے۔ اور اس کی تفسیر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول ''میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے'' سے فرمائی ہے۔''

مرزا غلام احمد ''تبلیغ رسالت'' ۲۵/۵ پر رقم طراز ہے:

''اے لوگو! مسلمانوں کی ذُرّیت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النّبیین کی بعد وحی نبوّت کا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو جس کے

سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔''

تبلیغ رسالت ۶ / ۲ پر رقم طراز ہے:

''ہم بھی مدعی نبوّت پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ''
کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ایمان رکھتے ہیں۔''

''حمامۃ البشریٰ'' میں صفحہ ۹ پر عربی میں رقم طراز ہے:

"وما كان لي أن ادعى النبوة، وأخرج عن الإسلام والحق
بقوم كافرين۔"

''میرے لئے درست نہیں کہ میں نبوّت کا دعویٰ کروں اور اِسلام سے
خارج ہوکر کافروں کے اندر شامل ہو جاؤں۔''

مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتمیت رسالتِ محمدیہ کا جو مفہوم اور آیت خاتم النّبیین کی جو تفسیر جناب رسول اللہ سے ثابت ہے اور مسلم اُمت کا جس پر اِجماع ہے، مرزا غلام احمد نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی یہ بھی رائے رہی ہے کہ اس کا منکر ان کے ہاں مستحق لعنت ہے اور اس کا شمار کافروں میں سے ہوگا۔

آخر کیوں؟

مگر مرزا غلام احمد نے پھر اس صحیح عقیدے میں کیوں تبدیلی کی؟ قادیانیت کے پاس اس امر کا کیا جواز ہے؟ اور وہ اس کے لئے کیا عذر پیش کرتی ہے؟

ہم صاف طور پر کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ صرف اپنے مقررہ اہداف ومقاصد کے حصول کی خاطر کیا گیا، اور وہ مقاصد وہی ہیں جن کا ذِکر ہم نے تفصیل سے اپنے تیسرے مقالے ''غیر آسمانی نظریہ'' میں کیا ہے۔ انہی کی خاطر مرزا غلام احمد نے اپنے عقیدے میں تبدیلی کی اور اپنے

آپ کو بروزِ خاتم النّبیین ٹھہرایا، مگر اس کے ساتھ قادیانی لٹریچر مندرجہ ذیل تناقضات سے بھی پُر ہے۔

مرزا غلام احمد ''تجلیات الٰہیہ'' صفحہ:۲۵/ پر رقم طراز ہے:

والآن وقد انقطعت النبوات كلها إلا النبوة المحمدية لا يمكن أن يأتي نبي تشريعي ويمكن أن يأتي نبي غير تشريعي ويجب أن يكون أمتيا قبله وعلى هذا يكون أمتيا ونبيا أيضا۔"

مرزا غلام احمد کے مذکورہ بیان کا ترجمہ، اور اب تمام نبوتیں ماسوا نبوت محمدیہ کے منقطع ہیں اور آپ کے بعد تشریعی نبی کا آنا ممکن نہیں ہاں غیر تشریعی نبی آسکتا ہے اور ضروری ہے کہ وہ اس سے قبل امتی ہو اور یوں وہ امتی ہو اور نبی بھی ہو ساتھ ساتھ اس کی تصریح بھی ''ریویو آف ریلیجنز'' صفحہ ۸ مندرج در خزائن روحانیہ:۱۹/ ۲۱۶ جس میں وہ نبوّت اور اُمتی ہونے کو دو متناقض حقیقتیں بتاتا ہے۔

متناقض اُمور کا جمع کرنا جیسے: نبی + اُمتی۔ مسیح موعود + مہدی۔

یہ مرزا غلام احمد کے ہاں معروف اُسلوب ہے۔

مرزا کا نقیضوں کو جمع کرنا اور مقصود

مرزا غلام احمد نے اپنے لئے متناقض اُمور یا متبائن اوصاف کو جمع کرنا روا رکھا کیونکہ اس کے اہداف اس کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ وہ یہ کہہ کر کہ: ''نبوّتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے، کوئی تشریعی نبی نہیں آسکتا ہے، ہاں غیر تشریعی نبی آسکتا ہے جو اس سے پہلے اُمتی ہو'' دراصل مرزا غلام احمد اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا انکار کرنا چاہتا ہے، پھر اسی بیان کو اپنے اِدّعائے نبوّت کی سیڑھی بنا کر خود اپنے لئے، اُمتی نبی، کبھی بالقوۃ نبی، کبھی ظلّی نبی، کبھی غیر تشریعی

نبی اور آخر کار تشریعی نبوّت کا بھی دعویٰ کر لیتا ہے۔

مگر اس نے یہ تمام دعوے کسی شرعی دلیل یا کتاب وسنت کے حوالے سے نہیں کیے، بلکہ سب میں اپنے ذاتی الہامات اور کشوفات کو حجت بنایا۔

مرزا غلام احمد تو اپنے بے بنیاد اِلہامات اور مخالف کتاب وسنت وحیوں اور کشوفات کی بنیاد پر اپنے پرانے عقیدہ خاتمیت نبوّت ورسالت سے فارغ ہو گیا اور اپنے مذکورہ فتویٰ کی روشنی میں اُمت کے دائرے سے خارج اور بابِ لعنت میں داخل ہو گیا، مگر اُمتِ مسلمہ کتاب وسنت کی مرجعیت کی بنیاد پر اپنے عہدِ اوّل سے تا حال ثابت شدہ عقیدے پر قائم رہی اور بفضل اللہ تا قیامت قائم رہے گی، کیونکہ وہ عقیدہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ سے ثابت ہے، اسی پر اُمت کے سلف وخلف کا اجماع ہے اور پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ کسی کے الہامات وکشوفات سے ثابت عقیدہ باطل اور فاسد عقیدہ ہوتا ہے جبکہ کتاب وسنت سے ثابت عقیدہ ہی مستحکم، حق، سچ اور صواب ہے۔

قابلِ تأمل امر!

مرزا غلام احمد جو ایک اُمتی تھا، اس نے کیونکر اپنے آپ کو ساداتِ انبیاء اور رُسل اور حضراتِ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صف میں بے بنیاد طور پر لا کھڑا کر دیا؟

مرزا غلام احمد کی اس کارروائی میں اس کا طریقۂ کار یہ رہا کہ وہ نبوّت کے مفہوم میں یا خاتم النّبیین کے مدلول میں تحریف کرے۔

وہ ''براہین احمدیہ'' کے ضمیمہ مندرج در ''خزائن روحانیہ'' ۲۱/۳۰۶ میں لکھتا ہے:

> ''نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کیا گیا۔ نبی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو۔ اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو،

شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں، اور نہ ضروری ہے کہ صاحبِ شریعت رسول کا متبع ہو۔ پس ایک اُمتی کو ایسا نبی قرار دینے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا، بالخصوص اس حالت میں کہ وہ اُمتی اپنے اسی نبی متبوع سے فیض پانے والا ہو۔''

اسی طرح ''تجلیاتِ الٰہیہ'' صفحہ ۲۶ مندرج خزائن روحانیہ'' ۴۱۲ / ۲۰ر میں رقم طراز ہے:

''شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے، مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو، پس اسی بناء پر میں اُمتی بھی ہوں اور نبی بھی۔''

مرزا غلام احمد ''حقیقۃ الوحی'' کے صفحہ ۲۸ مندرج در ''خزائن روحانیہ'' ۳۰ / ۲۲ پر رقم طراز ہے:

''اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوّت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے اُمتی ہونا لازمی ہے۔'' (اور حاشیہ میں ہے: ''لیکن اِس اُمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو اُمتی بھی ہے اور نبی بھی۔'')

الحاصل مرزا غلام احمد نے عصمت ونبوّت کے دائرے میں قدم رکھنے کے لئے یا تو نبوّت کے مفہوم میں تحریف کی یا خاتم النّبیین کے مفہوم میں تبدیلی کی۔

مرزا غلام احمد ''حقیقۃ الوحی'' صفحہ: ۹۶ (حاشیہ) مندرج در روحانی خزائن ۹۹ / ۲۲ پر رقم طراز ہے:

''اور خدا کی مہر نے یہ کام کیا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا اس درجہ کو پہنچا کہ ایک پہلو سے وہ اُمتی ہے اور ایک پہلو سے نبی۔''

قادیانیت سے اِستفسار برائے تامل وتدبر

آخر میں قادیانیت سے ہمارا یہ اِستفسار ہے کہ جب مرزا غلام احمد نے خود یہ اعلان کیا کہ: ''میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، مجھ سے پہلے بھی نبی گزرے ہیں'' تو تم اپنے ذرائع ابلاغ میں کس بنیاد پر ختمِ نبوّت کی سیریز میں یہ اعلان کرتے ہو کہ مرزا غلام احمد کی نبوّت مخصوص قسم کی نبوّت ہے، یہ ایسی نرالی نبوّت ہے جس کی نظیر نہیں۔ تامل وتدبر سے کام لو شاید سبیل ہدایت کو پالو۔

خلاصۂ مبحث

۱- پوری اُمتِ مسلمہ کا عہدِ اوّل سے تا حال اس پر اِجماع ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی ہیں۔

۲- رسولوں پر اِیمان کا یہ تقاضا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور رسالت ربانی کے اس سلسلے کو ختم مانا جائے۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت رسالت ونبوّت کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے کہ انسانیت نعمتِ نبوّت سے محروم ہوگئی ہے، بلکہ اس کا مدلول یہ ہے کہ نعمتِ نبوّت جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر کامل ہوچکی ہے اور وہ تا قیامت باقی رہے گی۔

۴- کوئی انسان، یا اس دُنیا کا کوئی زمانہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ رسالت ونبوّت سے خارج نہیں ہے۔

۵- نبوّتِ ربانی کسبی نہیں بلکہ وہبی نعمت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے جس کا سلسلہ حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے اور تا قیامت انہی کی نبوّت رہے گی۔

۶- ختمِ نبوّت کے باب میں قادیانیت کے عجیب وغریب تناقضات۔

۷- عقیدۂ ختمِ نبوّت میں قرآنِ حکیم کے تین اسالیب۔

۸- مرزا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے انکار اور اپنے لئے اِدّعائے نبوّت اور مسیحیت کا راستہ ہموار کرنا۔

۹- مرزا نے اپنے دعووں میں کتاب وسنت یا کسی شرعی مستند پر نہیں، اپنے اِلہامات وکشوفات پر اعتماد کیا۔

نمبر ⑯ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

قادیانیت کی آیتِ ''خاتم النّبیین''میں وارِد لفظ''خاتم''کو''افضل''پر حمل کرنے سے غرض وغایت،اوراس کا لغوی وشرعی حکم

خلاصۂ بحث

مندرجہ ذیل اُمور میں:

۱- نبی خاتم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دونوں خاتمیتیں، یعنی رتبہ میں خاتمیت اور زمانہ میں خاتمیت بیک وقت ثابت اور مخصوص ہیں۔

۲- اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وخاتم النّبیین'' اپنے حقیقی معنوں میں ہے، جسے مخلوق کے کلام ''فلاں خاتم المحدثین ہے'' پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

۳- لفظِ خاتم جن چھ معانی میں مشترک ہے ان میں ''آخری'' تو ہے، مگر افضل نہیں، لہٰذا خاتم ''آخری'' اور ''افضل'' میں مشترک نہیں۔

۴- اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی ''وخاتم النّبیین'' کا مفہوم لغت، نقل اور شریعت میں ''آخری نبی'' ہی ہے، اسے دیگر پر حمل کرنا لغوی و شرعی منکرات میں سے ہے۔

۵- لفظِ خاتم کو آخری کے بجائے افضل پر حمل کرنا، قادیانیت کا ایک عظیم اغلوطہ ہے، جو قرآنی آیت میں تحریف اور عقیدۂ ختمِ نبوّت میں باعثِ تشویش امر ہے۔

۶- نبی خاتم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی افضلیت آخریت سے جدا نہیں۔

۷- نبی خاتم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی آخریت آپ کی افضلیت کی دلیل ہے۔

۸- نبی خاتم ﷺ کی بعثت میں خاتمیت، پھر رتبہ رسالت میں خاتمیت، ہر دو مستقل عنوان ہیں، اور ہر دو کے مستقل شرعی دلائل ہیں۔

۹- مسیح موعود آسمان سے نازل ہوں گے، قادیان میں پیدا نہیں ہوئے۔

تنقیحِ موضوع

مقدمہ کے طور پر یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ لغتِ عرب، وہ نظم ہو یا نثر، اس میں لفظِ ''خاتم'' اٰخیر کے لیے بھی استعمال ہوا، اور ''افضل'' کے لیے بھی، بلکہ ''مفضول'' کے لئے بھی، یہ اُمور حقائق واقعی ہیں، اور واقعات کا اعتراف سبھی کرتے ہیں، لہٰذا واقعی اُمور متنازع فیہ نہیں ہوتے۔

اہل اسلام اور قادیانیت کے مابین متنازع فیہ یہ امر ہے کہ کیا ارشادِ باری تعالیٰ: ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط'' (الاحزاب:۴۰) اس آیتِ ''خاتم النّبیین'' میں باری تعالیٰ نے لفظِ ''خاتم'' سے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت میں آخری قرار دیا؟ اور جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر اپنے آخری نبی ہونے، جن کے بعد کوئی نبی نہیں سے کی، صحابۂ کرام سے لے کر جملہ مفسرین نے اس سے مراد آخری نبی لیا، اور اُمتِ مسلمہ نے اجماعی طور پر اسے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی دلیل بنایا؟ یا انہوں نے اس آیت میں مذکور لفظِ ''خاتم'' کو ''افضل'' پر محمول کیا؟ انہوں نے خاتم نبیین سے مراد افضل النبیین بغیر آخری نبی ہونے مراد لیا؟ یہ سطور تنقیحِ مقال کے طور پر ہیں، اب ہم اس مقالہ کا آغاز کرتے ہیں، تاکہ حق سب پر واضح ہو جائے، پھر اس کا قبول کرنا، اور دل سے تسلیم کرنا بھی آسان ہو۔

آغاز مقال

نبیٔ خاتم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم، خصوصی قدر ومرتبت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل بھی ہیں، اور خاتم الأنبیاء بھی۔ آپ کے افضل الرسل ہونے سے مراد یہ ہے، کہ منصبِ رسالت میں آپ آخری مقام پر فائز ہیں، اور آپ کے خاتم الأنبیاء ہونے سے مراد آپ کا آخری نبی ہونا ہے۔ یعنی آپ رتبۂ رسالت میں اوّل، اور بعثت میں سب سے آخری ہیں، آپ کے بعد کسی کو منصبِ نبوّت ورسالت عطا نہ ہوگا، آپ کے افضل الرسل ہونے کو خاتمیتِ رتبی، اور آپ کے آخری نبی ہونے کو خاتمیتِ زمانی کہا جاتا ہے، یہ دونوں خاتمیتیں بیک وقت آپ میں جمع ہیں، اور یہ صرف آپ ہی کا خاصہ ہیں۔

نبی خاتم کی ان دونوں خاتمیتوں اور مرتبوں کا اعلان وبیان کھلے طور پر قرآن وسنت میں کئی اسالیب کے ساتھ کئی مقامات پر ہو چکا ہے۔

آپ کی رتبی خاتمیت اور زمنی خاتمیت کے لئے مستقل نصوص وارد ہیں۔

دونوں مرتبوں کا بیان از قرآن

خاتمیتِ زمنی

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فصیح وبلیغ کلام میں ہر عنوان کو مستقل عبارت، نص اور الفاظ

میں بیان فرمایا ہے۔

خاتمیت زمانی کے لئے ایسی تعبیر اختیار فرمائی جو عربی لغت میں آپ کی نبوّت میں آخریت کے لئے متعین ہے، کہ اہل لغت سنتے ہی اس کو سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس کا معنی اور مراد ان پر واضح ہوجاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط'' (الاحزاب: ۴۰)، ترجمہ: جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود نہایت فصیح و بلیغ اور صریح الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی کہ ہر سننے والا سن کر یہ سمجھ لے، کہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اور آپ کے بعد تا قیامت کسی نبی کی بعثت نہ ہوگی۔

آپ نے فرمایا: ''أنا خاتم النّبيين لا نبي بعدي'' ترجمہ: (میں خاتم النّبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔

مقامِ تأمل!

چونکہ ارشادِ پیغمبر بیانِ قرآن ہے، لہٰذا خاتم النّبیین سے اللہ تعالیٰ کی مراد کو جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں متعین فرما دیا، کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، تو یہ بیان نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہونے کے بزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم متعین ہوگیا، اور پوری اُمتِ مسلمہ کا روزِ اوّل سے اس پر اجماع ہے۔

خاتمیتِ رتبی

مرتبتِ رسالت میں آپ کا مقام سب سے افضل واعلیٰ اور اوّل، اور زمانۂ بعثت میں آپ ﷺ سب سے اخیر، یہ دونوں خصوصیتیں بلافصل نبی خاتم کے لئے خالق نے متعین فرما

دیں، جس کا اکٹھے بیان آیتِ میثاق میں یوں ہوا:

''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط''

(آل عمران:۸۱)

ترجمہ: ''اور جب اللہ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا، کہ میں نے تمہیں کتاب وحکمت عطا کی پھر تمہارے پاس ایک رسول آئیں گے، اس کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، تو تمہیں ضرور ان پر ایمان لانا ہوگا، اور ضرور ان کی مدد کرنی ہوگی۔''

نبیٔ خاتم کے دونوں مرتبوں خاتمیتِ رُتبی اور خاتمیتِ زمنی کا بیان چونکہ دین کے اہم دو مسئلوں کا بیان ہے، اور ان کا تعلق ہمارے عقائد سے ہے، اس لئے باری تعالیٰ نے انہیں خوب وضاحت سے بیان فرمایا ہے، اور دونوں مسئلوں کو قطعی نصوص کے ساتھ کسی جگہ اکٹھے، اور کسی جگہ الگ الگ بیان فرمایا۔ آیتِ ''خاتم النّبیین'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی، اور نبوّت میں آخری ہونے کا بیان ہوا، اور آیتِ میثاق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ افضلیت اور اس کے ساتھ ساتھ بعثت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخریت اور اس کے بعد افضلیت کی دلیل ہونے کے طور پر ذکر ہوا ہے۔

دونوں مرتبوں میں فصل کرنے کی قادیانی چال اور اس کی حقیقت

پوری اُمتِ مسلمہ عہدِ اوّل سے تا حال دونوں مرتبوں افضلیت وآخریت کو جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ مانتی ہے، بانیٔ قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی نے کتاب وسنت اور اجماعِ اُمت کے برخلاف نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود نبوّت کا دعویٰ کر کے

''خاتمیتِ نبوّتِ محمدیہ'' کے اجماعی عقیدے کا انکار کر دیا، قادیانیت نے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوّت کے جواز اور اس کے جاری رہنے کے لیے راستہ بنانے کی خاطر جو عمل کیا، وہ یہ ہے کہ اس نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وارد آیت ''ختمِ نبوّت'' پر وار کیا، اور اس میں واردلفظِ ''خاتم'' کو ''افضل'' پر محمول کر کے، اس کی قطعی طور پر متعین مراد میں تحریف کی مذموم سعی کی۔

قادیانیت نے قرآنِ کریم کی آیت ''وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط'' میں واردلفظِ ''خاتم'' کی اس تفسیر کو جو نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، پھر جملہ مفسرین نے کی، یکسر ردّ کرتے ہوئے عوام الناس کے ایک مقولے پر رکھی، اور کہا کہ جس طرح لوگ کہتے ہیں، ''فلاں عالم خاتم المحد ثین ہے'' اور ''فلاں خاتم المفسر ین ہے''، اور اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان کے بعد کوئی محدث اور مفسر نہیں، بلکہ اس سے مراد ان کی یہ ہوتی ہے کہ وہ افضل محدث اور افضل مفسر ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مراد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیوں میں افضل بتانا ہے، یہ نہیں کہ آپ آخری نبی ہیں۔

قادیانیت کی غرض اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت بیان کرنا نہیں، بلکہ آپ کی افضلیت اور آخریت میں فصل کرنا ہے، اور جنابِ نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوّت کو جاری ماننا ہے، نیز قادیانیت کھلے عام یہ کہتی ہے، کہ جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوّت ختم نہیں، نہ آپ کے خاتم ہونے سے یہ مراد ہے، بلکہ ''خاتم'' کا لفظ لغت میں آخری اور افضل میں مشترک ہے، مسلمانوں نے اسے آخری پر حمل کیا، اور قادیانیت نے اسے افضل پر حمل کیا، اور ''افضل'' پر حمل کرنا ''آخری'' پر حمل کرنے سے بہتر ہے، قادیانیت کا یہ اُسلوب لغت میں خیانت، علم وادب سے ناواقفیت، اُصول وضوابط سے اِنحراف اور شرعی

مُسلّمات میں تشویش پیدا کرنے کی خطرناک کوشش ہے، جس کا مفصل بیان ملاحظہ ہو۔

قادیانی اُسلوب کا مفصل بیان، اور لغوی اور شرعی حکم

چونکہ قادیانیت، لغت میں'' خاتم'' کے'' افضل'' ہونے کا سہارا لیتے ہوئے قرآنِ کریم کی آیت میں لفظِ'' خاتم کو'' افضل'' پر حمل کرتی ہے(حقیقۃ الوحی ص:۱۰۰ / ۲۲۔) اور لفظِ'' خاتم'' کو آخری اور افضل میں مشترک قرار دیتی ہے، لہٰذا آغاز ہم مشترک کی تعریف سے کرتے ہیں، پھر لفظِ'' خاتم'' جن معانی میں مشترک ہے اس کا بیان کرتے ہیں، تاکہ قادیانی اسلوب کی حقیقت اور حق سب پر واضح ہو جائے، اور جن کے لئے ہدایت مقدر ہو، وہ حق اور صواب کو اختیار کرلیں۔

مشترک کی تعریف

''ھو ما وضع لمتعدد ابتداء'' مشترک وہ لفظ ہے جو ایک سے زائد معنی کے لئے ابتداءً وضع ہو۔

اس تعریف سے یہ اُمور واضح ہو جاتے ہیں، اوّلاً:-مشترک کے ایک سے زائد معانی ہوتے ہیں۔ثانیاً:-مشترک کے تمام معانی حقیقی ہوتے ہیں۔ثالثاً:- وہ لفظ اگر مجازاً کسی معنی میں استعمال ہو، تو چونکہ وہ مجازی مدلول لفظ کا حقیقی معنی نہیں ہوتا کہ وہ اس کے لئے وضع ہوا ہو، لہٰذا وہ اس کے مشترکہ معانی میں شمار نہیں ہوگا، نہ ہی کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی اور اس مجازی مدلول میں مشترک قرار پائے گا، کسی لفظ کو وضعی معنی اور مجازی مدلول میں مشترک کہنا کھلی جہالت ہے، مجازی استعمال کی بنیاد پر کسی لفظ کو مشترک بنانا لغوی اور اُصولی منکرات میں سے شمار ہوگا، اور ایسا کرنے والا علم وفن سے ناواقف سمجھا جائے گا، یا وہ دانستہ طور پر ایسا عمل تلبیس کے لئے کر رہا ہے، اس کا فیصلہ ان سطور کو پڑھنے والا کرے گا۔

لفظِ ''خاتم'' کن معانی میں مشترک ہے؟

لغت میں لفظِ ''خاتم''جن چھ معانی میں مشترک ہے، وہ یہ ہیں:-

۱- انگوٹھی ۲- نگینہ

۳- مہر کا نقش ۴- گدی کا گڑھا

۵.کھر کی سفیدی۔ ٦- آخری اور خاتمہ

عربی میں کہا جاتا ہے: ''خـاتـم الـقـوم ''قوم کا آخری فرد۔قرآن میں جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے: ''وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ'' اوروہ آخری نبی ہیں، اسی طرح قرآن میں ہے: ''خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ''(المطفّفین:۲٦)مشروب کے اخیر میں کستوری ہوگی۔

اہلِ لغت نے لفظِ ''خاتم'' کو صرف انہیں معانی میں مشترک کہا ہے، ان میں ہرگز ہرگز نہیں ہے، لہٰذا قادیانیت کا یہ قول سراسر غلط اور لغت کے خلاف ہے کہ لفظِ ''خاتم''، ''آخری'' اور ''افضل'' میں مشترک ہے، رہا اس کا لوگوں کے قول میں بر بنائے مبالغہ ''افضل'' کے لئے استعمال! تو یہ ''خاتم'' کا مجازی استعمال ہے، جو ''خاتم'' کا معنی نہیں کہلاتا، بلکہ یہ متکلم کی مخصوص موقع پر مراد ہے، ایسا مجازی استعمال صرف ''خاتم'' کا ہی خاصہ نہیں، لوگ مجازی طور پر بہادر آدمی کو ''شیر'' کہہ دیں، نہ وہ شیر بن جاتا ہے، نہ اس کے جسم پر بال آجاتے ہیں، نہ ''شیر'' کا معنی ''بہادر آدمی'' ہو جاتا ہے، مجازی استعمال پر اللہ کے کلام کا معنی بدلنا خطرناک قسم کی تحریف ہے، جو لغت اور شریعت کی کھلی مخالفت ہے۔

مشترک کے اَحکام وضوابط

کسی بھی مشترک لفظ میں اہلِ مغالطہ کے مغالطوں سے مأمون رہنے کے لئے ان ضوابط کا اِستحضار ضروری ہے۔

اوّلاً:-مشترک کے تمام معانی وضعی اور حقیقی ہوتے ہیں، کوئی مجازی نہیں ہوتا، جیسے لفظِ ''خاتم'' کے مذکورہ چھ معانی، جن میں ''افضل'' داخل ہی نہیں۔

ثانیاً:-مشترک لفظ بیک وقت صرف ایک معنی پر دلالت کرتا ہے، سب کو شامل نہیں ہوتا۔

ثالثاً:-مشترک کے معانی میں سے جو معنی متعین ہو جائے، اگر وہ دلیلِ قطعی سے متعین ہوا، یا اس پر اِجماعِ اُمت ہو جائے، تو وہ اس کا قطعی مدلول ہوگا، جس میں دیگر کا ہرگز ہرگز احتمال نہ رہے گا، جیسے آیتِ ''خاتم النّبیین'' میں ''خاتم'' کا معنی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ''آخری'' نبی متعین فرما دیا، اور صراحت فرما دی، کہ ''میں خاتم النّبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں''، نیز اِجماعِ اُمت بھی اسی پر ہے، تو لفظِ ''خاتم'' کا یہ معنی قطعی ہے، لہٰذا آیتِ ''خاتم النّبیین'' قطعی الثبوت ہے، کہ وہ قرآنی نص ہے، اور وہ قطعی المراد ہے، کہ اس کا مفہوم ''آخری نبی'' ہونا بھی ہے، کہ وہ تفسیرِ پیغمبر، اجماعِ صحابہ، اجماعِ مفسرین اور اِجماعِ اُمت سے ثابت ہے، تو ''خاتم النّبیین'' جب قطعی الدلالت ہے، قادیانیت کا یہ قول کہ: ''لفظِ ''خاتم''، ''آخری'' اور ''افضل'' میں مشترک ہے'' سراسر باطل ہے، یہ لغت وشرع کی کھلی مخالفت ہے، نیز اس جگہ ''خاتم'' کو اس کے دیگر معانی مشترکہ پر حمل کرنا درست نہیں، بلکہ اس جگہ لفظِ ''خاتم'' اپنے مجازی استعمال کا متحمل ہی نہیں ہے۔

رابعاً:-مشترک اپنے وضعی معانی میں سے جس پر بھی دلالت کرے، وہ حقیقی معنی ہی ہوگا۔

خامساً:-اگر مشترک اپنے حقیقی ووضعی معانی کے علاوہ کسی دیگر معنی کے لئے استعمال

ہوا، تو وہ اس کا وضعی معنی نہیں، اس کا مجازی استعمال کہلائے گا، جیسے لفظِ ''خاتم المفسرین'' میں ''افضل''، مفسر کے لئے۔

سادساً:- کوئی لفظ حقیقی ومجازی معنوں میں مشترک نہیں ہوتا۔

سابعاً:- کسی لفظ کا معنی حقیقی ہو، دوسرا اس کا مجازی استعمال سے مدلول ہو، تو جب تک لفظ کا حقیقی معنی پر حمل کرنا ممکن ہو، اسے مجازی مدلول پر حمل نہیں کیا جائے گا۔

لوگوں کے کلام میں لفظِ ''خاتم'' اور قادیانی اغلوطے

ہمارے سابقہ بیان کے بعد خوب واضح ہو جاتا ہے کہ قادیانیت نے لفظِ ''خاتم'' میں بہت سے مغالطات کا اِرتکاب کیا ہے۔

قادیانیت اگر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت بیان کرنے میں مخلص ہوتی تو اسے افضلیت کی ادلہ سے ثابت کرتی، وہ آپ کی نبوّت میں آخریت کی قطعی دلیل کو مجروح کرنے کی سعی نہ کرتی۔ لہٰذا قادیانیت نے آیتِ قرآنی میں وارد ''خاتم'' کو لوگوں کے کلام پر قیاس کرتے ہوئے ''افضل'' پر حمل کرنے میں مندرجہ ذیل علمی، ادبی جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔

اوّلاً:- قادیانیت نے اللہ کے کلام میں وارد حقیقی لفظِ ''خاتم'' کو لوگوں کے کلام میں وارد مجازی ''خاتم'' پر قیاس کیا۔

ثانیاً:- قادیانیت نے حقیقت اور مجاز کے مابین لبس کر دیا، اور فرق نہ رہنے دیا۔

ثالثاً:- قادیانیت نے مشترک کی تعریف میں خلط پیدا کر دیا۔

رابعاً:- قادیانیت نے ادبی، علمی اور اُصولی ضوابط کے برخلاف مجازی مفہوم کو لفظِ ''خاتم'' کے حقیقی معانی میں داخل کر کے مشترک کے مفہوم کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

خامساً:- قادیانیت نے لفظِ'' خاتم'' کے مشترکہ معانی انگوٹھی، نگینہ، نقشِ مہر، گدی کا گڑھا، کھر کی سفیدی اور'' آخری''میں سے صرف ایک'' آخری''معنی لے کراس کے ساتھ اس کے مجازی مدلول'' افضل'' کو ملاکر'' خاتم'' کو دونوں میں مشترک ٹھہرایا، اور لغت کی کھلی مخالفت کی، مشترک ایسا نہیں ہوتا (اسے تو حقیقت ومجاز کہتے ہیں)

سادساً:- قادیانیت نے حقیقی اور مجازی معنی میں اشتراک پیدا کردیا، حالانکہ کوئی لفظ حقیقی اور مجازی معنی میں مشترک نہیں ہوتا۔

سابعاً:- قادیانیت کی یہ رَوِش صرف قرآنی آیت میں'' خاتم النّبیین'' کے مفہوم میں تبدیلی کی خاطر ہے، لہٰذا یہ اس کا اِلحاد فی آیات اللہ ہے۔

ثامناً:- قادیانیت نے اُصولِ تفسیر کی کھلی مخالفت کرتے ہوئے آیت کے شانِ نزول سے اعراض کیا، کیونکہ آیت کا شانِ نزول اس بات کا تعین کردیتا ہے، کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے باب میں آخری ہونے کا بیان ہے، کہ تا قیامت آپ کا ذکرِ خیر باقی رہے گا، اور ان لوگوں کا ردّ ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد بچپن ہی میں وفات پانے، اور آپ کے متبنّٰی کی نسبت کٹنے کے بعد یہ کہنے لگے کہ:'' اب اس کا نام باقی رہے گا۔''

تاسعاً:- آیتِ'' خاتم النّبیین'' میں'' خاتم'' کا آخری کے معنی میں قطعی ہونا یہی تفسیرِ پیغمبر ہے، اور اسی پر اُمت کے تمام طبقات کا اِجماع ہے، اسے آخری اور افضل میں مشترک بنانا، اور اس پر حمل کرنا یہ قطعی کی قطعیت کے خلاف سازش اور اس کو ظنی بنانے کی غیر شرعی جسارت ہے۔

اور یوں قادیانیت کی لغت وشرع کی واضح مخالفت عوام میں اسلامی مُسلّمات میں تشکیک کے سلسلے کی ایک خطرناک کڑی ہے۔

الحاصل

قادیانیت کا آیتِ ’’خاتم النّبیین‘‘ میں واردلفظِ ’’خاتم‘‘ کولوگوں کے کلام میں واردلفظِ خاتم پر قیاس کرنا اسلام کے بنیادی عقیدہ ’’ختمِ نبوّت‘‘ میں تلبیس کرنے کی سعی، اور نبی خاتم کے بعد سلسلۂ نبوّت کے اجرا کی ناکام کوشش، اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا کھلا انکار ہے، اور آپ کی افضلیت مطلقہ کا بھی انکار ہے قادیانیت کے اس اُسلوب کو مزید سمجھنے کے لیے یہ تمہید خوب نافع رہے گی۔

لفظِ خاتم کا استعمال اور ضروری تمہید

یادرہے کہ عربی زبان میں لفظِ ’’خاتم‘‘ جس وصف کی طرف مضاف ہو، وہ اس کا آخری شمار ہوتا ہے، یہی ’’خاتم‘‘ کا لغوی مفہوم ہے، جیسے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد جنابِ نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں یوں ہے: ’’وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ‘‘۔ اوراس کی تفسیر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمادیا کہ: ’’میرے بعد کوئی نبی نہیں۔‘‘ تو قرآن میں لفظِ ’’خاتم‘‘ کا مفہوم متعین ہو گیا، اب لوگوں کے کلام میں لفظِ ’’خاتم‘‘ کا استعمال کہ ’’فلان خاتم المحدثین ‘‘ کہ فلاں خاتم المحدثین ہے، اس کی تفصیلِ مزید اور قادیانیت کے دجل کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ان سطور کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔

یادرہے کہ!

لفظِ ’’خاتم‘‘ کا استعمال کسی صفت کی طرف مضاف کے طور پر اس طرح کہ فلاں اس وصف میں آخری ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ علام الغیوب کا خاصہ ہے، مخلوق کا دائرہ کار نہیں، اس لیے جب بھی کسی کے کلام میں لفظِ ’’خاتم‘‘ کسی صفت کی طرف مضاف کے طور پر آئے، جیسے ’’خاتم

النّبیین‘‘، ’’خاتم المہاجرین‘‘، ’’خاتم المساجد‘‘، ’’خاتم المحد ثین‘‘ تو قائل کا یہ قول تین مندرجہ ذیل احتمالات کا حامل ہوگا:-

اوّلاً:- قائل علام الغیوب ہو، جو ہر صفت میں اوّل و آخر کا علم وادراک رکھتا ہے، تو اس کا قول حق، سچ اور حقیقت ہوگا، اور اسے ’’خاتم‘‘ کے حقیقی معنی یعنی آخری پر ہی محمول کیا جائے گا، اور اس کا یہی معنی متعین ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ کا جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ فرمانا کہ: ’’وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط‘‘ تو یہاں لفظِ ’’خاتم‘‘، قطعی طور پر آخری کے معنی میں ہی ہوگا۔

ثانیاً:- لفظِ ’’خاتم‘‘ کا قائل وہ ہے، جسے علام الغیوب نے اطلاع دی، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا کو فرمانا کہ وہ ’’خاتم المهاجرين‘‘، اور اپنی مسجد کے بارے میں ’’آخر المساجد‘‘ فرمانا، کہ وہ آخری مسجد ہے، جو نبی کے ہاتھوں تعمیر ہوئی، اور اپنے بارے میں فرمانا: ’’أنا خاتم النّبیین، لا نبی بعدی‘‘ میں آخری نبی ہوں میرے بعد نبی نہیں۔

ثالثاً:- لفظِ ’’خاتم‘‘ کا قائل نہ علام الغیوب ہے، نہ ہی اسے علام الغیوب نے اطلاع دی، تو اس کا یہ قول دو حال سے خالی نہیں:-

پہلی صورتِ حال:- یہ قول صریحاً جھوٹ ہے، کیونکہ اس کا یہ قول اس باب میں ہے، جس کا اسے علم ہے ہی نہیں۔

دوسری صورت:- کسی عقلمند قائل کا یہ قول کہ ’’فلاں خاتم المحد ثین ہے‘‘۔ اسے جھوٹ سے بچانے کی خاطر یہ کہا جائے کہ اس شخص نے مبالغے کے طور پر اس شخص کو اس صفت میں آخری کہہ دیا، اور اس کی مراد یہ نہیں کہ یہ آخری محدث ہے، جس کے بعد کوئی محدث نہیں، بلکہ اس نے مبالغے کے طور پر اسے ایسا کہا، اس سے اس کی غرض اس کی افضلیت بتانا ہے، اس طرح لغت میں ’’خاتم‘‘ کو مجازاً افضل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ قائل علمِ غیب نہیں رکھتا، بلکہ اسے تو

یہ بھی علم نہیں کہ واقعی یہ شخص مطلقاً سب سے افضل بھی ہو، اور اس صفت میں اعلیٰ بھی ہو، اس وجہ سے اس کا ارادہ ومقصود تو صرف اس کی اپنی عقل وسمجھ کے اعتبار سے اس فن میں اس کی افضلیت کا بیان کرنا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''افضل''، ''خاتم'' کا ہرگز ہرگز معنیٰ نہیں۔

لوگوں کے کلام میں ''خاتم'' کے مجازی استعمال کے بارے میں کچھ مزید

یہ بھی یاد رہے کہ لوگوں کے کلام میں لفظِ ''خاتم'' ہر جگہ اور ہمیشہ ''افضل'' سے مجاز نہیں ہوتا، بلکہ وہ موقع ومحل کے اعتبار سے کہیں ''افضل'' کے لئے، اور کہیں ''مفضول'' کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے ''خاتم المحد ثین'' سے قائل کی مراد کسی کو اپنے زمانہ کی نسبت سے افضل محدث مراد لینا ہے، پھر ''خاتم المحد ثین'' سے ہی پہلوں کو افضل، اور اسے مفضول بتانا ہے، اسی طرح ''خاتم الخلفاء'' کہہ کر قائل کی مراد ''مفضول'' ہوگی، خلفاء راشدین کی بات ہے، تو وہاں ''خاتم الخلفاء الراشدین'' سے مراد مفضول ہے افضل نہیں۔

الحاصل کسی لفظ کا مجازی مدلول متکلم کی تو مراد ہوگا، مگر لفظ کا معنیٰ نہیں، اور اگر وہ لفظ مشترک ہے تو مجازی مدلول لفظ کے مشترکہ معانی میں شمار نہیں ہوگا، پھر مزید یہ بھی یاد رہے کہ لفظ کا حقیقی اور مجازی معنیٰ مل کر کسی لفظ کو مشترک نہیں بناتے یہ کھلی زیادتی ہے، مگر قادیانیت نے محض جنابِ نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے انکار کے لئے ان تمام لغوی اور شرعی منکرات کا ارتکاب کیا ہے، جسے جاننا ضروری ہے، اس موقع پر ہمارے چند سوالات شاید قادیانیت کی ہدایت کا ذریعہ بن سکیں۔

قادیانی طریقۂ واردات اور ہمارے سوالات

ہم غیر اللہ کے لفظِ ''خاتم'' کو برائے ''افضل'' مجازی استعمال پر اللہ تعالیٰ کے حقیقی کلام

کو جو علام الغیوب ہے، قیاس کرنے والوں سے یہ پوچھتے ہیں۔

✡ تم نے باری تعالیٰ کے کلام میں وارد لفظِ'' خاتم'' کو مخلوق کے کلام میں وارد لفظِ '' خاتم'' پر کیوں قیاس کیا؟

✡ تم اللہ کے کلام میں وارد لفظِ'' خاتم'' کو اپنے حقیقی معنیٰ'' آخری'' سے مجازی استعمال افضل کی طرف کس قرینہ سے پھیرتے ہو؟

✡ کیا تمہارا یہ زعم ہے، کہ قرآنِ کریم میں'' خاتم النّبیین'' کا قائل علام الغیوب نہیں؟

✡ کیا وہ نبوّت کے باب میں آخری کا فیصلہ نہ کر سکا؟

✡ کیا اللہ تعالیٰ نے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی طور پر نہیں، مبالغے کے طور پر مجازاً خاتم النّبیین کہا؟

✡ کیا اللہ تعالیٰ کا کلام حق، سچ اور حقیقت نہیں کہ اسے برائے مبالغہ مجاز پر حمل کیا جائے؟

✡ کیا نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی طور پر افضل نہیں کہ ان کی افضلیت کو مجاز کے طور پر ثابت کیا جائے؟

✡ کیا نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً افضل نہیں کہ ان کی افضلیت کو نسبی طور پر ثابت کیا جائے؟

✡ نسبی افضلیت سے جب یہ لازم آتا ہے کہ وہ'' افضل'' ''مفضول'' بھی ہو تو پھر محظور کو کیوں کر اختیار کیا جائے؟

بلکہ حق یہ ہے کہ

اور یقیناً حق یہی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو'' خاتم النّبیین'' کہنے والا

علام الغیوب ہے، جو نبوّت و رسالت میں اوّل واٰخیر کو خوب جانتا ہے، اسی نے نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ حکیم میں ان کا نامِ نامی صراحت سے لے کر: ’’مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط‘‘ (الاحزاب:۴۰) کہا ہے، لہٰذا اس کا کلام حقیقت ہے، جو اپنے ظاہر پر رہے گا، جملہ مسلمان مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے کہ لفظِ ’’خاتم‘‘ آیت ’’خاتم النّبیین‘‘ میں اپنے حقیقی معنیٰ ’’اٰخیر‘‘ پر ہی حمل ہوگا، یہی اُمتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

لہٰذا قادیانیت کا لفظِ خاتم کو افضل پر حمل کرنا کھلی تحریف اور اِلحاد فی آیات اللہ ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمنی کا کھلا انکار ہے، یہ آپ کی افضلیتِ حقیقی اور افضلیتِ مطلقہ سے کھلا انحراف ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دو خواص افضل الرسل ہونا، اور آخری نبی ہونا میں فصل کرنا ہے، بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی دلیل اور علامت کا انکار ہے۔

قادیانیت کا قرآنی آیت ’’خاتم النّبیین‘‘ میں لفظِ خاتم کو افضل پر حمل کرنا مندرجہ ذیل وجوہ سے باطل، اور شرعی منکرات میں سے ہے

قادیانیت کا جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے انکار، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوّت کو جاری رکھنے کی خاطر قرآنی لفظِ ’’خاتم‘‘ کو ’’لوگوں کے خاتم بمعنی افضل‘‘ پر قیاس کرنا لغت اور شریعت کی کھلم کھلا مخالفت ہے، جو مندرجہ ذیل شرعی اور لغوی مفاسد کی وجہ سے باطل ہے:

اوّلاً:- لفظِ ’’خاتم‘‘، ’’آخری‘‘ اور ’’افضل‘‘ میں مشترک نہیں، کیونکہ آخری اس کا حقیقی معنی ہے، جبکہ ’’افضل‘‘ اس کا مجازی استعمال میں مدلول ہے، اور لفظ کے حقیقی معنی اور مجازی

مدلول میں اشتراک نہیں ہوتا ہے، مشترک کے تمام معانی وضعی ہوتے ہیں۔

ثانیاً:- آیت قرآنی میں واردلفظِ ''خاتم'' کو بجائے اس کے حقیقی معنیٰ ''آخری'' کے لوگوں کے کلام پر قیاس کرتے ہوئے اس کے مجازی مدلول ''افضل'' پر حمل کرنا، تاکہ جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''خاتمیتِ نبوّت'' کا انکار کیا جائے، اور یوں آپ ﷺ کی ''افضلیت'' اور ''خاتمیت'' میں فصل کیا جائے، یہ اہلِ لغت اور اُمتِ مسلمہ کا اُسلوب نہیں، ہاں! قادیانیت کی تلبیس ضرور ہے۔

ثالثاً:- ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت مطلقہ ہے نسبی نہیں، اس کا ثبوت علیٰ وجہ الحقیقہ ہے، مجاز کے طور پر نہیں، جو شریعت کی قطعی نصوص سے ثابت ہے، اس کے لئے لفظِ ''خاتم'' کو ''افضل'' پر حمل کرنے کی ضرورت نہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں ''آخریت'' اور یہ عقیدہ ''ختمِ نبوّت'' اور اسکی قطعیت قرآنِ کریم کی آیت ''خاتم النّبیین'' سے ثابت ہے، لہٰذا اس میں واردلفظِ ''خاتم'' کو افضل پر حمل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کی دلیل میں ناحق تأویل کی ایک مذموم سعی ہے، جو شرعاً درست نہیں۔

رابعاً:- نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت مطلق طور پر ثابت ہے، وہ کسی نسبت سے مقید نہیں، کہ مخصوص نبوّت یا زمانہ کی نسبت سے وہ افضل ہوں، کہ لفظِ ''خاتم'' کو لوگوں کے کلام پر قیاس کرکے اسے ثابت کیا جائے، نبی خاتم ﷺ تو نبوّت ورسالت میں افضلیت مطلقہ کے حامل ہیں، لہٰذا قادیانیت کا آیتِ ''خاتم النّبیین'' میں لفظِ ''خاتم'' کو افضل پر حمل کرکے اسے ثابت کرنا یہ درست نہیں، کہ اس سے افضلیتِ مطلقہ ثابت نہیں ہوتی، نیز اس سے افضلیتِ حقیقیہ بھی ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا قادیانیت کا یہ اُسلوب لغوی اور شرعی ہر اعتبار سے مرفوض ومردود

ہے۔

خامساً:- لفظ کو حقیقی معنی کی درستگی کی وضاحت میں مجازی معنی پر حمل کرنا درست نہیں ہوتا، لہٰذا ''خاتم'' کا حقیقی معنی ''آخری'' ہے، جب وہ درست ہو تو اس کو مجازی معنی ''افضل'' پر حمل کرنا اہلِ علم کے ہاں بالاجماع باطل طریقۂ کار ہے۔

سادساً:- قادیانیت کا لفظِ ''خاتم'' کو ''افضل'' پر حمل کرنا، یہ اس کی طرف عام مسلمانوں کے لیے ''خاتم'' کے مفہوم کو خلط کرنے کی سعی، اور اس میں تشکیک پیدا کرنے کا موجب ہے، جو اسلامی عقائد کے خلاف ایک گہری سازش ہے، اور عظیم شرعی منکرات میں سے ہے۔

سابعاً:- قادیانیت کا آیتِ ''خاتم النّبیین'' میں واردلفظِ ''خاتم'' کو ''افضل'' پر حمل کرنا لغت، ضوابطِ بیان اور اصولِ شریعت کے کھلم کھلا خلاف ہے، جو ایک مفہومِ قطعی کو ظنی بنانے کی ناکام کوشش ہے۔

قادیانیت کا مرکب خلط اور مجموعۂ اغالیط

قادیانیت نے لفظِ قرآنی ''خاتم'' کو لوگوں کے کلام پر قیاس کرتے ہوئے ''افضل'' پر محمول کر کے مرکب خلط اور کئی اغالیط کا ارتکاب کیا۔

اوّلاً:- اللہ تعالیٰ کے کلام میں جو سراسر حقیقت اور حق ہے، اسے لوگوں کے مجازی کلام پر قیاس کیا۔ مقیس علیہ ایسا ہے کہ اس پر قیاس درست نہیں

ثانیاً:- مشترک کے مفہوم میں خلط پیدا کیا۔

ثالثاً:- ''خاتم'' کے لفظ کو اس کے مشترکہ معانی کے علاوہ کے ساتھ مشترک بنا دیا۔

رابعاً:- حقیقت و مجاز اور مشترک میں خلط پیدا کر دیا۔

خامساً:-''افضل''، جو''خاتم'' کے معانی میں سے نہیں ہے، اسے خاتم کے حقیقی معانی کے ساتھ خلط کر دیا۔

سادساً:-آیتِ ''خاتم النّبیین''، جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے، اس کے مفہوم کو ظنی بنانے کی سعی کی۔

لہٰذا قادیانیت کا آیتِ ''خاتم النّبیین'' میں وارد لفظِ ''خاتم'' کو''افضل'' پر حمل کرنا لغوی، اُصولی اور شرعی اعتبار سے غلط ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قادیانیت کے عقیدۂ ختمِ نبوّت کے خلاف طریقۂ واردات یعنی لفظِ ''خاتم'' کو آیتِ خاتم النّبیین میں اس کے اصل لغوی معنی اور شرعی مفہوم آخری نبی کے بجائے ''افضل'' پر حمل کرنے کی غرض وغایت، اس کے لغوی اور شرعی مفاسد کو تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے، یہی ہمارے اس مقالے کی غرض وغایت تھی، اب ہم قندِ مکرّر کے طور پر اُمتِ مسلمہ کے اس عقیدے کے دلائل کو ترتیب دیتے ہیں، کہ جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتمیت کے دونوں مرتبوں، خاتمیتِ زمنی یعنی آخری نبی ہونے، اور خاتمیتِ رتبی یعنی افضل الرسل ہونے دونوں مقامات سے مشرف ہیں۔

''خاتم'' اور اہم ملاحظات

مشترکہ لفظ کے بارے میں عمومی ضوابط کے بیان کے بعد لفظ ''خاتم'' کے بارے میں خصوصی ملاحظات جو ہمیشہ یاد رہنا چاہئیں

ا۔ آیت خاتم النبیین میں وارد لفظ خاتم ''آخری'' اور ''افضل'' میں مشترک نہیں اور کیوں؟ اس لئے کہ خاتم کا معنیٰ ''آخری'' اسکا وضعی مفہوم اور حقیقی مدلول ہے جبکہ بعض جگہ اس کا

استعمال برائے ’’افضل‘‘ مجازی استعمال ہے جیسے کہ بندوں کا کسی کو خاتم المحدثین، خاتم المفسرین۔ مبالغہ کے طور پر کہنا اور اس سے ’’افضل‘‘ مراد لینا۔ تو افضل ’’خاتم‘‘ کا معنی نہیں نہ دونوں میں اشتراک ہے

ب۔ خاتم کا مجازی استعمال۔ نسبی افضلیت کے لئے ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے زمانہ یا علاقہ کی نسبت سے افضل ہے۔ تو یہ قیود والا افضل مطلقاً افضلیت کا حق دار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے زمانہ سے سابق ازمنہ والے محدثین تو یقیناً اس سے افضل ہیں یہی امر خاتم المفسرین کے بارے میں ہے۔

لہذا یہی خاتم جو ایک اعتبار سے افضل ہے دوسرے اعتبار سے مفضول ہے بلکہ کبھی تو ’’خاتم‘‘ مفضول ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے ’’خاتم الخلفاء الراشدین‘‘

اس باب میں حضرات محدثین کے بارے میں خاتم آخری بھی ہے اور مفضول بھی

ج۔ اللہ تعالی کے فرمان ’’خاتم النبیین‘‘ کو بندوں کے قول خاتم المحدثین وغیرہ پر ہرگز قیاس کرنا درست نہیں ہے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں کوئی جوڑ نہیں کہ جناب نبی خاتم حضرت محمد ﷺ کے اپنے زمانہ میں کسی نبی کا تصور نہیں کہ ان پر آپ کی فضیلت کا بیان ہو آیت میں وارد ’’خاتم‘‘ کو ’’افضل‘‘ پر محمول کر کے۔ آپ کی نسبی افضلیت کا بیان ہو۔

پھر آپ سے سابق انبیاء حضرات آپ سے افضل نہیں کہ آپ کا مفضول ہونا بیان ہو (العیاذ باللہ)

اللہ کے کلام میں خاتم النبیین کو بندوں کے قول ’’خاتم المحدثین‘‘ پر بیان کرنا۔ کلام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی معاذ اللہ اہانت کا موجب ہے کیونکہ اسمیں نہ تو آپ ﷺ کی افضلیت نسبی کا بیان ہے نہ اپنے زمانہ والے انبیاء پر نہ ہی سابقین سے آپ مفضول ہیں؛

جب آپ کے زمانہ میں دیگر انبیاء نہیں کہ آپ کو ان سے افضل کہا جائے۔ اور آپ سابقین سے مفضول نہیں کہ بندوں کے قول ''خاتم المحدثین'' والا قضیہ ہو تو یہ قیاس ہی قادیانیت کا دجل عظیم ہے۔

اور یہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے میرے بعد مدعی نبوت کذاب اور دجال ہوگا

اُمتِ مسلمہ کے عقیدہ خاتمیتِ نبوّتِ محمدیہ اور افضلیتِ رسالتِ محمدیہ کے دلائل کا بیان

اُمتِ مسلمہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی مانتی ہے، کہ جن کے بعد کسی کو نبوّتِ ربانی نہیں عطا ہوگی، اور ان کے اس عقیدہ کی اوّلین محکم اور قطعی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی: ''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط'' (الاحزاب:۴۰) ہے، اسی لئے ہم نے اس آیت میں وارد ''خاتم'' کو ''افضل'' پر حمل کرنے کی قادیانی سازش کو بے نقاب کیا ہے، اور اسے لغت، نقل اور اصول وشریعت کے خلاف ثابت کیا ہے، نیز یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی قطعی الثبوت ہے، اور قطعی الدلالت بھی ہے، کہ اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو آخری نبی بتایا ہے، کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، مسلم اُمت کی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی پر یہ اوّلین، قطعی اور محکم دلیل ہے۔

آیت ''خاتم النّبیین'' میں وارِد مختلف قرائتیں اور لفظ ''خاتم'' کی تفسیر اسی عقیدے کی تائید میں

آیت خاتم النّبیین ''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط'' میں واردلفظ ''خاتم'' میں دو قرائتیں ہیں، پہلی قراءت ''خاتَم'' ''تَ'' کے

فتحہ کے ساتھ ہے، جوکہ مشہور قراءت ہے، اس کے معنی ''آخری'' ہیں۔

دوسری قراءت ''خـاتِـم'' ''تِ'' کے کسرہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی ہیں ''ختم کرنے والا''۔

اگران دونوں قراءتوں کو دیکھا جائے تو دونوں صورتوں میں لفظ ''خاتم'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر دلالت کرتا ہے، یہی اُمتِ مسلمہ کا عقیدہ ہے۔

''خاتَم'' کی صورت میں معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

اور ''خـاتِـم'' کی صورت میں معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں ایک تیسری قراءت بھی ہے، جو حضرت عبداللہ بن مسعود کی آیت خاتم النّبیین میں قراءت ہے، اور وہ یوں ہے: ''ولكن نبيًّا ختم النّبيين ''لیکن آپ وہ نبی ہیں، جنہوں نے انبیاء کے سلسلے کو ختم کردیا۔

اس قراءت نے تو لفظ ''خاتم'' میں قادیانیت کی ہر تحریف کو جڑ سے ہی اُکھاڑ کر پھینک دیا۔

نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت

یادرہے کہ ''ختمِ نبوّت'' کا یہ مفہوم نہیں کہ نبی خاتم کی نبوّت بھی ختم ہوگئی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ختم ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت دیگر کے لئے خاتمہ ہے، جو خود تا قیامت باقی رہے گی، لہٰذا یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل ہونے کی دلیل ہے، اب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمنی اور خاتمیتِ رتبی ہر دو کے باہم دلائل بیان کرتے ہیں۔

افضلیت اور آخریت دونوں کے اکٹھے دلائل

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں افضلیت اور نبوّت میں آخریت کے دلائل میں آیت میثاق النّبیین، اور دیگر تمام وہ آیات ہیں، جو آپ کی عمومی رسالت ونبوّت، عمومی بشارت ونذارت اور عالمین کے لئے رحمت اور تا قیامت عمومی بعثت کو بیان کرتی ہے۔ کیونکہ یہ آیات ہر دو خاتمیتوں، ''خاتمیتِ رتبی'' اور ''خاتمیتِ زمنی'' کے بیان پر مشتمل ہوتی ہے، پھر اسی طرح وہ تمام احادیث جو آپ کی افضلیت وآخریت کے بیان پر مشتمل ہوں، گویا کہ دونوں مراتب کے لئے مختلف قرآنی آیات اور احادیث اس بات کی واضح دلیل ہیں، کہ یہ دونوں مرتبے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں، ان میں کوئی فصل نہیں۔

ہم آغاز، آیت ''میثاق النّبیین'' کے بیان سے کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد گرامی ہے:

''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۱ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲'' (آل عمران)

''یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت ودانائی سے نوازا جو تمہارے پاس ہیں تمھیں ضرور بضرور، پھر ایک رسول تمہارے پاس ان تعلیمات کی تصدیق کرنے والا آئے گا اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے ان سے پوچھا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی ذمہ داری اُٹھاتے ہو؟ سب نے کہا کہ: ہم اقرار

کرتے ہیں! اللہ نے فرمایا: سب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔
اور جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔''

وجہِ اِستدلال

یہ وہ آیتِ کریمہ ہے جس میں حق تعالیٰ شانہ نے اس بات کی واضح طور پر خبر دی ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے نبی علیہ السلام کی افضلیت و آخریت کا اقرار کیا۔ کیونکہ جس نبی پر اِیمان اور اس کی نصرت کا تمام انبیاء سے پختہ عہد و پیمان لیا گیا، وہ سب کے بعد آنے والے اور سب کی تصدیق کرنے والے ہیں، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں افضلیت اور نبوّت میں آخریت یعنی خاتمیتِ رتبی اور خاتمیتِ زمانی کی قطعی دلیل ہے، جس پر تمام انبیاء حضرات اور خود حق تعالیٰ شانہ کی ذات مقدسہ گواہ ہیں۔ اب قادیانیت ہو یا کوئی دیگر اسے ان دونوں مرتبوں میں فصل کا کوئی حق نہیں رکھتا، قرآنِ کریم کی یہ آیت محکم ہے، لہٰذا اسے اور اس کے مضمون کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جس پر اِیمان لانے اور اس کی نصرت کا وعدہ کیا، اس کی شان یہ ہے کہ وہ تمام انبیاء کا مصدّق نبی ہے، اور ایسا نبی صرف وہی ہوسکتا ہے جو سب سے آخر میں آئے۔

لہٰذا افضلیت کا حق دار آخری نبی ہی ٹھہرا، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت اس باب میں نص قطعی ہے کہ افضل الرسل وہی ہے جو آخرالانبیاء ہو، جو سب سے بعد میں آنے والا ہوگا، جو سب کی تصدیق کرنے والا ہوگا، لہٰذا جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا انکار کرے تو وہ اس آیت میثاق النّبیین کا منکر ہوگا۔ بعینہٖ اسی طرح جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل تو مانے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے

(جیسا کہ قادیانیت) وہ قرآن کی آیت ''خاتم النّبیین'' کا بھی منکر ہوگا جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنایا۔ نیز وہ آیت ''میثاق النّبیین'' کا بھی منکر ہوگا کہ اس نے آخری ہی کو افضل بتایا ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت یا آخریت میں سے کسی ایک کا بھی انکار قرآنی آیت کا انکار ہے جو موجبِ کفر ہے۔ کیونکہ آیت میثاق النّبیین اس بات پر نص قطعی ہے کہ افضلیت تو اس نبی کے لئے ہے جو آخری ہے۔ اس لئے نبی علیہ السلام کی افضلیت اور آخریت میں کوئی فصل نہیں ہے، بلکہ اس آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاتمیتِ زمانی اور خاتمیتِ رتبی ہر دو ثابت ہوتی ہیں۔

خاتمیتِ زمانی اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تا قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا، اور خاتمیتِ رتبی اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی نبی نہیں ہے۔

قادیانیت سے اِستفسار

ہم یہاں قادیانیت سے کچھ سوالات پوچھتے ہیں:-

پہلا سوال

جب اللہ تعالیٰ نے نبوّت میں افضلیت آخری نبی کے لئے خاص فرمادی اور آخری نبی ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص فرمایا تو اس میں فصل کرنے کی جسارت کس نے کی؟

کیا معاذ اللہ! حق تعالیٰ شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آخریت کا وصف چھین لیا اور صرف افضلیت ہی رہنے دی؟ جبکہ ایسا قطعاً نہیں ہوا کہ قرآن کی آیت ''خاتم النّبیین'' اس کے متعلق واضح اور قطعی نص ہے۔ تو آپ کون ہوتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے ایک وصف کو لفظ

خاتم میں تحریف کر کے ختم کر دیں اوران کے وصف خاتمیت میں خاتمیت زمنی کوختم کر کے صرف خاتمیت رتبی پر اکتفاء کریں۔

دوسرا سوال

کیا تمہارے پاس کوئی بھی ایسی دلیل ہے جو اللہ کے فیصلے کو بدلنے پر دلالت کرے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے افضل ہونے کو اللہ تعالیٰ نے تو رہنے دیا مگر آخری ہونے کو سلب کرلیا؟

حق بات کو مان لو!

حق تو وہ ہے جس کا حق تعالیٰ شانہ نے اپنی اشرف المخلوقات آدمیت، ان کی زبانوں اور ان کے محاورات کو پیدا کرنے سے قبل ہی اپنا فیصلہ صادر فرما دیا اور اپنی افضل ترین مخلوق حضرات انبیاء علیہم السلام کو اس پر گواہ بھی بنایا کہ ’’صاحب افضلیت وہی ہے جو سب سے آخر میں آنے والا ہے‘‘ جو سب کی تصدیق کرنے والا ہے۔ پھر اللہ نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی سب سے آخر میں مبعوث بھی فرمایا جس کا مشاہدہ جملہ انسانیت نے کرلیا۔ اب اللہ کے فیصلوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے عقیدے کو بدلو اور دُرست عقیدہ اختیار کرلو، یا بدلے ہوئے عقیدے کو دُرست کرلو اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخریت اور افضلیت ہر دو وصف پر اِیمان لا کر اپنے مؤمن ہونے کا ثبوت پیش کرو۔ اللہ کا فیصلہ بھی ہے اور دُنیا بھی اس کی شاہد ہے۔ کسی کی مجال ہے کہ وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاتمیتِ زمانی اور خاتمیتِ رتبی چھین سکتا ہو؟ یہ اللہ تعالیٰ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عطائے خاص ہے، کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل بھی ہیں، افضل الرسل بھی ہیں، جبکہ ان کی اُمت خاتم الاُمم ہے اور ان کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔

آیاتِ عمومی رسالت محمدیہ اور افضلیت وآخریت کا مشترکہ بیان

قرآنِ کریم نے مختلف مقامات پر نبئ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ورسالت کا بیان کیا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت کا رسول، تمام جہانوں کے لئے رحمت، تمام انسانوں کی طرف مبعوثِ ربانی ہونے اور تمام انسانوں کی نجات کا مدار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوّت پر ایمان کو قرار دیا ہے۔ یہ تمام آیات نبوّت ورسالت کے باب میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت میں آخریت اور رسالت میں افضلیتِ حقیقیہ اور مطلقہ کی دلیل ہیں، کیونکہ نبی اور رسول کی دعوت کا دائرہ جس قدر عام ہوگا اسی قدر وہ مقام نبوّت ورسالت میں افضل ہوگا۔

قرآنِ کریم اس بات پر شاہد ہے کہ یہ اعلان صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا:-

''قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا...''

(الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ: ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے بھیجا گیا رسول ہوں۔''

رسالتِ ربانی میں یہ شان صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہے:-

''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا''

(سبا:۲۸)

''ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا....''

پورے عالمین کے لئے رحمت ہونے کا اعلان یہ صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کا ہی خاصہ ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞'' (الانبیاء)

''اور ہم نے آپ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔''

اسی طرح قرآنِ حکیم شاہد ہے، کہ پوری بشریت کو خطاب ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ'' کے ذریعے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہی صادر ہوا۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی دیگر آیات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی نبوّت و رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں استعمال کئے گئے الفاظ ''جَمِيْعًا'' اور ''عالمین'' اس امر کی دلیل ہے کہ تمام بنی نوع انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور رسالت اور آپ کی دعوت کے مخاطب ہیں، اور سب کی نجات کا مدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت اور دعوت پر اِیمان اور آپ کی شریعت کو قبول کر لینے میں ہی ہے۔ کوئی انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دیگر کی نبوّت و رسالت اور شریعت کے ذریعے راہِ ہدایت نہ پا سکے گا، نہ اسے نجات حاصل ہوگی۔ پوری انسانیت کی ہدایت، سعادت اور نجات کا مدار صرف اور صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور شریعت پر منحصر ہے۔

لفظ ''عالمین'' تمام جہانوں کو شامل ہے، جس میں ہر زمان و مکان کی بشریت اور تمام انس و جن آجاتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ملنا صرف اور صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے مربوط ہونے پر منحصر ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی اور خاتمیتِ رتبی کی دلیل ہے۔

علمائے اسلام نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت میں منصبِ خاتمیت اور آپ کے آخری نبی ہونے پر مستقل کتب مدوّن کی ہیں۔ بعض نے ''ختم النبوة فی

القرآن‘‘،’’ختم النبوة فی الأحادیث‘‘،’’ختم النبوة فی الآثار‘‘اور’’ختم النبوة بالاجماع‘‘،’’ختم النبوة فی اللغة‘‘جیسے عناوین قائم فرمائے، پھر ہر عنوان کو اس کے مصدر سے ثابت کیا:

عنوانِ اوّل کا مصدر ’’قرآنِ کریم‘‘ ہے۔

عنوانِ ثانی کا مصدر ’’احادیثِ نبویہ‘‘ ہیں۔

عنوانِ ثالث کا مصدر اُمت کا ہر دور میں مسلسل ’’اجماع‘‘ ہے۔

عنوانِ رابع کا مصدر ’’لغتِ عربی‘‘ ہے۔

اس موضوع پر ہمارے مکرم دوست مولانا محمد سیف الرحمٰن مدرس نصرت العلوم گوجرانوالہ پاکستان کی تالیف ’’آیات ختم النبوة‘‘ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

نیز ہمارے اکابر علمائے کرام میں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، مفتی اعظم پاکستان کی تصنیفِ جلیل ’’ختمِ نبوّت‘‘ اُردو میں تین جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کی پہلی جلد میں مفتی صاحب نے ۹۹ قرآنی آیات سے نبی خاتم علیہ السلام کی ختمِ نبوّت اور آپ پر ہر طرح کے سلسلۂ نبوّت کے انقطاع کو ثابت فرمایا ہے۔

دوسری جلد میں ختمِ نبوّت پر دوسو سے زائد احادیثِ مبارکہ کو جمع فرمایا ہے، اور اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعیٔ نبوّت کذاب اور دجال ہے۔

تیسری جلد میں ختمِ نبوّت پر اُمت کے سلف صالحین، صحابہ کرام اور تابعین حضرات سے لے کر آج تک کے تمام طبقات اُمت کی شہادت کو ثبت فرمایا ہے۔

قرآن کی آیت اکمالِ دین اور آخریت وافضلیت نبوّتِ محمدیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین منتخب کر لیا۔''

ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں اُمتِ محمدیہ پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو مکمل فرمایا۔ جس کے بعد انہیں کسی دین کی ضرورت نہیں ہے اور ان کے نبی کو خاتم الأنبیاء بنایا کہ جس کے بعد انہیں کسی نبی کی ضرورت نہیں۔

اب ہم ''خاتم النّبیین'' کی تفسیرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

''خاتم النّبیین'' میں صحابہ کرام اور تابعین کی تفسیرات

لفظ ''خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں امام ابوجعفر الطبریؒ حضرت ابوقتادہؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ: ''ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النّبیین'' أی: آخرھم ۔

خاتم النّبیین کا مطلب کہ نبی خاتم انبیاء کے سلسلے کے آخری ہیں۔

امام سیوطیؒ جو قادیانیت کے نزدیک مجددین کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ حضرت حسن رحمہ اللہ سے ''خاتم النّبیین'' کے معنی کو یوں نقل کرتے ہیں۔ قال: ختم اللّٰہ النّبیین بمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکان آخر من بعث۔

خاتم النّبیین کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوّت کو حضرت محمد علیہ السلام پر ختم کر دیا ہے

اور آپ کی بعثت سب سے آخر میں فرمائی۔

امام سیوطیؒ نے خاتم النّبیین کی تفسیر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ہاں ایک شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلاۃ ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الأنبیاء پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہیں۔

ابن ابی حاتمؒ نے بروایت ابو ہریرہؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''میں خلقت کے اعتبار سے پہلا اور بعثت کے اعتبار سے آخری نبی ہوں۔''

ان آثار سے ''خاتم النّبیین'' کا مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک واضح طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ کہ ''خاتم النّبیین'' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ہی ہے، اور آپ کے بعد کسی طرح کی نبوّت اور رسالت نہیں ہے۔

امام ابوجعفر الطبریؒ آیت خاتم النّبیین کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں کہ جن پر نبوّت کو ختم کر دیا گیا ہے اور اس پر مہر لگ گئی جو تا قیامت کسی کے لئے نہیں کھلے گی۔''

ابوجعفر فرماتے ہیں کہ جملہ مفسرین نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

ابن جریرؒ نے حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ سے خاتم النّبیین کی تفسیر میں کہا ہے کہ:-

''خاتَم النّبیین ''تاء'' کے فتحہ کے ساتھ، یعنی وہ آخری نبی ہیں۔''

علامہ زمخشریؒ جو تفسیر اور لغت کے امام جانے جاتے ہیں، وہ کشاف میں فرماتے ہیں کہ:

''خـاتَـم '' تاء کے فتحہ کے ساتھ۔ اس کا معنی ہے مہر لگانے کا آلہ۔
اور ''خاتِم '' تاء کے کسرہ کے ساتھ، اس کا معنی ہے مہر لگانے والا۔''

اور پھر فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کی قراءت اسی معنی کو تقویت دیتی ہے۔

پھر علامہ زمخشریؒ ایک سوال اور اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے آخری نبی ہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام ان کے بعد دوبارہ نازل ہوں گے؟

پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''آخرالأنبیاء'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعد کسی کو نبوّت نہ ملے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو نبوّت ان سے قبل دی جا چکی ہے۔

علامہ سید محمد آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے منصب نبوّت پر فائز ہو جانے کے بعد جن وانس کسی میں نبوّت کا وصف پیدا نہ ہوگا۔ رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں نزول! تو وہ اس لئے باعثِ قدح نہیں کہ انہیں نبوّت آپ سے قبل مل چکی، اُمتِ مسلمہ کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اس باب میں احادیث شریفہ مشہور ہیں جو معنوی تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ قرآنِ حکیم اس پر شاہد ہے۔ اسی عقیدے پر ایمان واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ جیسے کہ فلاسفہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانے میں نزول کا انکار کیا ہے۔ پھر وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوّت پر فائز سے قبل نبی بن چکے تھے۔''

نیز وہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم النّبیین'' ہونا جیسا کہ تفسیر خازن میں ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ نبوّت کو آپ پر ختم فرما دیا، لہٰذا آپ کے بعد یا آپ کے ساتھ کسی قسم کی نبوّت نہ ہوگی۔''

امام نسفیؒ ''خاتم النّبیین'' کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ:

''خاتم النّبیین تاء کے فتحہ کے ساتھ اس کے معنی طابع (مہر) کے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کہ جن کے بعد کسی کو منصب نبوّت عطا نہ ہوگا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ آپ سے پہلے نبی بنائے گئے تھے۔ پھر یہ لفظ ''خاتِم'' تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے۔ جس کا معنی طابِع، یعنی مہر لگانے والے کے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قراءت اس مفہوم و معنی کو تقویت بخشتی ہے۔''

امام زرقانیؒ شرح مواہب اللدنیہ میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''خاتم النّبیین'' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے جس کا معنی یہ ہے کہ آپ انبیاء اور مرسلین کے خاتَم ہیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' یعنی وہ نبیوں کے آخری ہیں جنہوں نے سب کو ختم کر دیا ہے، یا آپ کی آمد سے ان کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔''

امام احمدؒ، ترمذیؒ اور حاکمؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس سے یہ روایت مرفوعاً بیان کی ہے کہ:

''رسالت اور نبوّت منقطع ہو چکی ہے سو میرے بعد کوئی رسول نہیں ہے، لہٰذا خاتم النّبیین انہیں کہا جاتا ہے جن کے بعد کوئی نبی نہیں وہ اپنی اُمت پر نہایت مہربان ہیں۔ وہ والد کے مانند ہے، جن کی طرح کوئی دوسرا نہیں۔''

قاضی عیاضؒ آیت خاتم النّبیین کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس نے اپنے لئے نبوّت کا دعویٰ کیا، یا

اس کے حصول کو ممکن سمجھا اور دل کی صفائی سے اس منزلت تک پہنچنے کو رَوا سمجھا، جیسے کہ فلاسفہ اور بعض غالی صوفیاء کا قول ہے، یا جس شخص کا یہ دعویٰ ہو کہ اس پر وحی ہوتی ہے اگر چہ وہ نبوّت کا دعویٰ نہ کرے، یا یہ دعویٰ کرے کہ وہ آسمان پر جاتا ہے یا جنت میں جاتا ہے اور اس کے پھلوں سے لطف اندوز ہوتا ہے یا حوروں سے بغلگیر ہوتا ہے، تو اس طرح کے تمام مدعی کافر اور نبی علیہ السلام کا انکار کرنے والے ہیں، کیونکہ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان ہے کہ وہ خاتم النّبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہ خبر دی کہ وہ آخری نبی ہیں اور وہ اللہ کی طرف سے تمام انسانیت کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں، اور اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر ہی پر ہے اور اس کا ظاہری معنی ہی مراد ہے جس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ کسی قسم کی تخصیص ہے، اس قسم کے تمام گروہ قطعی طور پر کافر ہیں، اور ان کے کذب پر اِجماع ہے اور نقل بھی اس پر شاہد ہے۔''

تفسیر ''مراح اللبید لکشف معنی القرآن المجید'' میں مذکور ہے کہ:

''ہمارے نبی علیہ السلام کا تسمیہ ''خاتم الأنبیاء'' اس لئے ہے کہ ''خاتم القوم'' قوم کے آخری شخص کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط'' اس کے بعد کہتے ہیں: جب عام (نبی) کی نفی ہوگئی تو خاص (رسول) کی نفی خود بخود ہوگئی ہے۔''

امام غزالیؒ جو قادیانیت کے ہاں مجددین کی فہرست میں شامل ہیں، فرماتے ہیں:

''اُمت اس لفظ سے (یعنی خاتم النّبیین) سے یہ سمجھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی رسول آئے گا، اور اس میں کوئی تاویل اور تخصیص کارگر نہ ہوگی۔ اس طرح کی باتیں کرنے والے فضول

باتیں کرتے ہیں، جس کا حکم کفر ہے کیونکہ وہ شخص ایسی نص کا منکر ہے جس پر پوری
اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی تاویل یا تخصیص نہیں ہے۔''

یہاں تک ہم نے لفظ'' خاتم النّبیین'' کے معنی ومفہوم اور اس کے اس قطعی مدلول کی وضاحت کر دی جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپ کے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مفسرین، مجددینِ اُمت اور علمائے اسلام سے ثابت ہے۔ نیز اس کے معنیٔ شرعی یعنی آپ ﷺ آخری نبی ہونے کے انکار کا شرعی حکم (کفر) بھی بیان کر دیا۔

قادیانی شبہات اور ان کے ردود:

اب ہم ان شبہات کو بیان کریں گے جو قادیانیت اس آیت خاتم النّبیین کے مدلول میں خلط اور ختم نبوت کے بنیادی عقیدہ میں تشکیک کی غرض سے کرتی ہے پھر ان کا ازالہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

پہلا شبہ

اگر'' خاتم النّبیین'' کا مفہوم یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالاجماع اللہ کے نبی ہیں، تو اُمتِ مسلمہ کس طرح ان کے دوبارہ آنے کا اعتقاد رکھتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا آپ کے آخری نبی ہونے کے منافی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے دوبارہ آئیں گے جبکہ لفظ آخر ان کی موت کی دلیل ہے؟

شبہ کا رَدّ

اس قادیانی شبہ کے رَدّ میں ہم کہتے ہیں کہ:

اوّلاً:-'' خاتم النّبیین'' کا مفہوم یہ ہے کہ نبی خاتم کی بعثت تمام انبیاء کے بعد ہوئی جن

کے بعد کسی کی بعثت نہیں ہوگی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص اس وصف سے متصف نہ ہوگا، لہٰذا کسی سابقہ نبی کا دوبارہ آنا نبیٔ خاتم کی بعثت کے آخری ہونے کے منافی ہرگز نہیں۔ رہا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الأنبیاء ہونا! تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت یا سابقہ انبیاء کی موت کا تقاضا نہیں کرتا؟

ثانیاً۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ لغت عرب میں لفظ ''آخر'' کا استعمال آخری کے معنی میں ہی ہوتا ہے، وہ دیگر کی موت کا تقاضا نہیں کرتا۔ تاریخ اسلام میں وارد آثار بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ کسی شخص کا کسی باب میں آخر سے موصوف ہونا اس باب میں دیگر کی موت کا تقاضا نہیں کرتا۔

ثالثاً۔ قادیانیت کے ہاں بھی لفظ آخر کا استعمال آخری کے معنی میں جو دیگر کی موت مراد نہیں لیتے ہیں۔

رابعاً۔ ہمارے عام بول چال میں ''فلاں آخری آنے والا ہے'' اور فلاں آخری جانے والا ہے'' اور ''وہ آخری مسجد ہے'' یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان کے علاوہ دیگر لوگوں کی موت واقع ہو چکی ہے یا آخری مسجد کے علاوہ دیگر مساجد فنا ہو گئی ہیں۔

اب ہم آثار میں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کسی کا ''آخر'' میں ہونا دوسروں کی موت کی وجہ نہیں بنتا۔

پہلا اثر

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: نبی علیہ السلام کے چچا نے جب آپ سے مکہ سے مدینہ کے لئے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے ان سے فرمایا کہ: آپ اپنی جگہ پر ہی رہیں کیونکہ آپ خاتم المہاجرین ہیں، اللہ تعالی آپ پر ہجرت کو ختم

فرمائیں گے جس طرح کہ مجھ پر انبیاء کو ختم فرمایا ہے۔

یہاں پر نبی خاتم نے اپنے چچا کی ختم ہجرت کو اپنی ختمِ نبوّت سے تشبیہ دی۔ تو جس طرح حضرت عباس کے خاتم المہاجرین ہونے سے دیگر جملہ مہاجرین کی وفات ہونے کا مفہوم نہیں نکلتا، اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے سے دیگر کی وفات کا مفہوم نہیں نکلتا۔ نہ کسی نے کسی دور میں ایسا سمجھا کہ حضرت عباس کا آخر المہاجرین ہونا دیگر مہاجرین کی موت کا تقاضا کرتا ہے۔

لفظ ''آخر'' کسی کے مخصوص وصف میں آخری ہونے کا مفہوم تو ضرور بیان کرتا ہے مگر اس میں کسی کی موت کا پیغام ہرگز نہیں۔ اس طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الأنبیاء ہونا آپ کا آخری نبی ہونے کا تو ضرور تقاضا کرتا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہ ہو مگر دیگر نبیوں کی موت کا ہرگز تقاضا نہیں کرتا، نہ کوئی عقل منداس لفظ سے کسی بھی موقع پر دیگر کی موت پر استدلال کرسکتا ہے۔

لہٰذا قادیانیت کا آپ کے آخری نبی ہونے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا استدلال بالکل باطل ہے۔

حقیقتِ حال اور حق تو یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اگر اس لفظ آخر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی ہاں مرزا غلام احمد قادیانی کا اِدّعائے نبوّت ضرور باطل ہوجاتا ہے۔

کیونکہ آپ کے ''نبی خاتم'' (آخری نبی) ہونے سے کسی کا بھی آپ کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرنا سراسر لغو و باطل ہے، نہ کوئی شخص نبوّت کے وصف سے متصف ہوسکتا ہے۔ آپ کے بعد جو بھی نبوّت کا دعویٰ کرے گا، وہ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذاب اور دجال ہوگا۔

دوسرا اثر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیتِ مبارکہ ''وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝'' (الاحزاب:۷) کی تفسیر میں فرمایا کہ:

''کنت اوّل النّبیین خلقا وآخرھم بعثا۔''

''میں تمام انبیاء سے خلقت میں پہلا اور بعثت میں آخری نبی ہوں۔'' تو یہ حدیثِ مبارکہ بھی خاتم النّبیین کے مفہوم کو واضح کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اس دُنیا میں بعثت سب سے آخر میں ہوئی۔ اس کا یہ مفہوم قطعاً نہیں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی موت واقع ہوگئی۔

نبی علیہ السلام کے خاتم النّبیین کا مفہوم صرف یہی ہے کہ آپ کی بعثت تمام انبیاء کے آخر میں ہوئی ہے۔ اور اس کی بہترین مثال اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ جس میں نبوّت کی مثال ایک عمارت سے دی گئی ہے اور اس میں صرف ایک اینٹ کے نقص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک اینٹ میں ہی ہوں اور میں آخری نبی ہوں۔

اس مثال میں بھی اس آخری اینٹ سے یہ لازم نہیں کہ بقیہ تمام اینٹیں ٹوٹ چکیں اور وہ عمارت بوسیدہ اور فنا ہوچکی ہے۔

اس لئے کوئی بھی ذی عقل وہوش لفظ ''آخر'' سے پہلوں یا دیگر کے فنا پر ہرگز استدلال نہیں کرسکتا۔ نہ ہی وہ آخر سے یہ مراد لیتا ہے۔ اور نہ ہی اسے صحیح سمجھا جاتا ہے۔

تیسرا اثر

ابنِ عساکر سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام

سے پوچھا کہ: محمد علیہ السلام کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہیں۔لہٰذا لفظ ''آخری'' کا مفہوم سابقین کے موت کا تقاضا ہرگز نہیں کرتا۔

چوتھا اثر

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: میں خاتم الأنبیاء ہوں اور میری مسجد خاتم المساجد ہے۔

تو کیا خاتم المساجد کا قیام بقیہ تمام مساجد کے ہدم کا تقاضا کرتا ہے؟

ان سب مثالوں سے ہماری غرض یہی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام خاتم الأنبیاء اور وہ اس سلسلے کے آخری ہیں اور آپ کا یہ مقام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے ہرگز ہرگز معارض نہیں ہے۔جس طرح کہ خاتم المساجد دیگر تمام مساجد کے انہدام کو مستلزم نہیں ہے، بلکہ خاتم المساجد کا صرف یہی مطلب ہے کہ یہ آخری مسجد ہے جو نبی اللہ علیہ السلام نے بنائی ہے۔

آیت خاتم النّبیین کی نص اور اس لفظ کا محکم مفہوم اس کے نزول سے لے کر آج تک یہی ہے جو کبھی بھی نہیں بدلا۔ اس لئے آیت خاتم النّبیین کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔رہا نبی خاتم کا افضل النّبیین ہونا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے الگ نہیں، کیونکہ آپ کی ذاتِ گرامی میثاق النّبیین کی مصداق ہے اور آپ کی بعثت تمام انسانوں کے لئے ہوئی ہے، اور آپ کا رحمت ہونا تمام جہانوں پر محیط ہے، آپ پر دِین کو مکمل فرمایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو آپ پر تمام کیا گیا ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا تصدیق کنندہ بنایا اور ان کا خاتم اور آخری بنایا ہے۔

اوصاف خاتم النّبیین اور لغت وشرع کی باہمی نظر

یاد رہے کہ لفظ ''خاتم'' لفظ ''اوّل'' اور لفظ ''آخر'' کے حقیقی معنی تو متعین ہیں، مگر مختلف

مقامات پران کے مجازی مدلول کی تعیین ان کے قائل اوران کے مضاف الیہ کی بنیاد پر ہوگی۔

اگران کا مضاف الیہ اور قائل اللہ تعالیٰ ہے، جو عالم الغیب ہے، تو اس کا اپنے رسول کے بارے میں کہنا (أوّل المؤمنین)اور(أوّل المهاجرین)یا(خاتم النّبیین)، یا رسول اللہ کا کسی باب میں فرمانا، جنہیں عالم الغیب نے خبر دی ہے کہ آپ (آخرهم بعثة) آپ بعثت میں آخری ہیں تو یہ آخریت حقیقی ہی ہوگی۔

پہلا مؤمن تو وہ ہے کہ اس سے قبل کوئی مؤمن نہیں ہے۔ اور آخری نبی وہ ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں، وہ بعثت ونبوّت میں آخری ہیں، کہ ان کے بعد کسی نبی کی بعثت نہ ہوگی۔ نہ کسی کو نبوت عطا ہوگی (آمدِ عیسی ختم نبوت کے منافی نہیں)

اور اگر قائل عالم الغیب نہیں اور وہ کسی کو ''خاتم المحدثین'' یا ''خاتم المفسرین'' کہہ دے تو اس کا قول حقیقت اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس کا علم ناقص ہے، وہ کسی کے آخری ہونے کا علم نہیں رکھتا، نہ جان سکتا ہے۔ اس لئے اس کے قول کو حقیقت پر محمول کرنا کذب شمار ہوگا۔ ہاں خود اسے کذب سے بچانے کے لئے اسکے قول کو مجازی معنی پر محمول کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ قائل کی غرض اس سے اس فن میں اس کی فضیلت بیان کرنا ہے۔ لہٰذا کسی بندے کے کسی عالم کو ''خاتم المفسرین'' یا ''خاتم المحدثین'' کہنے سے مراد ''افضل المفسرین'' اور ''افضل المحدثین'' ہوگی۔ یہ اس لئے مجبوراً کہا جاتا ہے کہ قائل کا کلام جھوٹ سے بچ جائے اور لغو نہ ہو۔

یہ بھی یادرکھیں کہ ہر جگہ ہر خاتم افضل بھی نہیں ہوتا ہے۔ اگر ایک ''خاتم الخلفاء'' ہو اور دوسرا ''أوّل الخلفاء'' تو افضل تو ''أوّل الخلفاء'' ہوگا۔ اگر لفظ خاتم کا حقیقی معنی افضل ہوتا تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّل خلیفہ سے آخری خلیفہ افضل ہوتا، او ر ''أوّل

المؤمنین ‘‘ سے’’خاتم المؤمنین ‘‘افضل ہوتا،اور’’اوّل المھاجرین‘‘ سے’’خاتم المھاجرین ‘‘افضل ہوتا۔جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

لہٰذا آیت’’ خاتم النّبیین‘‘ میں’’ خاتم النّبیین‘‘ سےحضورصلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا اورآیت’’ میثاق النّبیین‘‘ اورآیات عمومی رسالت سے جس میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں میں سب سے آخری کوسب سے افضل فرمایا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت ہونا مراد ہے۔

قیاس مع الفارق

اللہ تعالیٰ علام الغیوب کےحق اورحقیقت کلام کو ناقص العلم بندوں کے مجازی کلام پر محمول کرنا،قیاس مع الفارق ہے۔یہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی اہانت ہے،جس کا ارتکاب قادیانیت کھلے عام کرتی ہے۔جس کے ساتھ ساتھ وہ مرزاغلام احمد کے بارے میں اس کا اللہ تعالیٰ کامتبع کامل اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم کا خادمِ خاص ہونے کا دعویٰ بھی کرتی ہے۔

لہٰذا’’ خاتم النّبیین‘‘ کو’’ خاتم المفسرین‘‘ پر قیاس صرف اورصرف برائے خلط اور باعثِ تشویش ہے،نیز یہ کھلی تحریف اوراِلحاد فی آیات اللہ ہے۔

خاتم کامعین معنیٰ’’ آخری‘‘ اورمرزاقادیانی کااعتراف

قادیانیت اگرلغت،شرع اورآثارکوبغوراعتنانہیں لاتی ہےتو یہ اس کی بدقسمتی ہے۔ہم یہاں ان کے بانی مرزاغلام احمدکی لفظ خاتم کی شرح اورتفسیر بیان کررہے ہیں کہ وہ اس لفظ سے کیامفہوم لیتے ہیں؟

✡ مرزاغلام احمدقادیانی’’ ازالۃ الاوہام‘‘مندرج در’’ روحانی خزائن‘‘۳/ ۲۷۰ میں لفظ’’ خاتم‘‘ کو یوں استعمال کرتے ہیں:

''ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر اِیمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف ''خاتم'' کتب سماوی ہے۔''

اس میں لفظ'' خاتم'' سے مراد آخری ہی ہے، کیونکہ مرزا صاحب کے نزدیک بھی اس کے اعلان واقرار کے مطابق قرآنِ کریم ہی آخری کتاب ہے۔

✡ مرزا غلام احمد'' تریاق القلوب'' مندرج در'' روحانی خزائن'' ۱۵/ ۴۹۷ میں لفظ '' خاتم'' کو یوں استعمال کرتے ہیں:

''میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کا نام جنت تھا۔ پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی اور بعد میں، میں نکلا تھا، اور میرے بعد میرے والدین کے گھر کوئی لڑکی یا لڑکا پیدا نہیں ہوا اور ان کے لئے میں خاتم الأولاد تھا۔''

یہاں پر مرزا غلام احمد نے'' خاتم'' کا معنی'' آخری'' لیا ہے، یعنی جس کے بعد کوئی اولاد نہ ہو۔

✡ مرزا نے لفظ'' خاتم'' کو'' ضمیمہ براہین احمدیہ'' مندرج ''روحانی خزائن'' ۳۰/ ۱۳۴ میں یوں استعمال کیا ہے:

''بنی اسرائیل کے خاتم الأنبیاء کا نام عیسیٰ ہے اور اِسلام کے خاتم الأنبیاء کا نام محمد اور احمد ہے۔''

یہاں بھی مرزا کی مراد'' خاتم'' سے'' آخری'' ہے۔

✡ مرزا کے فرزند نے بھی'' خاتم'' کو مذکورہ معنی میں ہی لیا ہے، اور خود اس کی شرح بھی کردی ہے تا کہ ابنائے قادیانیت کو یقین ہو جائے کہ'' خاتم''،'' آخری'' کے معنی ہی میں ہے۔

وہ'' سیرت المہدی'' میں کہتے ہیں:

''خدا کی کتابوں میں مسیح موعود کے کئی نام ہیں۔ من جملہ ان کے ایک نام خاتم الخلفاء ہے، یعنی ایسا خلیفہ جو سب سے آخر آنے والا ہے۔''

ابنِ مرزا نے خود ہی ''خاتم'' کی شرح ''سب سے آخر میں آنے والا'' سے کی ہے۔

لفظ ''خاتم'' کے مفہوم و مدلول میں قادیانیت کے شریعت کی نصوصِ قطعیہ، آثارِ سلف، اجماعِ اُمت اور اپنے مؤسس اور اس کے بیٹے کے استعمال کو چھوڑ کر کسی بشر کے مجازی استعمال کا سہارا لے کر شرعی حقائق کو خلط کرنے کی غرض صرف وہی ہے جس کو ہم نے واشگاف کر دیا ہے۔

مذکورہ حوالہ جات سے مندرجہ ذیل اُمور واضح ہو چکے ہیں:

اوّلاً:- عقیدۂ ختمِ نبوّت اور نزولِ مسیح کا باہم متعارض نہ ہونا۔

ثانیاً:- لفظ ''آخر'' کا کسی کی موت کا تقاضا نہ کرنا۔

ثالثاً:- لفظ ''خاتم'' کی مراد ''آخری'' ہونا متعین ہے۔

رابعاً:- قادیانیت کے ہر شبہ کا اِزالہ ہو جانا۔

خامساً:- اس امر کا واضح ہو جانا کہ مرزا غلام احمد مدعیٔ مسیحیت پیدا ہوا، نازل نہیں ہوا ہے۔ اور حضرت مسیح نازل ہوں گے، لہٰذا اس کا اِدّعائے مسیحیت باطل دعویٰ ہے۔

سادساً:- مرزا صاحب ابنِ مریم نہیں بلکہ وہ ابنِ چراغ بی بی ہے، لہٰذا مرزا صاحب کا ابنِ مریم ہونے کا دعویٰ بھی باطل ہے۔

قادیانیت کا ایک اور شبہ

قادیانیت اپنے ہر منبر پر، وہ ان کی کتب ہوں، خطب ہوں یا، MTA کی عربی یا انگریزی سروس ''خاتم النّبیین'' کا معنیٰ ''نبیوں کی مہر'' کرتی ہے، پھر قادیانی یہ کہتے ہیں کہ ان کی

(یعنی نبی علیہ السلام) کی مہر نبوّت سے نبی بنتے چلے جاتے ہیں۔

اس کا اِزالہ

اس قادیانی توجیہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوّت کو ختم کرنے نہیں، بلکہ اس کے صانع اور قائم کرنے والے ہیں۔

جب کہ ہم نے تفصیل سے لغت، شرع، آثار اور اِجماعِ اُمت سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الأنبیاء ہونے کا مطلب آپ کا آخری نبی ہونا اور اس سلسلے کو ختم کرنے والا ہونا ہی مراد ہے۔ یہی ''خاتم النّبیین'' کی صحیح تفسیر ہے، اور نبی علیہ السلام کے واضح ارشاد: ''لا نبی بعدی'' کا بھی یہی مفہوم ہے۔ رہی قادیانی مذکورہ تاویل! تو اس سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''خاتم الأنبیاء'' نہیں بلکہ ''صانع الأنبیاء'' ہوجاتے ہیں۔ یعنی نبی ساز نبی ہیں، نہ کہ ''خاتم النّبیین''۔ پھر یہ صنعت وحرفت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، جس کا تحمل قادیانیت بھی نہ کرسکے گی۔

پھر یہ تحریف، قرآنِ کریم کی وحی کے مہبط سے ثابت شدہ تفسیر، فہمِ صحابہ اور اِجماعِ اُمت کے سراسر خلاف ہے۔

نیز مہر تو خود نہیں لگتی ہے، اسے لگانے والا ہوتا ہے، مہر ہر جگہ نہیں لگتی ہے، اس کا خاص مقام ہوتا ہے، اور وہ کسی پیغام اور رسالت کا آخر ہی (یعنی آخری) ہی ہے۔ اب جب مہر نبوّت بنانے والا رَبّ تعالیٰ ہے تو وہی اس کا لگانے والا ہے اور اس نے وہ مہر اپنی ارسال کردہ نبوّت و رِسالت کے آخر میں لگادی۔ تو وہی جناب خاتم النّبیین ہیں، جن کے بعد نہ اللہ کا کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول، اور نہ ہی کوئی پیغامِ ربانی آئے گا، نہ لانے والا ہوگا۔

مزید غور کریں کہ

لفظ ''خاتم'' اپنے کسی بھی مضاف الیہ وصف میں آخر ہی میں ہوتا ہے، وہ اس وصف سے موصوف کو بنانے والا نہیں ہوتا:

خاتم القوم — قوم کو بنانے والا نہیں بلکہ اس کا آخری فرد ہوتا ہے۔

خاتم المهاجرين — مہاجر بنانے والا نہیں بلکہ آخری مہاجر ہوتا ہے۔

خاتم الأولاد — اولاد بنانے والا نہیں بلکہ آخری ہوتا ہے، اس کی مہر سے مزید اولاد نہیں بنتی۔

معاذ اللہ! مرزا صاحب کی مہر سے ان کے والدین کی مزید اولاد نہیں بنی بلکہ بقول ان کے وہ خاتم الأولاد یعنی اولاد میں آخری اولاد تھے کہ ان کے بعد ان کے والدین کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

ایک اور شبہ

آیت ''خاتم النّبیین'' میں لفظ ''خاتم'' مضاف ہے اور وہ لفظ ''النّبیین'' کی طرف مضاف ہے۔اور النّبیین پر ''ال'' برائے استغراق معہود نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے خاتم اور آخری ہیں بلکہ یہ ''ال'' برائے عہد ذہنی ہے جس سے مراد مخصوص انبیاء ہیں، اور وہ ہیں تشریعی انبیاء لہذا آپ ﷺ صرف تشریعی انبیاء کے خاتم ہیں۔ غیر تشریعی نبیوں کے خاتم نہیں جو آپ کے بعد بھی آتے رہیں گے۔

اس شبہ کا اِزالہ

یاد رہے کہ ''ال'' عہد کے لئے اس وقت آتا ہے جب معہود سابق کلام میں مذکور ہو، یعنی غیر تشریعی انبیاء۔ اگر آیت ''خاتم النّبیین'' سے سابق کلام میں مذکور ہوتے تو ممکن تھا کہ وہ

مراد ہوتے ، اور یہ ’’ال ‘‘ تمام انبیاء کو شامل نہ ہوتا۔ اس کی وضاحت قرآنی مثال سے سمجھئے!

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں مذکور ہے: ’’اَكَلَهُ الذِّئْبُ‘‘ (یوسف:۱۴) اسے بھڑیئے نے کھالیا یہاں پر تو ’’ال ‘‘ استغراق کے لئے نہیں ہوسکتا کہ تمام بھیڑیئے یوسف علیہ السلام کو کھانے کے لئے جمع ہوجائیں، نہ ہی قرآنِ حکیم نے کسی خاص بھیڑیئے کا تعین فرمایا ہے، تو یہ عہد ذہنی کے لئے متعین ہوگیا۔ برخلاف آیت خاتم النّبیین میں وارد ’’ال ‘‘ کے، اس میں النّبیین پر داخل ہونے والا ’’ال ‘‘ بلا تکلف استغراق جنس نبوت کے لئے ہی ہے، اور یہی اس کی خود قرآن نے بھی اور حدیثِ رسول میں خود ’’خاتم النّبیین‘‘، صلی اللہ علیہ وسلم نے ، پھر آپ کے صحابہ کرام نے اور آپ کی اُمت نے بالاجماع تفسیر کی ہے۔

ہماری مخلصانہ دعوت

ہماری ابنائے ملتِ قادیانیت کو مخلصانہ دعوت یہ ہے کہ لفظ ’’ خاتم ‘‘ کا جو مفہوم ہم نے قرآن وسنت پھر ان کے مہبط ومنبع، ان کے حاملین، ان کے مفسرین وشارحین، اُمت کے سلف وصالحین اور ہر دور کے مجددین، ائمہ لغت اور مختلف طبقات اُمت کے اجماع کی روشنی میں بیان کیا ہے، وہ اس پر اعتماد کریں، اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’ آخری نبی‘‘ تسلیم کرتے ہوئے رحمت للعالمین کی اُمت میں پھر سے داخل ہوکر سعادتِ دارین پالیں، اور عناد اور ضد کو ترک کردیں۔

’’خاتم‘‘ اور اہم ملاحظات

’’مشترک‘‘ لفظ کے بارے میں عمومی ضوابط کے بیان کے بعد لفظ خاتم کے بارے میں خصوصی ملاحظات جو ہمیشہ یادرہنا چاہئیں

(ا) آیت خاتم النبیین میں وارد لفظ خاتم ’’ آخری‘‘ اور ’’افضل‘‘ میں مشترک نہیں ایسا کیوں

ہے؟اس لئے کہ خاتم کا معنیٰ'' آخری''اس کا وضعی اور حقیقی معانی میں سے ایک ہے جبکہ بعض جگہ اس کا استعمال برائے'' افضل''مجازی طور پر ہوتا ہے، پھر بندوں کا کسی کو خاتم المحد ثین، خاتم المفسرین، مبالغہ کے طور پر کہنا اور اس سے'' افضل'' مراد لینا یہ مجازاً ہے۔ افضل'' خاتم'' کا معنی نہیں نہ خاتم ان دونوں میں مشترک ہے کیونکہ لفظ اپنے حقیقی معنی اور مجازی استعمال میں مشترک نہیں ہوتا۔

(ب) خاتم کا برائے افضل مجازی استعمال۔ یہ نسبی افضلیت کو بتاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے زمانہ یا علاقہ کی نسبت سے افضل ہو۔ تو ان قیود والا افضل مطلقاً افضلیت کا حقدار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے زمانہ سے سابق ازمنہ والے محدثین تو یقیناً اس سے افضل ہیں یہی امر خاتم المفسرین کے بارے میں ہے

لہذا یہی خاتم جو ایک اعتبار سے افضل ہے دوسرے اعتبار سے مفضول ٹھہرا بلکہ کبھی تو خاتم مفضول ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے'' خاتم الخلفاء الراشدین''اس میں خاتم جو آخری بھی ہے اور مفضول بھی

(ج) قرآن کریم میں جناب محمد رسول اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرمان'' خاتم النبیین'' کو بندوں کے قول خاتم المحدثین وغیرہ پر قیاس کرنا ہرگز درست نہیں کیونکہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان کوئی جوڑ نہیں کہ جناب نبی خاتم حضرت محمد ﷺ کے زمانہ نبوت میں کسی دیگر کی نبوت کا تصور نہیں کہ اس پر آپ کی افضلیت کا بیان مقصود ہو۔ پھر آیت میں وارد خاتم کو افضل پر محمول کر کے آپ کی نسبی افضلیت بیان کی جائے یا پھر آپ سے سابق انبیاء حضرات آپ سے افضل نہیں کہ آپ کا مفضول ہونا بیان ہو (العیاذ باللہ)

نیز اللہ کے کلام میں خاتم النبیین کو بندوں کے کلام'' خاتم المحدثین'' وغیرہ پر قیاس کرنا۔

کلام اللہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی معاذ اللہ اہانت کا موجب ہے کہ آپ کے زمانہ میں دیگر انبیاء ہے ہی نہیں کہ آپ کو ان سے افضل کہا جائے ۔ اور آپ سابقین سے مفضول بھي نہیں کہ بندوں کے قول ''خاتم المحد ثین'' والا قضیہ ہولہذا یہ قیاس قادیانیت کا دجل عظیم ہے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے بعد مدعی نبوت کذاب ودجال ہوگا

خلاصۂ مبحث

۱ - ہر لفظ اپنے حقیقی اور وضعی معنی پر ہی دلالت کرتا ہے، ہاں کسی لفظ کو مجاز کی طرف پھیرنے کے لئے قرینے کا ہونا ضروری ہے ۔

۲ - کسی لفظ کا مجازی استعمال والا مدلول لفظ کا معنی نہیں کہلاسکتا، مگر قادیانیت نے یہی کیا ہے ۔

۳ - مجازی طور پر استعمال ہونے والا لفظ حقیقی اور مجازی معنی میں مشترک نہیں کہلاتا، بلکہ بلاغت کی رُو سے ایک حقیقت اور دوسرے کو مجاز کے نام سے پکارتے ہیں، مگر قادیانیت نے لفظِ ''خاتم'' کے حقیقی معنی اور مجازی مدلول کو باہم مشترک بنادیا ہے ۔

۴ - قادیانیت کا لفظِ ''خاتم'' کو افضل پر محمول کرنا مسلمہ عقیدہ میں باعثِ تشویش ہے، کہ اس نے اللہ کی طرف سے حقیقی معنی میں استعمال لفظِ ''خاتم'' کو بندوں کے مجازی استعمال پر قیاس کرکے لفظِ ''خاتم'' کے مفہوم کو بگاڑ کر لوگوں کے عقائد میں تشویش پیدا کرنے کی سعی کی ۔

۵- آیتِ ’’خاتم النّبیین‘‘ میں لفظِ ’’خاتم‘‘ کا معنی صرف اور صرف ’’آخری‘‘ ہی ہے، اسے لفظ خاتم کے کسی بندے کے مجازی استعمال پر قیاس کر کے ’’افضل‘‘ پر حمل نہیں کر سکتے، نہ خاتم کے وضعی معانی میں افضل داخل ہے کہ وہ آخری اور افضل میں مشترک ہو۔

۶- مسلم اُمت ’’نبی خاتم‘‘ کو ’’آخری نبی‘‘ اور ’’افضل نبی‘‘ ان دونوں صفات سے اکٹھے موصوف مانتی ہے، مگر قادیانیت نے ان میں فصل کیا ہے۔

۷- قادیانیت کا ’’خاتم‘‘ کو ’’افضل‘‘ پر محمول کرنا دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا انکار اور عقیدۂ ختمِ نبوّت میں تشویش پیدا کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔

۸- اللہ تعالیٰ نے آیت ’’میثاق النّبیین‘‘ میں افضل الرسل، آخر النّبیین کو قرار دیا، لہٰذا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخریت کا منکر ہے، وہ خود بخود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا بھی منکر ٹھہرے گا۔

۹- قادیانیت کے شبہات اور ان کے ازالے۔

۱۰- ابنائے ملتِ قادیانیت کو ہماری مخلصانہ دعوت۔

نمبر ⑰ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

تفسیراتِ آیتِ
''خاتم النّبیین''
بزبان صاحبِ وحی، خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم
ومفسرین اہلِ اسلام

قرآنِ حکیم عربی زبان میں نازل ہوا، عربی میں لفظ'' خاتم'' کا مفہوم ومراد متعین ہے، اور وہ'' آخری'' ہے۔ ہم نے گزشتہ مقالے میں لغت، شریعت اور عربی محاورات، قرآنی آیات اور احادیث وآثار اور خود قادیانیت کے بانی مرزا غلام احمد کے ہاں لفظ'' خاتم'' کے'' آخری'' کے معنی میں ہونے کی مثالیں ذکر کیں ہیں۔

'' خاتم النّبیین'' کی قرآنی ترکیب قطعی الثبوت اور قطعی المراد ہے، اسی لئے اُمتِ مسلمہ اجماعی طور پر'' خاتم النّبیین'' کا معنی آخر الأنبیاء ہی کرتی ہے۔ پھر چونکہ قرآنِ حکیم ہی نے قطعی طور پر افضل الرسل بھی خاتم الرسل ہی کو قرار دیا، لہٰذا اُمتِ مسلمہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع خاتمیت وافضلیت مانتی ہے، اور تمام مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین بھی ہیں اور افضل النّبیین بھی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی (کہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں)، یہ ایک حقیقتِ شرعیہ ہے، جس کا مصدر اور دلیلِ شرعی آیت خاتم النّبیین ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ رتبی کہ آپ افضل الرسل ہیں، اس کا مأخذ اور دلیلِ شرعی آیت میثاق النّبیین وغیرہ ہیں۔

لہٰذا مسلم اُمت کے ہاں سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاتمیت وافضلیت ہر دو صفات کے جمع ہونے کے مزید استحکام اور محکم بیان، اور قادیانیت کے ہاں'' خاتم'' سے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کا افضل ہونا اور آپ کے آخری نبی ہونے کی نفی کے باطل عقیدے کے مزید افصاح و بیان کی خاطر ہی ہم اپنے اس مقالے میں ''آیت خاتم النّبیین'' کی ان تفسیرات کی طرف اشارہ کریں گے، جو اُمت کے ثقہ اہلِ تفسیر اور قادیانیت کے ہاں مُسلّمہ مجددین سے منقول اور وارد ہیں۔

تمہید کے طور پر ہم اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہیں، جس کا جاننا اس موقع پر اس مسئلے کے سمجھنے کے لئے انتہائی مفید اور ضروری ہے۔

شانِ نزول

آیت خاتم النّبیین کے شانِ نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، وہ نسب میں آپ کے بیٹے نہ تھے، بلکہ آپ کے متبنّیٰ (لے پالک) تھے۔ اور عرب کے اندر یہ بات مشہور تھی کہ متبنّیٰ (لے پالک) کو بیٹا ہی سمجھا جاتا تھا، اسی لئے حضرت زید بن حارثہ کو لوگ ''زید بن محمدؐ'' کے نام سے پکارتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ نسب میں آپ کے بیٹے نہ تھے اور اللہ تعالیٰ جاہلیت کی ''تبنّی'' کی اس رسم کا خاتمہ چاہتے تھے تو حکمتِ ربانی نے اس کو توڑنے کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا انتخاب فرمایا۔

اوّلاً:- تو یہ ہوا کہ حضرت زید بن حارثہ کی شادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد حضرت زینب بنتِ جحش سے ہوئی۔ شروع میں حضرت زینب نے موافقت میں ہچکچاہٹ فرمائی، لیکن بعد میں راضی ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت زید سے کرائی اور مہر میں دس دینار، ساٹھ درہم، چادر، ایک لحاف، پچاس مُد غلّہ اور دس مُد کھجور انہیں دیئے۔

حضرت زینب ایک سال یا اس سے کچھ زائد عرصہ حضرت زید کے ساتھ رہیں، پھر

دونوں کے درمیان اختلافات شروع ہوگئے۔حضرت زید جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی شکایات لے کرآنے لگے۔تو آپ انہیں جوفرماتے،اسے قرآن کریم نے یوں ذکر فرمایا:

''اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ'' (الاحزاب:۳۷)

''تم اپنی بیوی کواپنے ساتھ رکھواور اللہ کا تقویٰ اختیارکرو!''

اس سے قبل اللہ تعالیٰ کا حضرت زید پر یہ انعام ہوا کہ انہیں ہدایت دین اسلام ملی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان کہ انہیں آزادی عطا فرمائی اور انہیں نبی علیہ السلام کی محبت اور شفقت حاصل تھی،لوگ انہیں ''حِبّ رسول الله''یعنی''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامحبوب'' کہہ کرپکارتے تھے۔اوران کے بیٹے کو''ابن الحِبّ''یعنی''محبوب کا بیٹا''کہا کرتے تھے۔

اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی خبردی گئی کہ حضرت زینب بنت جحش امہات المؤمنین میں شمار ہوں گیں،تو آپ یہ سوچتے کہ وہ تو زید کی بیوی ہےاور زید کولوگ ''زید بن محمد'' کے نام سے جانتے ہیں،تو لوگ یہ کہیں گے کہ محمد نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی۔مگر اللہ کی حکمتِ بالغہ تھی کہ وہ اپنے اس فیصلے سے متبنّیٰ والی جاہلیت کی رسم کا خاتمہ چاہتے تھےاوراس کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے سب سے مشرف اورمکرم اورسب سے زیادہ متقی اور مطیع بندے حضرت محمد رسول اللہ اورخاتم النبّیین صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا،انہی کی ذاتِ اطہر کے مبارک عمل سے اس رسم کو باطل فرمانے کا ارادہ فرمایا تو اس امر کا ذکربھی قرآن کی اس آیت میں یوں ہوا ہے

''وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخۡفِىۡ فِىۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ وَتَخۡشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ

اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ط'' (الاحزاب:۳۷)

''اے نبی! یاد کرو جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے اور آپ نے احسان فرمایا کہ: ''تم اپنی بیوی کو نہ چھوڑو، اور اللہ سے ڈرو!'' اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا۔ آپ ان لوگوں سے ڈرتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔''

اس آیت کے بارے میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر نبی علیہ السلام خود پر نازل شدہ وحی میں سے کسی بات کو چھپانا چاہتے تو وہ اس آیت کو چھپاتے، کیونکہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جسے آپ لوگوں کے طعن اور ملامت کی وجہ سے چھپانا چاہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کہ وہ آپ کی ذاتِ اطہر کے ذریعے سے ہی اپنے ایک شرعی حکم کی عملی تنفیذ چاہتا تھا۔ پھر وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا'' (الاحزاب:۳۷)

''جب حضرت زید نے ان سے پوری کی اپنی غرض تو ہم نے انہیں آپ کے عقد میں دے دیا.....''

اس کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت زید نے انہیں طلاق دی اور ان کی عدت مکمل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے نکاح میں لا دیا، اللہ تعالیٰ ہی ان کے نکاح کے ولی تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو وحی فرمائی کہ آپ حضرت زینب کو بغیر ولی، بغیر مہر اور بغیر عقد اور بغیر انسانی شہود کے اپنے نکاح میں لیں۔

اب یہ رسم تبنّی، اور لے پالک بچے کی ابنیت کا حکم باطل ہوگیا اور اس کی عملی تفسیر حق

تعالیٰ شانہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائی کہ ان کا عقد ان کے متبنّٰی زید بن حارثہ کی بیوی سے کرا دیا۔

اب شریعت میں متبنّٰی کے نسبی بیٹا نہ ہونے کا بھی واضح ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا عقد ان کے لے پالک کی مطلقہ سے ہی فرمادیا۔ اس کے بعد حضرت زید، ''زید بن محمد'' نہیں کہلائیں گے بلکہ اپنے نسبی والد کی طرف منسوب ہوں گے، کیونکہ وہ ان کے بیٹے نہیں ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اگلی آیت میں اسی امر کی تصریح فرمائی:

''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ'' (الاحزاب:۴۰)

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن رسول اللہ اور خاتم النّبیین ہیں...الخ۔''

حضرت زید کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابنیت کی نسبت کا منقطع ہونا یہ اَمرِ ربی تھا۔ قرآنِ کریم نے ایک طرف تو حضرت زید کو اس نسبت سے منقطع ہونے کا بہترین عوض ان کے نام نامی کو قرآن میں ذِکر فرما کر دِیا کہ یہ منفرد اعزاز صرف حضرت زید ہی کا ہے کہ اصحابِ رسول میں سے صرف انہی کا ذِکر ان کے نام کے ساتھ قرآنِ کریم میں آیا ہے۔ اور دوسری طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر سے دشمنوں کے اس طعن کی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی ہے اس امر کی بھی خوب صراحت سے صفائی فرمادی کہ تم یہ کیسے کہتے ہو کہ محمد نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی؟ جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ محمد تو تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد ہی نہیں ہیں، کیونکہ نبی علیہ السلام کے ہاں جس نرینہ اولاد کی پیدائش ہوئی تھی جیسے قاسم وطیب وطاہر وابراہیم ان کی وفات کم سنی ہی میں ہوگئی، اس سے پہلے کہ

ان کا شمار ''رجال''، یعنی مردوں میں ہوتا وہ بچپن ہی میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چار بیٹیاں: حضرت زینب، رُقیہ، اُمِّ کلثوم اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن تھیں، اور آپ کی نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی سنِ بلوغ کو نہ پہنچا۔

یاد رہے کہ قرآنِ کریم میں اسی جگہ اعدائے اسلام اور حاقدینِ رسول کریم ﷺ کے اس طعن کا جواب بھی دیا گیا جو وہ کہتے تھے کہ آپ کی تو کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے تو آپ کا ذکر کیسے باقی رہے گا؟ آپ کا نام ونشان ختم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طعن اور زعم کا اِبطال کرتے ہوئے فرمایا:

''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' (الاحزاب: ۴۰) اور لیکن آپ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹا نہ ہونے سے یہ استدلال کرنا کہ آپ کا نام ونشان ختم ہو گا، قطعاً تمہاری غلط فہمی ہے، بلکہ ان کے تذکرے تو ہمیشہ ہمیشہ جاری وساری رہیں گے کیونکہ آپ اللہ کے رسول اور اس کے آخری نبی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

اس آیت میں قرآنِ کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا۔

۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ہونا۔

۳- پھر اللہ تعالیٰ کا علیم اور خبیر ہونا۔

یقیناً یہ اُمور اَعدائے اسلام اور حاقدینِ پیغمبر کے مطاعن پر رَدِّ شافی ہیں، ان تین عظیم

اُمور میں تامل کرنے سے بہت سے مسائل واضح ہوجاتے ہیں۔

اوراس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ کے ہاں عظمت ومقامِ عالی کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کس طرح اپنی محبوب ہمارے آقاومولی سیّدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شرعاً مطلوب عقیدے کے بیان اور آپ کے مقام کے اظہار کا اہتمام فرماتے ہیں۔

اعدائے اسلام کے طعن اورخود باری تعالیٰ کے ان کے ردود میں تامل اہل ایمان کے ایمان میں بھی زیادتی اورقوت اوران کے قلوب میں عظمت خاتم النّبیین کے راسخ ہونے کا یقینی ذریعہ ہے۔

کفار کا یہ قول کہ: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کی بیوی سے شادی کی'' کیا حیثیت رکھتا ہے؟ جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی مرد کے باپ نہیں۔ پھر کفار کا زعم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد نہیں، لہٰذا ان کا ذِکر ہی نہ رہے گا۔

حق تعالیٰ شانہ نے اس کا یوں رَدّ فرمایا کہ تمہارا یہ زعم سراسر باطل ہے کیونکہ ان کے رسول اللہ ہونے کے سبب پوری اُمت ان کی اولاد کی مانند ہے اور وہ ان کے لئے بمنزلۂ والد ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ خود حق تعالیٰ نے ان کے ذکر کے بلند کرنے کا اعلان بھی خود اپنی کتاب میں فرمایا: ''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝۴'' (الم نشرح) اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کردیا رَبّ تعالیٰ کا خطاب انہی کی ذاتِ اقدس کے لئے ہے، پھر آپ رسول بھی ایسے کہ جو خاتم النّبیین ہیں۔

اب جس نبی کی نبوّت آخری ہے، اس کی اُمت کی تعداد کا شمار کیا ہوگا کہ اس کے زمانۂ دعوت سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک کا آخری فرد انسانی صرف انہی کی طرف نسبت سے مؤمن شمار ہوگا۔

انہی کا کلمہ پڑھ کر وہ مسلمان کہلائے گا، انہی کی شریعت کو آخری شریعت مان کر عمل کرنے سے اللہ کا مطیع بندہ شمار ہوگا۔ اتنی طویل البعثت نبوّت ورسالت جس نبی کی ہو کہ زمانۂ دعوت سے تا قیامت تمام زمانوں اور مکانوں کو محیط ہو، یہ اس امر کا مقتضی ہے کہ اس کا ذکر بھی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کا کسی مرد کا باپ نہ ہونا، پھر اس کے ساتھ رسول اللہ ہونا، پھر اس کا خاتم النّبیین ہونا۔ یہ آدم سے لے کر تا قیامت ذُرّیت آدم میں سے صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے، یہی مقامِ مصطفیٰ کا بیان ہے، جسے اہلِ ایمان کو خصوصاً اور بقیہ انسانیت کو سمجھانا قرآنِ حکیم کا مقصود ہے۔

یہی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر کا خصوصی مقام ہے کہ ان پر طعن کرنے والوں کا مسکت جواب باری تعالیٰ خود اپنے معجز کلام میں ثبت فرما دیں۔ ان کے باطل مزاعم کا حجت وبرہان سے اور بلاغت کے قوی ترین اسالیب سے رد فرمائیں۔ ان کی ابوت نسبی کی نفی اور روحانی اُبوّت کا ''لٰکِنْ'' کے زوردار کلمے سے اثبات، پھر خاتمیتِ نبوّت اعزاز خاص کا بیان کہ ان کی نبوّت آخری نبوّت ہے، ان کی رسالت عالمگیر ہے، ان کی دعوت، دعوتِ عامہ اور شاملہ ہے، ان کی شریعت، شریعتِ کاملہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتِ تامہ ہے۔ یہ تمام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کے تقاضے ہیں، جن کے بعد نبی نہیں۔ وہ خاتم النّبیین جن کی شریعت خاتم الشرائع ہے، نبوّت ورسالت اور شریعت ودین کے باب میں تا قیامت صرف وہی مطاع اور واجب الاتباع ہیں، وہی اُسوۂ حسنہ ہیں، دیگر کوئی نہیں۔ نیز آخر میں فرمایا اور اللہ تعالیٰ ہر شیٔ کے بارے خوب علم والا ہے کہ نبوّت ورسالت کے باب میں خاتم النّبیین کا مقامِ مقدس وہ نبی کہ جس پر نبوّت بھی ختم، رسالت بھی ختم ہو، اور وہ مقام نبوّت و رسالت کی انتہا پر ہو جسے اس مقامِ نبوّت ورسالت کے لئے خاتمہ قرار دیا جائے اور جس کی ذاتِ

اطہر کی آمد اور بعثت سے نبوّت کے اس دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند کرنا ہے اور اس سلسلے کی اس پر انتہا ہو جانی ہے، اسے اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، کون ہے کہ:

وہ نبیوں کا ’’خاتَم‘‘ یعنی آخری ہو۔

وہ نبیوں کا خاتم ’’مہر‘‘ ہو۔

وہ نبیوں کو خاتِم یعنی ختم کرنے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جس کے ذریعے نبیوں کو ختم کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کا خوب علم رکھتا ہے۔ اور وہ ذاتِ گرامی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جن کا نامِ مبارک اس آیت خاتم النّبیین میں لے لیا گیا ہے، حق تعالیٰ شانہ نے ان کی اُبوّتِ نسبی کی نفی کی، ان کے لئے رسالتِ ربانی اور خاتمیتِ نبوّت کی صراحت فرما دی۔

آیتِ خاتم النّبیین کی بھی تفسیر اس کے شانِ نزول اور سبق وسیاق کی روشنی میں مسلم مفسرین، شراحِ آثار اور علماء سیرت نے ذکر کی ہے۔

خاتم النّبیین کی تفسیر بزبانِ صاحبِ نبوّت بروایت انس رضی اللہ عنہ

امام ترمذی نے اپنے مسند و جامع میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں نبوّت ورسالت محمدیہ کی عظمت اور آپ کے خاتم النّبیین ہونے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یوں ذکر کیا ہے کہ:

’’یقیناً رسالت اور نبوّت منقطع ہو چکی ہیں، میرے بعد کوئی رسول ہوگا، نہ نبی ہوگا۔‘‘

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی رسالت ونبوّت کی خاتمیت کا یہ بیان آپ کے اس عالی مقام اور اعزاز خاص کی تفسیر ہے جسے آیت ’’مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ...الخ‘‘ نے

قرآن میں متعین فرمایا ہے۔

خاتم النّبیین کی تفسیر بزبانِ نبوّت بروایت جابرؓ

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لسانِ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاتم النّبیین ہونے کو نہایت سہل، خوبصورت اور صریح مثال سے یوں بیان فرمادیا کہ:

> ''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے ایک مکان تعمیر کیا اس کے تکمیل کردی، اس کی تحسین بھی کردی سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے، سو میں اسی اینٹ کی جگہ پر ہوں، مجھ پر ہی انبیاء کا اختتام ہوا۔''

تفسیر ''خاتم النّبیین'' بروایت ابوسعید خدریؓ

امام ابنِ ابی شیبہؒ نے اپنی مصنف میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ابوطفیل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کی تفسیرِ نبوی یوں نقل فرمائی ہے کہ: ''لا نبوة بعدی إلا المبشرات''، میرے بعد کسی قسم کی نبوّت نہیں ہے صرف مبشرات ہی ہیں۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: یہ مبشرات کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سچے خواب ہیں!

خاتم النّبیین کی تفسیرِ نبوی بروایت ابوہریرہؓ

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاتم النّبیین ہونے کی تفسیر میں یہ مثال بیان فرمائی، آپ نے فرمایا: یقیناً میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے کہ اس نے گھر بنائے، ان کی تحسین و تکمیل اور تجمیل کی اور ایک کونے میں صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی چھوڑ دی۔ لوگ عمارت کے چکر لگاتے اور

اس کے کمال و جمال پر تعجب کرتے ہوئے یہ کہتے کہ: کاش! اس جگہ ایک اینٹ رکھ دی جاتی تو یہ عمارت مکمل ہو جاتی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ہی وہ اینٹ ہوں۔

نیز صحیح مسلم نے اس روایت کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الأنبیاء کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ مجھے انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: مجھے جامع کلمات ہونے کا وصف دیا گیا، میری رُعب سے نصرت کی گئی، میرے لئے غنیمت کو حلال کیا گیا، میرے لئے زمین کو پاک کر دیا گیا، اور مسجد ٹھہرا دیا گیا، مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا۔

خاتم النّبیین کی تفسیر محمد بن جبیر کی روایت سے

مسند ابی یعلیٰ موصلی اور صحیح ابنِ حبان میں حضرت محمد بن جبیر بن مطعمؓ کے حوالے سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا: یقیناً میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں میرے ذریعے سے اللہ کفر کو مٹائے گا، میں حاشر ہوں، جس کے قدموں پہ لوگوں کو جمع کرے گا، میں عاقب ہوں، جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

خاتم النبیین کی تفسیر عمرو بن العاصؓ کے حوالے سے

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبد الرحمٰن بن جبیر سے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی اس روایت کو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی کئی خصوصیات کو بیان کیا اور اپنے خاتم النّبیین ہونے کی تفسیر فرمائی ہے۔ یوں نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے درمیان اس طرح آئے کہ گویا وہ ہمیں الوداع کہنے والے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: میں محمد نبیِ اُمّی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، مجھے کلمات

کے شروعات، کلمات کے جوامع، اور کلمات کے خاتموں سے نوازا گیا ہے۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ جہنم کے خازن کتنے ہیں؟ عرش کو اُٹھانے والے کتنے ہیں؟ مجھے اجمالاً ان کا علم دیا گیا ہے، مجھے عافیت دی گئی اور میری اُمت کو عاقبت دی گئی۔تم سنو اور اطاعت کرو جب تک میں تم میں موجود ہوں، جب مجھے لے جایا جائے تو تم اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنا، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام ماننا۔

تفسیر خاتم النّبیین بحوالہ ابوامامہ باہلیؓ

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت۔‘‘

ربانی فیصلہ

حق تعالیٰ شانہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو تو حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے لکھ چکے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرماتے ہیں کہ: میں اللہ کے ہاں اس وقت سے خاتم النّبیین لکھا جا چکا تھا جب حضرت آدم گارے مٹی ہی میں تھے۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم النّبیین کی یہ تفسیرات آپ کے کبار صحابہ کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ کے کبار محدثین اور جامعینِ سنن وصحاح نے نقل فرمائی ہیں، ان کی ان تفسیرات کے بعد کسی کا قول، کسی کی تأویل، کسی کی تحریف لائقِ اعتنا نہیں ہوسکتی، پھر آپ کا آخری نبی ہونا یہ صرف انہی کی تشریف نہیں، بلکہ اس میں اُمتِ مسلمہ کا بھی اعزاز ہے۔

مشہور مفسرِ قرآن علامہ ابن کثیرؒ...جنہیں قادیانیت کے ہاں بھی شرفِ مجددیت حاصل ہے...وہ فرماتے ہیں کہ

''یہ بندوں پر اللہ کی خاص رحمت میں سے ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف مبعوث فرمایا، پھر یہ آپ کی اللہ کی طرف سے تکریم ہے کہ ان پر انبیاء و مرسلین کو ختم فرمادیا اور دینِ حنیف کی تکمیل فرمادی۔''

نیز فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر طور پر منقول سنت میں یہ خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ لوگ جان لیں کہ آپ کے بعد اس مقام کا مدعی، کذاب ہے، افّاک ہے، دجال ہے، مضل ہے، چاہے وہ کس قدر خرقِ عادات دِکھائے، شعبدہ بازی کرے، جادو وطلسم یا نیرجات کرے، یہ سب گمراہی اور اہلِ عقل کے ہاں مستحیل ہے، یہ اس طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے یمن میں اسود عنسی کے ہاتھ پر جاری فرمایا۔

قیامت تک کے مدعی نبوّت کا یہی حکم ہے حتیٰ کہ مسیح دجال ان کا آخری آجائے۔ یہ سبھی جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسے امور پیدا فرمادے گا جس سے علماء اور مؤمنین ان کے کذب کی گواہی دیں گے۔''

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کمالِ لطف ہے کہ امر بالمعروف تو وہ ضرورت واقعی کے ساتھ ساتھ کرتے رہیں گے، مگر نہی عن المنکر بھی علیٰ سبیل الاتفاق کریں گے۔ یہ اس لئے کہ یہی غیر تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے'' خاتم النّبیین'' ہونے کے خصوصی اعزاز کے یہ وہ تفسیری نمونے ہیں جو خود صاحب وصف، اور اس اعزاز کے ساتھ مشرف مقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے منقول ہیں اور جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلامذہ، حضرات صحابہ کرام نے مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے سن

کر محفوظ فرمالیا، پھر آگے اپنے تلامذہ کو سکھلایا، تاکہ کسی وجہ سے بھی کسی کے لئے قیامت تک عذر نہ رہے کہ وہ کسی تحریف کرنے والے کی تشویش یا دجل میں پھنس جائے۔

یہ بھی یادر ہے کہ صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دیگر کوئی بھی وحیٔ ربانی کے مدلول ومقصود اور مفہوم سے واقف نہیں ہوسکتا، نہ صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم وحیٔ ربانی کے سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں، نہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اوّلاً وہ غلط سمجھیں پھر معذرت کرلیں اور کہیں کہ: ''اصل مفہوم یوں نہیں، یوں تھا!''...معاذ اللہ...اللہ تعالیٰ ایسے ناسمجھوں کو ہرگز ہرگز اپنی وحی کا مہبط نہیں قرار دیتے۔

یہ تو مرزا غلام احمد ہی ہے جس نے بزعم خود اِلہامِ ربانی سے لکھا کہ:

- ✡ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھالیا۔
- ✡ وہ قبل از قیامت وہیں سے نازل ہوں گے۔
- ✡ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔
- ✡ ان کے بعد وحی کا دروازہ بند ہے۔
- ✡ ان کے بعد مدعی نبوّت ملعون ہے۔
- ✡ وہ خود مدعیٔ نبوّت نہیں۔
- ✡ وہ اہلِ سنت کے عقائد پر ہے۔
- ✡ ان عقائد سے خروج مسلمانوں کے مُسلَّمات سے خروج اور موجبِ تہمت ہے۔
- ✡ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٔ نبوّت کرنے والا کاذب وکافر ہے۔
- ✡ اللہ تعالیٰ کی وحی حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔

پھر مرزا خود ہی مذکورہ عقائد کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا منکر ہو گیا، ان کی وفات کا قول کرنے لگا، حضرت عیسیٰ کے نزول کی نفی کرنے لگا، حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود ہی مدعیٔ نبوّت ہو گیا، اہلِ سنت کے عقائد اور اِجماع سے خود ہی خارج ہو گیا، بلکہ اس امر کا مدعی ہو گیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح مسلسل نازل ہوتی ہے ...العیاذ باللہ!

''نبی'' کبھی اپنے عقائد کو سابقہ یا متروکہ عقائد نہیں کہتا، نہ وہ عقائد میں تجدید کی بات کرتا ہے، اگر شریعت کے بعض اَحکام علاوہ از عقائد میں نسخ ہوا ہے، یا سابقہ شرائع اور خاتم الشرائع میں بعض اَحکامِ تکلیفیہ میں اختلاف ہے تو یہ اَمر تو بالا جماع مُسلَّمہ امر ہے کہ عقائد میں اوّل رسول سے رسولِ خاتم تک تمام شرائع میں تبدیلی نہیں، عقائد میں تبدیلی کی بات کرنے والے یا اس امر کے مدعی یا اس کے داعی یقیناً آسمانی ادیان یا وحیٔ ربانی کے دائرے سے خارج لوگ ہیں۔

نیز اللہ کے نام پر کوئی بات کہنے والا کتاب وسنت سے ہٹ کر یا اِجماعِ اُمتِ مسلمہ سے خارج ہو کر اگر بات کر رہا ہے تو اس کا حکم شریعتِ محمدیہ میں بھی یہی ہے، اور مرزا غلام احمد نے بھی اس کی تصریح کی کہ ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

خاتم النّبیین کی تفسیر یا عقائد کے باب میں مرزا کی رَوِش

وہ عقائد جنہیں مرزا غلام احمد قادیانی نے کتاب وسنت کی روشنی میں اور اپنے مامور من اللہ ہونے کے دعوے سے لکھا،

''انجامِ آتھم'' میں عربی نص میں ان کے بارے میں کہتا ہے:

''أشھد إنا نتمسک بکتاب اللّٰہ القرآن و نتبع أقوال رسول

اللّٰہ ونقبل ما انعقد علیه الإجماع لا نزید علیها، ولا ننقص ومن زاد علی هٰذه الشریعة أو نقص منها أو کفر بعقیدة إجماعیة، فعلیه لعنة اللّٰہ والملائکة والناس أجمعین، وهو مقصودي ومرادي، ولا أخالف قومي في الأصول الإجماعیة۔‘‘

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم کتاب اللہ قرآنِ کریم کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ کے اقوال کی اتباع کرتے ہیں اور مجمع علیہ اُمور کو قبول کرتے ہیں، اس پر کمی بیشی نہیں کرتے۔ جس نے اس شریعت میں کمی بیش کی یا اس نے مجمع علیہ اُمور کا انکار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ، اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ یہی میرا مقصود اور مراد ہے اور میں اپنی قوم کے اجماعی عقیدے کے خلاف نہیں ہوں۔‘‘

ناصحانہ گزارش!

ہم ابنائے قادیانیت سے مخلصانہ گزارش کرتے ہیں کہ آپ مرزا صاحب کے اس اقرار کے مطابق ان کے سابقہ اور لاحقہ عقائد، پھر قادیانیت کے موجودہ عقائد کا خود ہی محاسبہ کر لیں۔ اگر ان کے عقائد اِجماعِ اُمتِ مسلمہ کے خلاف ہیں، اُمت کے جملہ مجددین، مجتہدین، مفسرین، علماء اور ان سے قبل اصحابِ رسول اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ خاتم النّبیین کی تفسیر کے خلاف ہیں جنہیں جاننے کے بعد تو وہ کسی حجت سے مرزا غلام احمد یا کسی بھی دیگر کی کسی بھی نوع کی نبوّت کو رَوا نہیں رکھ سکتے ہیں۔

جب حق تعالیٰ شانہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوّت و رسالت کے باب میں خاتمیتِ زمانی اور خاتمیتِ رُتبی یعنی آخریت و افضلیت ہر دو اَمر کو جمع کر رہا ہے، اور

اُمتِ مسلمہ اس پر ایمانِ محکم رکھتی ہے تو وہ کیونکر ان کے مابین فصل کر کے اُمت کے دائرے سے خارج ہوں؟

خلاصۂ مبحث

۱- آیت خاتم النّبیین کا شانِ نزول اور سبق وسیاق سے اس کے حقیقی مفہوم کا تعین۔

۲- آیت خاتم النّبیین میں حاقدینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا قوت اور حجت وبرہان سے ردّ۔

۳- ترکیب ''خاتم النّبیین'' جو وحیٔ ربانی ہے، اس کی مہبطِ وحی سے منقول تفسیرات بحوالہ اصحابِ رسول اور کتبِ سلف مقرّ راور واضح ہیں، اور وہ ہے ان کا ''آخری نبی'' ہونا۔

۴- عقائد میں تبدیلی، آسمانی ادیان اور وحیٔ ربانی کے خلاف امر ہے۔

۵- مرزا غلام احمد کا عقیدۂ ختمِ نبوّت کا اقرار اور پھر خود ہی اس سے انحراف بھی۔

نمبر ⑱ ازسلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

''توفی'' لغوی معنی اور قرآنی استعمال،
''توفی'' عمومی بشریت بوقتِ اجل وبحالتِ نوم،
''توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام'' بعدازنزول بوقتِ اجل
''توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام''
خاصہ عیسیٰ علیہ السلام
درزمانۂ رفع

تنقیحِ موضوع
''توفی''لغت،قرآن وسنت اور اُمتِ مسلمہ کے عقیدے کی روشنی میں

''توفی''عربی زبان کا کلمہ ہے،جس کا اپنا خاص مادۂ اشتقاق ہے،اوراس کی رُو سے اپنا مخصوص لغوی معنی ہے۔ یہ لفظ اور اس کے دیگر مشتقات قرآنِ حکیم اوراحادیثِ نبویہ میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔

مسلم اُمت کے خواص وعوام کے علم میں رہے کہ لفظ''توفی''مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانی ادب میں خصوصی اہمیت کا حامل کلمہ ہے،ملتِ مرزائیہ کا ہرفرد...وہ عربی زبان جانتا ہو یا نہ جانتا ہو...لفظِ توفی اس کے زدِزبان رہتا ہے۔

''توفی''کے بارے میں مندرجہ ذیل امور یادرکھیں:

۱-''توفی''کا مادہ اشتقاق(و،ف،ی)ہے،اور یہ''تفعّل''کےوزن پر مصدر ہے۔

۲-''وفا''کا معنی''پورا کرنا''ہے،اور''توفی''جو''وفا''سے''تفعل''کے وزن پر ہے،اس کا معنی ہے''پورے طور پر قبضہ میں لے لینا۔''

۳-''وفا''اور''توفی''کے تمام مشتقات میں اتمام واکمال اوراستیفاءضرور ہوتا ہے۔چاہے''توفی''ذی روح کی ہو،یا غیرذی روح کی۔اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو،یا غیراللہ ہو، اس کا مفعول ذِی رُوح ہو،یا غیرذِی رُوح۔

۴-''توفی''کے بہت سے مشتقات مختلف صیغوں میں قرآن وحدیث میں وارد

ہوئے ہیں، جیسے کہ ماضی میں: "أوفی" "وفّی" وُفِّيَت، تُوُفِّيَ، مضارع میں: "يَتَوَفَّى"، "يُتَوَفَّون"، "تُوَفَّونَ"۔ امر میں: "أوفو" اور "تَوَفَّ" اسم فاعل: "مُتَوَفِّي"، اوراسم مفعول: "مُتَوَفّٰی" وغیرہ۔

۵-قرآنِ کریم میں ذِی رُوح کے لئے اللہ تعالیٰ کا''متوفِی''ہونا مذکور ہے، جس کا لغوی معنی: ''پورے طور پر قبضے میں لے لینے والا'' ہے۔ نیز قرآنِ کریم میں ذِی رُوح کا مختلف احوال میں ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ''توفی'' کی کئی صورتیں ہیں، لہٰذا''توفی ذی روح'' ایک جنس ہے، جس کی تین انواع قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ ہر جگہ پر ذِی رُوح کی''توفی'' سے مراد موقع ورود کی مناسبت سے متعین ہوتی ہے، ہر جگہ اسکی ایک ہی نوع مراد لینا لغت اور قرآنی استعمال کے خلاف ہے، یہ اِلحاد فی آیات اللہ ہے، اور عمومی بشریت کے ساتھ دھوکا اور کھلی خیانت ہے۔''توفی'' کی تین انواع یہ ہیں: ۱- إماتہ: ''موت دینا'' یا''توفیٔ موت''۔ یہ صرف اجل پر ہوتی ہے، چاہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں، یا غیر عیسیٰ ہوں۔ ۲-إنامہ: ''سلا دینا'' یا''توفیٔ نوم''۔ نیند کے وقت ہوتی ہے، چاہے عیسیٰ علیہ السلام ہوں، یا غیر عیسیٰ۔ ۳-''رفع'': رُوح وجسم سمیت زندہ اُٹھالینا، یا''توفیٔ رفع''۔ یہ صرف اور صرف خاصۂ عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ جس پر''توفی'' کی یہ نوع اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئی ہے، تو مقبوض و ''متوفیٰ'' ہے جسے بتمامہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضے میں لے لیا، اور اسے اپنی طرف اُٹھالیا، اس کی کفار سے تطہیر کردی، اور اسے ایسی جگہ لے گیا، جہاں ان کی دسترس نہ ہو، یہ''توفی''صرف ایک بشر کا خاصہ ہے، اور وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

۶-''توفی'' کی جس نوع کا جہاں قرینہ ہوگا، وہی نوع متعین ہوگی۔ اور''توفی''۔ ''متوفِی''اور''متوفَی'' کا معنی بھی اسی اعتبار سے متعین ہوگا۔

۷-''تـوفـی'' کی پہلی اور دوسری نوع یعنی اجل پر موت دینا، اور نیند کے وقت سلانا تمام بنی آدم کو پیش آتی ہے، اور یہ دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل ہیں۔

۸-''تـوفـی'' کی تیسری نوع، یعنی اجل کا بھی وقت نہ ہو، نہ نیند کا تو یہ''تـوفـی'' صرف بنی آدم کے ایک فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاصہ ہے۔ اسی میں قادیانیت نے خلط کیا ہے، اور اس مخصوص نوع کو توفیٔ اِماتہ والی نوع کے ساتھ خلط کرنے کی سعی کی ہے۔

۹-قرآنِ کریم میں ذِی رُوح کی''توفی'' کا فاعل اللہ تعالیٰ کو بھی اور فرشتوں کو بھی ذکر کیا گیا ہے، جبکہ''إماتۃ''''موت دینا''، یا''ممیت''(موت دینے والا) ہونا کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کی گئی ہے، غیر اللہ کی طرف ان کی نسبت نہیں کی گئی۔

۱۰-قرآنِ کریم میں''تـوفـی'' کا مفعول ذِی رُوح اور غیر ذِی رُوح ہر دو کو ذِکر کیا گیا ہے۔

۱۱-ذِی رُوح کی''توفی'' کی تینوں اقسام قرآن میں مذکور ہیں۔ نیز غیر ذِی رُوح کی ''تـوفی'' کا بھی ذکر موجود ہے، اس کی''تـوفی'' سے مراد''استیـفاء'' ہے، یعنی''متـوفیٰ'' کو کامل طور پر وصول کرلیا جائے کہ اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔

۱۲-قرآنِ کریم میں بنی نوعِ انسان کی عمومی''توفی'' کئی آیات میں مذکور ہے۔

۱۳-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصی''تـوفـی'' قرآنِ حکیم میں بطور خبر صرف ایک آیت میں ذکر ہوئی ہے، جس میں ان پر اس نعمتِ خاصہ کا احسان جتلایا گیا ہے، جبکہ ایک دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ کی زبان پر اسی''توفی'' کی حکایت نقل ہوئی ہے۔

۱۴-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی''تـــوفـــی''ان کی دشمنوں سے خلاصی، اللہ تعالیٰ کی بہترین تدبیر کا مظہر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور سولی پر لٹکانے کے منصوبہ بنانے

والوں کی تدبیروں میں ناکامی کی دلیل ہے۔

۱۵-مسلم اُمت ''توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام''اور دیگر بشریت کی ''توفی'' کے بارے میں مذکورہ اُمور کی رعایت رکھتی ہے۔مگر قادیانیت نے ان اُمور کی رعایت نہ رکھتے ہوئے عمومی ''توفی''اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصی ''توفی''کو خلط کرنے کی سعی کی ہے۔

۱۶-''توفیٔ عیسیٰ''اور عمومی بشر کی ''توفی''میں یہ امر مشترک ہے کہ ''توفی'' کا وقت اگر ''اجل'' کا ہو،تو ''متوفیٰ'' کی موت سے کنایہ ہوتی ہے۔اگر وقت نیند کا ہو تو وہ ''متوفیٰ'' کو سلانے سے کنایہ ہوتی ہے۔

۱۷-جن اہل علم نے ''توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام'' کی خبر میں وارد کلمہ ''متوفيك'' کو ''مميتك''موت دینے والے پر محمول کیا ہے، وہ ''اجل'' آنے کی قید کے ساتھ ہی کیا ہے۔ اور یہ کہا ''عند إنزالي إياك من السماء'' آسمان سے تمہیں اتارنے کے بعد،یعنی جب ان کی اجل کا وقت ہو۔یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی''اور دیگر بنی نوع بشر کی ''توفی'' میں امورِ مشترکہ اور امورِ فاصلہ بھی متعین ہو جاتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اپنے اس مقالے میں ان تمام امور کا مفصل بیان کریں، ہم اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کہ قادیانیت نے مفہومِ ''توفی''میں جو خلط کیا، اس کا باعث کیا ہے؟ قادیانیت نے لغت کی کیوں مخالفت کی؟ مذکورہ قرآنی استعمال اور اسلوبِ بیان کی کیوں مراعات نہ رکھیں؟ قادیانیت نے کیونکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' کے امت کے مابین مسلسل طور پر ثابت شدہ شرعی مفہوم کو بدلنے کی سعی کی؟

قادیانیت نے ایسا اس لئے کیا کہ:

قادیانیت کا یہ زعم ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' کو ''اماته''یعنی

''موت دینا'' کے معنی میں منحصر کر دیا جائے تو شاید مرزا غلام احمد کے دعووں کا راستہ ہموار ہو جائے۔اس لئے توفی قادیانی مذہب میں اس قطب کی حیثیت رکھتی ہے جس کے گرد مرزا غلام احمد قادیانی کی شریعت گھومتی ہے۔

قادیانی مربی ومعلم اپنے ہرفرد کو''توفی'' کا لفظ رٹانے اوراس کا قادیانی مفہوم اس کے ذہن میں بٹھانے کے لئے انہیں باقاعدہ تیار کرتے ہیں۔

اس کے برعکس عموماً مسلم اُمت کے عوام کیا خواص بھی بجائے اس کو محنت سے سیکھنے کے مشکل سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

اب ہم اپنے مقالہ کے مختلف عناوین کی تفصیل شروع کرتے ہیں:

''توفی''اصل حقیقت اورقادیانی طریقۂ واردات

اُردو زبان میں کسی کی موت کی خبر دینے کے لئے یہ کہنے کے بجائے کہ'' فلاں صاحب کی موت ہوگئی'' یا'' فلاں صاحب مر گئے''، یوں کہا جاتا ہے، کہ'' فلاں صاحب وفات پا گئے'' یا ''رحلت فرما گئے'' یا'' انتقال کر گئے''۔ یہ اُسلوبِ بیان کہ'' موت'' کی جگہ پر لفظ'' وفات''، ''انتقال'' یا'' رحلت'' کو استعمال کیا جائے، اسے اہل بیان'' کنایہ'' کہتے ہیں، اس لئے کہ'' کنایہ'' کا معنی کسی چیز کو چھپانا ہے،تو چونکہ معنی موت کو لفظِ'' وفات'' اور'' توفی''و'' انتقال'' اور ''رحلت'' میں چھپا کر بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اس اسلوبِ بیان کا نام کنایہ رکھا جاتا ہے، اس میں ''موت'' کو صراحت سے ذکر نہیں کیا گیا، مگر اسے لفظِ'' وفات''،'' انتقال''و'' رحلت'' سے کنایۃً بیان کیا گیا ہے۔

اُردو کی طرح عربی میں بھی بعینہٖ اس اُسلوبِ بیان کا رِواج ہے، عربی میں بھی بجائے اس کے کہ'' مات فلان'' فلاں مر گیا، یا اس کی موت ہوگئی، کہتے ہیں:'' توفی فلان'' فلاں

صاحب وفات پاگئے۔یا:''انتقل فلان إلى رحمة الله''فلاں صاحب اللہ کی رحمت کی طرف منتقل ہوگئے۔یا:''ارتحل فلان إلى دار الآخرة''فلاں صاحب آخرت کی طرف کوچ کرگئے۔ان سب مثالوں میں''توفی''،''انتقل''اور''ارتحل''کے الفاظ''موت'' سے کنایہ ہیں،اوران سے غرض''موت'' کا کنایۃً بیان ہے،جس کا صراحت سے ذِکر نہیں،مگراس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ لفظِ''توفی''و''وفات''یالفظِ''انتقال''اور''رحلت'' کا معنی ہی (لغت میں) موت ہے۔ یا یہ الفاظ''موت'' کے لئے وضع ہیں، اور ہر''وفات''و''توفی'' اور ہر ''انتقال''و''ارتحال''موت ہی ہوگا۔ ہاں! موت کی خبر کے وقت جب''موت'' کو''وفات و توفی سے''اور''انتقال''اور''رحلت'' سے کنایۃً (چھپا کر) بیان کیا گیا ہے،لہٰذا یہ موت سے کنایہ ہیں،اورموت کے قرینہ کی وجہ سے ہی موت دلالت کرتے ہیں، یہ اُسلوبِ کنایہ،دُنیا کی ہرزبان اور ہرتہذیب میں موجود ہے۔

کنایہ اوراس کی قوت

''کنایہ'' بلاغت کا ایک خوب صورت اورقوی ترین اندازِ بیان ہے، جوصراحت سے زیادہ مؤثر اور بلیغ ہوتا ہے، اور یہ اس لئے کہ کنایہ میں کسی معنی کوخوبصورت انداز میں اس کی دلیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، نیز یادرہے کہ کنایہ میں کسی لفظ کا اصل معنی مرادنہیں ہوتا، بلکہ متکلم کی مرادلازمِ معنی ہوتی ہے، جیسے کہ''توفی''و''وفات'' کا معنی تو''پورا پورا لے لینا ہے۔'' مگرکسی کی عمر کے پورا کرنے پر''توفی'' کو''موت'' سے کنایہ بنایا جائے،تو عمر پوری کر لینا یہ ''موت'' کی دلیل بھی ہے، کہ''موت'' عمر پورا کرنے کو لازم ہوتی ہے، اسی طرح دنیا سے آخرت میں انتقال''موت'' کی دلیل بھی ہے،اور''موت''اس کولازم ہے،اسی طرح دنیا سے آخرت کی طرف رحلت''موت'' کی دلیل ہے،اورموت اسے لازم ہے،یہی کنایہ کی قوت اور

بلاغت ہے، مگر یہ کہنا سراسر غلط ہے، کہ ''توفی'' یا ''وفات''، اور ''انتقال'' اور ''رحلت'' کے معنی ہی موت دینا ہے، کیونکہ ''وفا'' کا معنی تو ''پورا کرنا'' ہے اور ''توفی'' کا معنی ''پورے طور پر لے لینا ہے۔'' اور انتقال کا معنی ''ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا'' ہے، اور رحلت کا معنی ''ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف کوچ کر جانا ہے۔'' لغت میں ان الفاظ میں سے کسی کا معنی ''موت'' ہونا یا موت دینا نہیں ہے۔

اب کوئی قادیانی یا دیگر شخص اگر عقلمند ہے، تو ہرگز ہرگز ان الفاظ کے بارے میں یہ نہیں کہے گا کہ لغت میں ان کا معنی ''موت'' ہے، یا یہ ہمیشہ ہمشہ اور ہر جگہ ''موت'' ہی کے لئے ہوں گے، کیونکہ کسی لفظ کے اپنے اصل معنی سے ہٹ کر دیگر معنی کے لئے کنایہ ہونے کے لئے قرائن وشواہد کا ہونا ضروری ہے، اگر کوئی لفظ بغیر کسی قرینہ کے استعمال ہو، تو وہ اپنے اصلی و وضعی، اور لغوی معنی ہی میں منحصر ہوگا۔ دیگر کی طرف نہ جائے گا ''توفی'' کا لفظ عربی زبان میں ایسی اشیاء کی طرف نسبت کر کے بھی کہا جاتا ہے، جہاں پر موت کا تصور بھی نہیں ہوتا، جیسے ''قیمت کو پورا پورا وصول کرنا'' عربی میں کہتے ہیں ''توفیت الثمن'' میں قیمت پوری وصول کر لی، یا قرآن کریم میں ہے: ''وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ'' (آل عمران:۱۸۵) ''تمہیں تمہارے اُجور پورے پورے دیئے جائیں گے۔'' مگر یہاں پر تو موت کا تصوّر تک نہیں، لہٰذا ''وفائے عہد'' وعدہ کو مارنا نہیں، وعدہ کو پورا کرنا ہے۔ ''توفیٔ ثمن'' قیمت کو پورا وصول کرنا ہے، اور ''توفیٔ اُجور'' اجروں کو پورا پورا لینا ہے۔ اسی طرح اللہ کی سرزمین پر ہی کسی کا ''انتقال'' و ''رحلت'' کرنا، اس کا مرنا نہیں، بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف حرکت کا نام ہے، جو موت کی نہیں اس شخص کی زندگی کی علامت ہے، اگر کوئی شخص اس علمی حقیقت سے ناواقف ہو، تو اسے ''توفی'' کے مفہوم کو خلط کرنے کا بھی حق حاصل نہیں۔ ہمارے اس بیان سے انشاءاللہ وہ ''توفی'' کے معنی ضرور سمجھ سکتا ہے۔

یہ کس قدر غلط فہمی اور خلط وتشویش میں ڈالنا ہے!

اگر کوئی علم وفہم سے ناواقف شخص یا کوئی قادیانی دھوکا دہی یا دجل سے عوام کے سامنے مذکورہ اُسلوب سے موت کی خبر دینے والی مثالوں سے، جہاں پر ''موت'' کو ''وفات''، ''انتقال''، ''رحلت'' اور ''توفی'' سے بطورِ کنایہ بیان کیا گیا ہے، یہ کہے کہ ''توفی''، ''انتقال''، ''رحلت'' اور ''وفات'' کا معنی ہی مار دینا ہے۔ پھر اس پر مزید یہ جسارت کرے کہ قرآن میں مذکور جہاں جہاں بھی لفظِ ''توفی'' یا اس کے مشتقات ہیں۔ وہ ان مواقع ''توفی'' میں مذکورہ فروق کو خاطر میں نہ لائے، یا جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' کا ذکر ہے، جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے: ''یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ'' (آل عمران:۵۵) ''اے عیسیٰ! میں تجھے پورے طور پر قبضے میں لینے والا ہوں، اور تجھے اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔'' یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول: ''فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ'' (المائدۃ:۱۱۷) ''اے اللہ! جب تو نے مجھے پورے طور پر قبضہ میں لے لیا۔'' ان مواقع پر کہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' سے مراد بلاتمیز موقع ومحل صرف انہیں موت دینا ہی ہے، اور ''متوفیك'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت دے دی، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے، تو کہاں سے دوبارہ اس دُنیا میں آئیں گے؟ کیونکہ کوئی بھی مرنے والا قیامت سے قبل نہیں آسکتا۔ تو یہ قائل کی غلط فہمی بھی ہے، اور اس کا دیگر کو غلط فہمی میں ڈالنا بھی، نیز قرآن کی تفسیر میں اِلحاد بھی ہے اور بشریت کے ساتھ دھوکا دہی اور دجل بھی۔ پھر یہ بھی کہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں، اور اب مرزا غلام احمد مدعی مسیحیت ہیں، لہٰذا وہی مسیح موعود ہیں، وہی عیسیٰ بن مریم ہیں۔ تو قائل کے یہ اقوال قرآن وسنت سے کھلا انحراف اور اِجماعِ اُمت سے خروج کے ساتھ ساتھ ''توفی'' کی شرعی اور لغوی حقیقت کا بھی انکار ہے۔

قادیانیت کا حقیقت سے انکار اور اس کی واردات کا آسان توڑ

ہم نے مذکورہ تمہید میں لفظِ ''توفی''، ''وفات'' اور ''انتقال'' و ''رحلت'' کی حقیقت خوب واضح کردی، اور لغت میں ان الفاظ کے معانی بھی بتادئے، نیز یہ بھی کہ ان میں سے کسی لفظ کا معنی ''موت دینا'' نہیں ہے، البتہ متکلم مخصوص موقع پر موت کے قرینہ کے ساتھ انہیں موت کے لئے بطورِ کنایہ استعمال کرتا ہے، اس علمی حقیقت کا کوئی ذی عقل وشعور منکر نہیں، مگر قادیانیت نے یہ دجل کیا کہ ''توفی'' کے کنائی استعمال کو لفظِ ''توفی'' کا اصل معنی قرار دے دیا، جو کھلا فریب ہے، یا واضح جہل، یا عملاً بشریت کی تضلیل اور اس کے ساتھ دجل ہے، بہرحال ''توفی'' کے بارے میں قادیانیت کا یہ طریقۂ واردات معروف ومشہور ہے۔

یاد رہے کہ قادیانیت کا یہ طریقۂ واردات ایک طرف تو قرآن کریم میں وارد لفظِ ''توفی'' کے ساتھ زیادتی ہے، پھر لغتِ عربی کی کھلم کھلا مخالفت ہے، نیز یہ امر عیاں ہے کہ قادیانیت کی غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' کے مفہوم میں تشویش پیدا کرنا ہے، شریعت میں اسے ہی دجل کہا جاتا ہے۔

اس قادیانی دجل کے علمی جوابات تفصیلاً ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے۔ اب آسان توڑ پیش کرتے ہیں۔

قادیانی دجل کا آسان توڑ

یہاں پر ہم مذکورہ قادیانی دجل کا آسان سا توڑ پیش کرتے ہیں، جسے ہر مسلمان کو خود بھی سیکھنا چاہئے اور دوسروں کو بھی سکھانا چاہئے۔ اور وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی میں خود کو ''متوفِّی'' (پورے طور پر قبضے میں لینے والا) فرمایا ہے، اب اس ارشادِ گرامی کے مورد اور موقع ومحل کو دیکھنا ہے، وہی حضرت عیسیٰ کی ''توفی'' اور اللہ تعالیٰ کے ''متوفی''

ہونے کے معنی کو متعین کرتا ہے۔

یادرہے کہ یہاں پر مفسرین کے تین قول ہیں، اور تینوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاحال، پھران کے آسمان سے نزول سے پہلے موت ثابت نہیں ہوتی۔ اوّل قولِ مشہور، دوسرا بعض مفسرین کا، اور تیسرا حضرت ابنِ عباسؓ کی طرف منسوب قول ہے ہے۔

قولِ مشہور: تو یہ ہے کہ ''تـوفـی'' اپنے وضع معنی پر ہے، اور وہ ''پورے طور پر قبضے میں لینا ہے، اور ''متـوفـی'' سے مراد پورے طور پر قبضے میں لینے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے عیسیٰ! میں تمہیں پورے طور پر قبضے میں لینے والا ہوں''، پھر آگے قرآن کا ارشاد ہے: ''اور تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''تـوفـی'' کے باب میں وہی ہوا جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتمامہ (روح وجسم سمیت) اپنے قبضے میں لے لیا، اور ان کا اپنی طرف رفع فرمالیا، اور انہیں کافروں سے پاک کردیا، انہیں ایسی جگہ پہنچادیا کہ ان کے دشمنوں کی جہاں تک پہنچ نہ تھی۔ اس طرح قرآنی نص کو اپنے ظاہری معنی پر رکھا گیا ہے، چونکہ اس ''تـوفـی'' سے مراد تو آخرکار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع ہے، لہٰذا علمائے تفسیر اسے ''توفیٔ رفع'' کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں لینے سے غرض ان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھانا ہے۔ گویا ''تـوفـی'' قبضے میں لے لینا، ایک جنس ہے، جس کی کئی انواع ہیں، اور ایک نوع متوفیٰ کا ''رفع'' ہے، اللہ تعالیٰ کا پورے طور پر رُوح وجسم سمیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر لے جانا، اور انہیں ان کے دشمنوں کی پہنچ سے محفوظ فرمالینا، تو یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''تـوفـی'' سے مراد ان کا مذکورہ طور پر ''رفع'' ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''تـوفـی'' کو ان کے رفعِ سماوی پر محمول کرنا، یا اس سے کنایہ بنانا یہ مفسرین کا قولِ مشہور ہے، جس سے نہ ان کی وفات

ثابت ہے، نہ وفات کا ذِکر ہے۔

دُوسرا قول: ''توفی'' سے مراد ''نیند دینا''، اور ''متوفِی'' کا معنی ''منیم'' نیند دینے والا ہونا، جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحالتِ نیند اُٹھا لیا، تو پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا'' (آل عمران:۵۵) کے معنی یہ ہوں گے کہ: ''اے عیسیٰ! میں تمہیں نیند دینے والا ہوں، اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں، اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔'' تو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' کو ''رفع'' پر حمل کیا جائے، تو ان کی موت ثابت نہیں ہوگی۔ نہ اس کا ذکر ہوا، اسی طرح ان کی ''توفی'' کو نیند دینے پر حمل کرنے سے بھی موت ثابت نہ ہوگی، نہ اس کا ذِکر آیا۔

جیسا کہ ابن کثیرؒ اور رازیؒ وغیرہ نے یہ مذکورہ معنی لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے بحالتِ نیند ان کا رفع فرمایا کہ انہیں کوئی خوف، اضطراب لاحق نہ ہو۔ بہرحال اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' کو نیند پر حمل کیا جائے، تو تب بھی ان کی موت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ سونے والا مردہ نہیں ہوتا۔ اور اگر ان کی ''توفی'' کو آسمان سے نازل ہونے کے بعد موت دینے پر حمل کی جائے، تو پھر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت تا حال واقع نہیں ہوئی، جیسا کہ آئندہ تفصیل میں ہے۔

تیسرا قول: ''توفی'' موت سے کنایہ ہو، اور ''مُتَوَفِّیْكَ'' سے مراد ''ممیتك'' ''موت دینے والا'' ہے، مگر اس میں ''موت'' کا وقت مذکور نہیں ہے، لہٰذا جب یہ قول کہ ''مُتوفی'' کا معنی ''مُمیت'' موت دینے والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی طرف منقول ہے، تو اس کا وقت بھی انہوں نے ذکر فرمایا ہے، اور وہ یوں ہے۔ ''تجھے آسمان سے نازل کرنے کے بعد''، یعنی تمھاری اجل کے وقت، جب تیری عمر تمام ہوگی، تو میں تجھے وفات دینے والا ہوں، مگر

اب اس وقت اٹھانے والا ہوں، اس تفسیر سے کلام میں تقدیم وتاخیر لازم آتی ہے، کہ جو پہلے مذکور ہوا، وہ واقع میں پیچھے ہے، اور بعد میں مذکور ہوا، وہ واقع میں پہلے اور مقدّم ہے، اس تفسیر سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے ان کی وفات ثابت نہیں ہوتی۔ اور معنی اس طرح ہے کہ ''اے عیسیٰ! میں تمہیں اب تو اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں، اور کافروں سے پاک کرنے والا ہوں، اور تمہیں آسمان سے اُتارنے کے بعد آخری زمانے میں (خود) موت دینے والا ہوں، یعنی اب اس وقت تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں تمہاری موت واقع نہیں، ہوگی۔

''معالم التنزیل'' میں ہے:

”عن الضحاک عن ابن عباسؓ إن فی الآیة تقدیمًا وتأخیرًا، معناہ إني رافعک إليّ، ومطھرک من الذین کفروا، ومتوفیک بعد إنزالک من السماء۔“

ترجمہ:- ''حضرت ضحاک سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ آیت میں تقدیم وتاخیر ہے، اور معنی یہ ہیں، کہ میں تمہیں ابھی تو اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں، اور کافروں سے پاک کرنے والا ہوں، اور آسمان سے تمہیں اُتارنے کے بعد موت دینے والا ہوں۔''

اور ''درّ منثور'' میں ہے: ''ثم متوفيك في آخر الزمان'' پھر تمہیں آخری زمانہ میں وفات دینے والا ہوں۔

یہ واضح ہے کہ

اگر ''متوفي'' سے مراد ''مُمِیت'' موت دینے والا ہو، تو لفظِ اسم فاعل ممیت کے لئے اس کے وقت کا تعین ضروری ہے؟ کیونکہ ''متوفّي'' کے کلمے میں تو اس کے وقت کا ذِکر نہیں،

صرف صفت کا بیان ہوتا ہے، کسی کے دینے والا ہونے کا یہ معنی کہاں سے نکلا کہ اس نے وہ چیز دے دی۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد دینے والا ہے، تو کیا اللہ کے اولاد دینے کی صفت سے موصوف ہونے سے تمہیں اولاد کا ملنا بھی ثابت ہوگیا، ایسا ہرگز نہیں؟

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نجات دینے والا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے موصوف ہونے سے تمہیں نجات بھی مل گئی؟

اللہ تعالیٰ تجھے مارنے والا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے اس وصف سے تمہیں موت بھی آ گئی؟

کیونکہ یہ ضابطہ مُسلَّم ہے کہ کسی ذات کے صاحبِ وصف ہونے سے اس فعل کا صادر ہونا لازم نہیں ہوتا۔

اہلِ ایمان کے عقائد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے خالق، رازق، محیی و ممیت ہیں، وہ ان صفات سے ازل سے موصوف ہیں، جب کہ کسی مخلوق کی پیدائش، کسی مرزوق کا وجود، کسی ذِی رُوح کا وجود اس کی حیات، کسی مرنے والی کی موت وجود میں نہ آئی تھی۔ اس لئے حضرت ابنِ عباسؓ کی طرف یہ تصریح بھی منقول ہے، کہ تمہیں آسمان سے اُتارنے کے بعد آخری زمانے میں موت دینے والا ہوں، اس میں بھی موت نہ واقع ہونے کی خبر ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دے دی کہ تمہاری موت اس وقت دشمنوں کے ہاتھوں واقع ہونے والی نہیں ہے۔

لہٰذا قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''مُتَوَفِّيْكَ'' بمعنی ''مميتك'' کہہ کر خطاب فرمایا، تو اپنی صفت ''ممیت'' کو بیان کرنے سے مقصودِ ربانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ تسلی دینا تھا، کہ تمہارے یہ دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، تمہیں موت دینے والا میں خود ہوں، مگر اجل کے وقت، آسمان سے نازل کرنے کے بعد آخری زمانہ میں، رہا اب تو

تمہیں اس وقت زندہ آسمان پر اٹھانے والا، تمہیں ان کفار سے پاک کرنے والا، (کہ انہیں تم تک رسائی حاصل نہ ہوسکے)، پھر میں تمہیں آسمان سے اتارنے کے بعد آخری زمانہ میں موت دینے والا ہوں، اب اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں تقدیم وتاخیر نہیں کررہے، نہ قرآن کریم کے الفاظ میں، بلکہ اوّلاً: ''اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ'' فرما کر اس حادثے کے وقت دشمنوں سے نجات، اور حیات اور موت کے واقع نہ ہونے کی خبر ہے، ساتھ ہی اسی وقت رفع کی خبر ہے، اور کفار سے تطہیر کی بشارت ہے، اس میں قرآنی بلاغت وترتیب میں ہرگز فرق نہیں، جو تفسیر بھی اختیار کریں صحیح اور بلاغت کے اعلیٰ درجے پر ہے۔ ہاں اس سے مرزا صاحب کی مسیحیت ثابت نہیں ہورہی ہے، مگر جو راہ قادیانیت نے اختیار کی، اس سے اُمتِ مسلمہ کے عقیدے میں تشکیک اور ''توفی'' کے مفہوم میں خلط کرنے کی کوشش ہے، جبکہ نصوصِ شریعت کی رُو سے اس بات کا قرآنی وقطعی ثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تاحال زندہ ہیں، یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' کا اسلامی مفہوم ہے، جو اسلام کے عہدِ اوّل سے تاحال اُمتِ مسلمہ میں مسلسل طور پر ثابت ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن نے کہیں یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت دے دی ہے، نہ سنت نے ایسا کہا ہے۔

اُمتِ مسلمہ کے ہاں ''توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام'' ماحصل

اہلِ اسلام کے ہاں توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام کا ماحصل یہ ہے کہ:

اوّلاً: ''توفی'' کو اس کے اصل معنی پر حمل کیا جائے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا انہیں بتمامہ روح وجسم سمیت زندہ اپنے قبضے میں لے لینا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں بحالتِ حیات آسمان پر اُٹھالینا ہے، اور انہیں ایسی جگہ لے جانا ہے کہ دشمنوں کی دسترس سے انہیں پاک کردیا جائے،

اسے ہی اہلِ تفسیر ''توفیٔ رفع'' سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ انواعِ توفی میں ہم نے اسے بیان کیا ہے۔

ثانیاً:- ''توفی'' سے مراد انہیں نیند دینا، اور بحالتِ نیند آسمان کی طرف اُٹھالینا، کہ انہیں راستے کا خوفِ بشری لاحق نہ ہو، اور انہیں دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک کرنا ہے۔

ثالثاً:- انہیں آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہونے کے بعد اجل آنے پر موت دینا ہے۔

ملحوظہ:- امام رازیؒ کا قول یہ ہے کہ ''مُتَوَفِّيْكَ'' کا معنی ہے: ''تیری عمر پوری کرنے والا ہوں، پھر تجھے وفات دوں گا، میں تجھے ان کے لئے نہیں چھوڑوں گا، کہ وہ تجھے حاصل کرسکیں، بلکہ میں تجھے آسمان کی طرف اُٹھاؤں گا، جو ملائکہ کا ٹھکانا ہے، یہی حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر ماحصل ہے۔

''توفی'' میں اہلِ تفسیر کے جملہ اقوال کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور تاحال موت کے واقع نہ ہونے کا ثبوت ہے اور اسی پر سب اہلِ تفسیر کا اجماع ہے

لہٰذا مسلمان اہلِ علم کا شرعی واجب ہے کہ وہ انسانیت کو توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مفہوم سمجھائیں، اور لفظ ''متوفی'' جو اللہ کی صفت ہے، اسے سکھلائیں، اور اس کا یہی مفہوم و معنی یاد کرائیں کیونکہ لفظ ''متوفی'' قرآنی کلمہ ہے، جو اللہ کی صفت ہونے کے ساتھ ساتھ چھ قرآنی حروف بھی ہیں جس میں ساٹھ نیکیاں بھی ملیں گی اور قادیانی دجل کا آسمان توڑ بھی ہوجائے گا۔

''توفی'' اور قرآنی اُسلوبِ بیان

اب ہم قرآنِ کریم میں عام بشریت کی عمومی ''توفی'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصی ''توفی'' بحیثیت ان کا خاصہ، پھر غیر ذِی رُوح کی توفی کے متعلق مفصل بیان کرتے

ہیں، تاکہ اُمتِ مسلمہ کا ’’تــوفــی‘‘ کے بارے میں عقیدے کا حق ہونا، اور قادیانیت کا بطلان واضح ہوجائے۔

قرآنِ کریم میں ’’توفی‘‘ کا مقابل

قرآنِ کریم میں مذکور ’’تــوفــی‘‘ کا مدلول متعین کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اُمور کا ذہن نشیں کرلینا ضروری ہے:

۱- قرآنِ حکیم میں کہیں بھی ’’توفی‘‘ کا مقابل ’’حیات‘‘ نہیں، بلکہ حیات اور موت ہر دو باہم مقابل واقع ہوئے ہیں۔

سورۂ ملک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا‘‘

(الملک:۳)

’’اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے موت وحیات کو پیدا فرمایا.....‘‘

۲- قرآن وسنت اور لغت میں ’’محی‘‘ (حیات دینے والا) کا مقابل ’’ممیت‘‘ (موت دینے والا) ہے ’’متوفی‘‘ نہیں۔

سورۂ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝۴۴‘‘ (النجم)

’’یقیناً وہی ہے جس نے مارا اور زندہ کیا۔‘‘

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ: ’’أنه هو وفّى‘‘ وہ جس نے ’’وفات‘‘ دی۔

۳- ’’حی‘‘ (زندہ) کا مقابل ’’میّت‘‘ (مردہ) ہے ’’متوفی‘‘ نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ''

(الروم:۱۹)

''وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا فرماتا ہے۔''

یہ نہیں فرمایا: ''یخرج الحی من المتوفَی، ویخرج المتوفَی من الحیّ ''۔ ''وہ متوفی سے زندہ، اور زندہ سے متوفی نکالتا ہے''، بلکہ ''حیّ ''زندہ اور ''میّت ''مردہ ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوئے ہیں، حیّ اور متوفی نہیں۔

۴- ہمیشہ ان دو آیتوں کو بھی ذہن نشیں رکھا جائے، جن میں توفی عیسیٰ علیہ السلام کا ذِکر ہے، ان میں سے پہلی آیت ہے: ''یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ'' (آل عمران:۵۵) اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے ''متوفِی'' ''توفی'' سے اسم فاعل آیا ہے۔ اور دوسری آیت ہے: ''فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡهِمۡ ؕ'' (المائدۃ:۱۱۷) اس میں ''توفی'' سے فعل ماضی ''توفیت'' آیا ہے، ان دونوں پر مفصل گفتگو بھی ہم کرتے ہیں۔

۵- وہ آیات جن میں عمومی ''توفی'' کا ذکر ہے، اور ان میں ''توفی'' کی دو نوع: ۱- إماتہ: موت دینا۔ ۲- إنامہ: سلانا، کا ذِکر ہے، ہم اوّلاً ان تمام آیات کا مفصل بیان مع چارٹ کے پیش کریں گے، پھر ''توفی'' کی تیسری قسم جو خاصۂ عیسیٰ علیہ السلام ہے ان پر مفصل گفتگو کریں گے۔

قرآنِ حکیم کا عام بشریت کی عمومی ''توفی'' کی دونوں نوع کا اُسلوبِ بیان

قرآنِ حکیم میں سورۂ ''زُمر'' میں حق تعالیٰ شانہ توفی برائے ارواح بنی آدم کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا ج
فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط''
(الزمر:۴۲)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ پورے طور پر قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت (یہ موت کے وقت توفی ارواح ہے)، اور جو ابھی نہیں مریں ان کو ان کی نیند میں قبض کرتا ہے (یہ نیند میں ارواح کی توفی ہے)، پھر روک لیتا انہیں جن کی موت کا فیصلہ کرلے، اور چھوڑ دیتا ہے دوسری کو ایک مقررہ مدت تک۔''

اس ایک ہی آیت میں ''توفیٔ ارواح بنی آدم'' یعنی انھیں پورے طور پر قبضے میں لینے کی دونوں قسموں کا بیان ہوا ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ کا بنی آدم کی ارواح کو پورے طور پر قبضے میں لے لینا، پھر انہیں روک لینا۔ اس توفی کا زمانہ اصحابِ ارواح کی اجل کا وقت ہے۔ لہٰذا یہ ''تـوفـی'' ان کو موت دینے سے کنایہ ہے، یہ ''تـوفـی'' کی ایک نوع ہے، جس میں متوفِی تو مُمیت موت دینے والا ہوتا ہے اور متوفّٰی میت مرنا ہے جسے ''توفیٔ اِماتہ'' کہتے ہیں۔

۲- اللہ تعالیٰ کا بنی آدم کی ارواح کو پورے طور پر قبضے میں لے لینا، پھر انہیں چھوڑ دینا، اس ''تـوفـی'' کا زمانہ اصحابِ ارواح کی نیند کا وقت ہے۔ لہٰذا یہ ''تـوفـی'' انہیں نیند دینے سے کنایہ ہے، اس حالت میں ''متـوفِی'' سلانے والا، اور ''متـوفّٰی'' سونے والا ہوتا ہے، مردہ نہیں، خود اسی آیت میں ان کی موت کی نفی کا بھی بیان ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا ج'' یہ ارواح مردہ نہیں، بحالتِ نیند ہیں، لہٰذا ان کی ''تـوفـی'' موت کے قائم مقام نہیں، بلکہ ''توفی'' کی مستقل ایک نوع ہے، جسے ''توفیٔ اِنامہ'' کہتے ہیں۔

''توفی ''اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

''توفی '' کے اجل کے وقت موت سے کنایہ ہونے، اور نیند کے وقت سلا دینے سے کنایہ ہونے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تمام بنی نوع بشر کے ساتھ ہیں، اس لئے ان کی ''توفی ''۔ان کے ''رفع'' کے وقت موت نہیں ''توفیٔ رفع'' ہے۔ البتہ آسمان سے، نزول کے بعد اجل آنے پر ان کی توفی ''توفیٔ موت'' ہوگی۔ اسی طرح نیند کے وقت ''توفیٔ نوم'' ہوگی۔ اجل اور نیند کی قید سے وہ عمومی بشر کی ''توفی ''میں ان کے ساتھ ہیں،

یہ بھی یاد رہے کہ توفی کی ہر دو مذکورہ حالتوں میں توفی اللہ کا فعل ہے۔ وہ ''متوفِی ''ہے، اور متوفی انسانی ارواح ہیں۔ یعنی قابض اللہ تعالیٰ اور مقبوض ارواحِ بنی آدم ہیں۔ اور اہم نکتہ یہ بھی یاد رہے کہ ارواح تو مرتی ہی نہیں البتہ ان کے موت کے وقت ان کی توفی (قبضے میں لے لینے) اور ان ارواح کا روک لینا اصحاب ارواح کی موت ہے۔ اور نیند میں توفیٔ ارواح (انہیں قبضے میں لے لینا) اسکے بعد انہیں چھوڑ دینا، یہ اصحاب ارواح کی نیند ہے، انہیں مارنا نہیں ہے۔

حاصلِ کلام

''توفی'' کی ان دونوع کے قرآنی بیان سے یہ ثابت ہوا، کہ عمر پوری ہو جانے، اور اجل کے آجانے پر جو ''توفی'' ہے، وہ اور ہے، اور جب عمر باقی ہو، اجل کا وقت نہ آیا ہو، یا بندہ نیند میں ہو تو یہ توفی اور ہے اس ''توفی'' کو موت دینے کا معنی پہنانا غلط ہے۔

پہلی صورت میں ''توفی'' یا قبض ارواح، اصحاب ارواح کا ''إماتہ''یعنی مارنا ہے۔ انہیں موت دینا ہے، قابض یا ''متوفی'' اللہ تعالیٰ ہے، جو ارواح کو روک لیتا ہے، اور اصحابِ

ارواح کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

دوسری صورت میں ''توفی ''یا قبض ارواح، اصحاب ارواح کا انامہ یعنی ان کا سلانا اور انہیں نیند دینا ہے۔ مارنا نہیں یہی توفی لم تَمُت ہے ہر دو جگہ توفی موت دینا نہیں ہے۔ کیونکہ قابض یا متوفی اللہ تعالیٰ ہے، جو ان ارواح کو چھوڑ دیتا ہے، اور ان کی موت واقع نہیں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک صورت میں قبض وتوفی کے بعد ارواح کو روک لیتا ہے تو موت واقع ہوگئی، ''قَضٰی عَلَیۡھَاالۡمَوۡتَ'' کا یہی معنی ہے۔

دوسری صورت میں ارواح کو چھوڑ دیتا ہے تو موت واقع نہیں ہوتی۔ ''لَمۡ تَمُتۡ'' کا یہی معنی ہے۔

قرآنی توفی کی وہ دوصورتیں جو عام بشریت پر واقع ہوتی رہتی ہیں، اجل پر موت دینا وقت نوم پر سلا دینا (آسمانی نزول کے بعد اَجل کی قید کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی توفی موت واقع ہوگی)

۱-''توفی''اللہ تعالیٰ کا فعل ہو۔وہ''متوفِی''ہو،اور''متوفَی''انسان ہو۔وقتِ ''توفی''اجل ہو،اس حال میں''توفی''''إماتہ''کے معنی میں ہوگی،اور''متوفِی''بمعنی ''ممیت''(موت دینے والا)ہوتا ہے،اور''متوفَی''(میت)ہوتا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اجل کے وقت کی''توفی''اسی معنی میں ہے،یہی ان حضرات کے قول سے مراد ہے، جنہوں نے''متوفیك''کو آسمان سے نزول کے بعد کی قید سے مقیّد کرنے کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اجل کے وقت''متوفیك''کو''ممیتك''پر محمول کیا ہے۔اور''توفی''کو موت دینے پر۔اجل سے پہلے حمل کرنا ہرگز درست نہیں کیونکہ کسی کی بھی وہ''توفی''اسے موت

دینے کے معنی میں نہیں ہوتی، چاہے فاعل اللہ تعالیٰ ہو، اور مفعول ''ذی روح'' انسان۔ جیسے کہ ''سونے والے کی توفی'' نیند کے وقت توفی موت نہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' ''رفع'' کے وقت توفی موت نہیں کہ اس کے لئے اجل کے وقت موت شرط ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ نیند دینا، اور موت دینا دونوں کا فاعل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوتے ہیں۔ جبکہ توفی کا فاعل غیراللہ بھی ہوتا ہے

۲- ''توفی'' اللہ کا فعل ہو۔ وہی ''متوفِی'' ہو، اور ''متوفَی'' انسان ہو۔ وقتِ ''توفی'' نیند ہو، اجل نہ ہو، تو ''متوفِی'' نیند دینے والا ہوگا۔ مارنے والا نہیں۔ اور ''متوفَی'' سونے والا ہوگا۔ مردہ نہیں۔ یاد رہے کہ ''موت دینا'' اور ''نیند دینا'' ہر دو ''توفیاں'' صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔

قرآنی ''توفی'' کی مخصوص صورت جو بنی آدم میں صرف ایک انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاصہ ہے، اور وہ ان کی اجل سے پہلے ان کے حادثۂ رفع کے وقت حاصل بھی ہو چکی ہے

۳- ''توفی'' اللہ تعالیٰ کا فعل ہو۔ وہی ''متوفِی'' ہو، اور ''متوفَی'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں، ان کی اجل کا وقت نہیں ہوا، وہ دشمنوں کے نرغے میں ہوں، جو ان کے ''قتل'' و ''صلب'' چاہتے ہوں، تو اس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتمامہ اپنے قبضے میں لے لیں، اور ان کا اپنی طرف ''رفع'' فرمالیں، اور انہیں آسمان پر ایسی جگہ لے جائیں جہاں ان کے دشمنوں کی پہنچ نہ ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ''توفی'' یقیناً ان کی موت نہیں، رفع ہے۔ جسے مفسرین نے ''توفیٔ رفع'' سے تعبیر کیا ہے، اور یہ ''توفی'' تمام بنی آدم میں صرف انہیں کا خاصہ ہے۔

''تـوفی'' کی اس قسم کا ذِکر قرآنِ کریم کی صرف دو آیتوں میں ہوا، ایک میں بطورِ خبرِ ربانی، دوسری میں اسی ''توفی'' کا بیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''تـوفـی'' بمعنیٰ ''إمـاتـہ'' جوتا حال واقع نہیں ہوئی، وہ کب ہوگی؟

''تـوفی'' اللہ تعالیٰ کا فعل ہو، وہی ''متـوفـی'' ہو، متوفی عیسیٰ علیہ السلام ہوں، وقوعِ توفی کا وقت ان کے آسمان سے نزول کے بعد ہو۔ جب کہ ان کی اجل آجائے، یہ ''تــوفـــی'' موت تاحال واقع نہیں ہوئی، اس وقت ہوگی، جب وہ اپنی عمر کے ماہ وسال پورے کرلیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تـوفی (إمـاتـہ) ہے، جو انہیں موت دینے کے معنی میں ہوگی، یہی قرآن وسنت سے ثابت ہے، اور یہی ابنِ عباس کی تفسیر کا معنی ہے۔

''توفی'' غیر ذِی رُوح لغت اور قرآن میں

قرآن اور لغت میں غیر ذِی رُوح کی ''توفی'' کا بھی ذکر ہے، تو اس کی ''توفی'' سے مراد ''متوفیٰ'' کو پورے طور پر قبضے میں لے لینا ہے۔ اور ایسا وصول کرلینا ہے، کہ اس میں سے کچھ باقی نہ رہے، اسے ہی ''استیفاء'' کہتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن میں ہے: ''وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ'' (آل عمران:۱۸۵) ''تم کو تمہارے اجر وثواب پورے پورے دیئے جائیں گے۔'' یا لغتِ عرب میں کہا جاتا ہے: ''تـوفـیـت الثـمـن''۔ ''میں نے پوری پوری قیمت وصول کرلی''۔ اس صورتِ حال میں ''تـوفـی'' میں موت پانے یا ''متـوفِـی'' میں موت دینے والا ہونے، یا ''متـوفَی'' میں وفات شدہ ہونے یا موت یا نیند کا تصوّر تک نہیں ہوسکتا، نہ ''تـوفـی'' مارنے اور سلانے کے معنی میں ہوتی ہے، نہ ''متــوفــیٰ'' میّت یا نائم ہوتا ہے، نہ ''متــوفِـی'' مارنے، یا سلانے والا ہوتا ہے، بلکہ وہ صرف ''متـوفَی'' کو پورے طور پر قبضے میں لے لینے والا ہوتا ہے کہ

اس میں سے کچھ باقی نہ رہے، اسے ''توفیٔ استیفاء'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

قرآن اور لغت میں استعمال میں ''توفی'' کی صورتیں

اب تک ہم نے لغت اور قرآنی ''توفی'' کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں، پہلی دوانواع:

۱- ''توفیٔ اِماتۂ'': عام بنی آدم کی ''توفی'' بوقتِ اجل، (جو مخصوص فرد کا خاصہ نہیں)۔

۲- ''توفیٔ اِنامۂ'': عام بنی آدم کی ''توفی'' بحالتِ نیند، (جو مخصوص فرد کا خاصہ نہیں)۔

یہ دونوں عام بنی نوعِ بشر پر شب وروز واقع ہوتی رہتی ہیں۔

۳- ''توفیٔ رفع وتطہیر'': یہ بنی آدم کے ایک فرد (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا خاصہ ہے، یہ ''توفی'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور تطہیر کے ساتھ ذِکر ہوئی، جہاں پر ان کی نینداور موت کا ذِکر بالکل نہیں، حضرت عیسیٰ کی یہ توفی اس وقت واقع ہوچکی جب ان کے دشمنوں نے ان کے قتل وصلب کا ارادہ کیا۔

۴- یہ ''توفی'' بمعنیٰ ''اِماته'' برائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے آسمان سے نازل ہونے کے بعد واقع ہوگی۔

۵- یہ ''توفی'' غیر ذِی ارواح پر واقع ہوتی ہے، اور متوفِی (قبضے میں لینے والا) متوفَی کو پورے طور پر اپنے قبضے میں لے لیتا ہے، کہ اس میں سے کچھ باقی نہ رہے، یہاں پر نہ موت کا تصور ہوتا ہے، نہ نیند کا، نہ رفع کا۔ یہ ''توفی'' غیر ذی روح کی ''توفی'' ہے۔ جسے ''توفیٔ استیفاء'' کہتے ہیں۔

ملحوظہ برائے لفظِ ''توفی''

''توفی'' کی کوئی بھی نوع ہو، اس میں اس کا مفہوم لغوی یا مدلول جنسی یعنی ''بتمامہ قبضہ'' ضرور ہوتا ہے۔ مگر اس کی ہر نوع موقع کے مطابق متعین ہوگی، ہر جگہ ایک ہی نوع نہیں ہوگی، لہٰذا

ہرجگہ'' تـوفـی '' موت دینے کے معنی میں نہیں ہوتی، نہ نیند دینے کے معنی میں ہوتی ہے، ہاں! اگر موت کا قرینہ ہو، تو موت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے، یعنی'' متــوفـــیٰ '' کا بتمامہ قبضہ ہو، اور جو '' متوفِی '' ہے اس کی وفات اور موت ہو، اور گر نیند کا قرینہ ہو، تو نیند کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے، کہ '' متوفِی '' کا بتمامہ قبضہ ہو، اور'' متوفَی '' کی نیند ہو، مگر موت یا نیند کا قرینہ نہ ہو، تو وہاں ہرگز ہرگز'' تــوفـــی '' سے مراد موت، یا نیند نہیں ہوسکتا محض پورا پورا قبضہ ہوگا۔ جیسے'' توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام'' میں بتمامہ قبضہ ذی روح ہے، اور توفیٔ قیمت، یا توفی میں بتمامہ قبضہ غیر ذی روح کا کہ اس کا کوئی حصہ قبضہ سے خارج، یا باقی نہیں رہ جاتا۔ ہاں! اگر'' رفع '' اور'' تطہیر '' تـوفـی کے ساتھ ہو، تو یہ'' توفیٔ رفع '' ہوگی، جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی'' توفی ''۔

توفی کے معنی میں خلط وتشویش

اب'' تـوفـی '' کے وضعی معنی اور مجازی استعمال کے واضح ہوجانے کے بعد اگر کوئی شخص '' توفی '' کے لغت ووضع میں اس کے اصل معنی کو چھوڑ کر اس سے موت مراد لینے پر اصرار کرے، یا اسے نیند کے ساتھ خاص کرے، تو یقیناً اس کے ماوراء اس کے کچھ اہداف ضرور ہیں۔ کیونکہ یہ بات لغت اور قرآنی استعمال اور بیانِ شریعت کے خلاف امر ہے، جو حق کو باطل کے ساتھ خلط کرنے کی کوشش ہے، یہی دجل کہلاتا ہے، اور اُمت کے اندر انتشار وتشکیک کا باعث ہوتا ہے، یہی اُمت میں تفریق ہے۔

'' تــوفــی '' کے تمام مشتقات میں اس کے اصل معنی'' بتمامہ قبضے میں لے لینا '' ضرور موجود ہوں گے، چاہے وہ ارواح کا قبضہ اجل کے وقت ہو، یا ارواح کا قبضہ، نیند کے وقت ہو، چاہے وہ اجل سے پہلے دشمنوں کے نرغے کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے قبضے میں لے لینا ہو، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اجل کے وقت ان کی عمر مکمل ہونے پر قبضے میں لینا ہو، یا پھر دنیا

میں قیمت کو قبضے میں لینا ہو، یا آخرت میں اجر وثواب کو بتمامہ قبض کرنا ہو، لغت اور قرآنِ کریم نے ان حقائق کو خوب صراحت سے بیان کیا ہے۔

توفی میں قادیانی خلط سے ان کے اہداف

''توفی'' کے بارے مذکور تمام لغوی اور قرآنی صراحتوں کو چھوڑ کر قادیانیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' کو ان کی موت پر حمل کرنا، اور ان کے ''رفع'' کو ان کی عزت کے ساتھ موت پر حمل کرنا، جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا ہے

(ازالہ اوہام، حصہ دوم ص:۵۹۹، طبع جدید ص: ۴۲۳، ملحق روحانی خزائن ج: ۳ ص: ۴۲۳۔)

یہ لغت اور قرآنِ کریم کے اُسلوبِ بیان نیز شرعی نقل سبھی کے خلاف ہے۔ جس سے قادیانیت کی غرض مرزا غلام احمد کی مسیحیت کو ثابت کرنے کی ناکام سعی ہے۔

قادیانیت نے ''توفی'' کا اصل معنی بالکل ترک کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی اجل آنے سے قبل موت دینے کا فیصلہ کرلیا، تاکہ مرزا کی مسیحیت کے لئے راہ نکال سکے۔

اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ''توفی'' قادیانی تو ہوسکتی ہے مگر لغوی اور قرآنی توفی ہرگز نہیں ہوسکتی۔

''توفی'' اور اس کے مشتقات ''موت'' اور اس کے مشتقات کی لغت اور قرآنی استعمال کی روشنی میں مزید افصاح کی خاطر مندرجہ ذیل نقاط میں تأمل نہایت مفید ہوگا

۱- ''توفی'' کا فعل ہونا اور وقتِ موت کا اس کے لئے ظرف ہونا۔

یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ توفی اور موت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

۲- ''توفی'' کا فعل ہونا، اور وقت موت کا ظرف ہونا۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ''تـوفـی ''عینِ اماتہ (موت دینا) نہیں، کہ ''تـوفـی ''اور ''إمـاتـہ'' یا ہم مرادف ہوں کہ، یہ دونوں مغایر امر ہیں۔اسی طرح ''متـوفِی ''اور ''مـمیت'' مرادف نہیں، دو الگ الگ امر ہیں۔لہٰذا لفظِ ''متوفی ''ہر موقع پر ''ممیت ''(موت دینے والا) نہیں ہوتا، اجل کی قید ہو تو موت دینے والا سے کنایہ ہوگا۔

۳-''توفی ''کا فعل ہونا اور منام (وقت نوم) کا اس کے لئے ظرف ہونا۔

اس امر کی دلیل ہے کہ توفی عین انامہ (سلانا) نہیں۔لہٰذا ''توفی ''اور ''إنامہ '' میں ترادف نہیں۔لہٰذا ہر موقع پر ''متوفی ''(توفی دینے والا) منیم (سلانے والا) نہیں ہوتا صرف ''منام '' کی قید ہو تو ''منیم ''نیند دینے والے سے کنایہ ہوگا۔

۴-''توفی ''اور متوفی کے مادہ اشتقاق ''وفی '' کا تقاضا ہے کہ ہر جگہ توفی میں پورا پورا لینا، قبضے میں لینا کے معنیٰ ضرور ہوں۔جبکہ ''توفی ''میں ''إماتہ ''اور ''إنامہ '' کا ہر جگہ پایا جانا ضروری نہیں ہے۔اسی طرح ''متوفِی '' کا ہر جگہ ''مـمیت '' یا ''منیم '' ہونا بھی ضروری نہیں، ہاں مکمل طور پر قابض ہونا ضروری ہے۔

۵-فعل ''توفی '' سے اسم فاعل ''متوفِی '' پورا پورا لینے والا یا قابض ہے، متوفِی اللہ تعالیٰ بھی ہوتا ہے غیر اللہ بھی ہوسکتا ہے۔مگر ''مـمیـت '' یا ''مـنیـم '' صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، غیر اللہ ہرگز ''ممیت '' یا ''منیم '' نہیں ہوسکتا۔

۶-فعل ''توفی '' سے اسم مفعول متوفَی پورا پورا وصول شدہ یا مقبوض ہے۔وہ کبھی ذِی رُوح ہوتا ہے اور کبھی غیر ذِی رُوح، جس پر موت کے وقوع کا تصور بھی نہیں ہوتا۔پھر ذِی رُوح کبھی میّت ہوتا ہے، جبکہ وقتِ اجل ہو، اور کبھی نیند کی حالت میں ہوتا ہے، جب وقت نیند ہو وقتِ اجل نہ ہو۔اور کبھی متـوفَـی نہ میّت ہوتا اور نہ نائم ہوتا ہے، بلکہ اس کا ''رفع'' ہوگا، یہ صرف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاصہ ہے، کہ ان کی ''تــوفــی '' کی گئی ہے۔ اور انہیں ان کے جسم اور رُوح سمیت اُٹھالیا گیا، اور انہیں ان کے دشمنوں کی دسترس سے دُور مقام پر بھیج دیا گیا، اسے ہی اہلِ تفسیر ''توفی رفع'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

۷-توفی ، إماتة، اور إنامة، یہ عربی کلمات ہیں۔

ان تینوں کے مشتقات الگ الگ ہیں اور مدلولات بھی باہم مغایر ہیں ہر ایک کا الگ معنی اور مفہوم ہے۔

''توفی '' کا اشتقاق ''وفی '' سے ہے۔ ''توفی ''تو توفی ہی ہے، اس کا معنی ''قبضے میں لے لینا'' ''توفی '' ہرگز ہرگز ''موت دینا'' یا ''نیند دینا'' نہیں۔

''إماتة '' کا اشتقاق موت سے ہے۔ اماتہ، موت دینا ہے، نیند دینا نہیں ہے۔

''إنامة '' کا اشتقاق نوم ہے، انامۃ نیند دینا ہے، موت دینا نہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جب:

''توفی '' پورا پورا قبضے میں لے لینا ہے،

''إماتة '' موت دینا ہے،

''إنامة '' نیند دینا ہے،

تو ''توفی '' اور ''إماته '' نہ مرادف ہیں نہ مشترک ہیں۔

توفی اور اور انامۃ بھی نہ مرادف ہیں نہ مشترک ہیں۔

۸-''توفی '' بتمامہ قبضے میں لے لینا ہے۔

مگر جب یہ ذی روح کی اجل کے وقت ہو تو اس کے بعد متوفی موت ہی ہوتی ہے، لہٰذا موت کے قرینہ کے ساتھ توفی موت دینے سے کنایہ ہے۔

’’تـوفی ‘‘ بتمامہ وصول کرنا، قبضے میں لینا ہے مگر جب نیند کا قرینہ ہوتو وہ سلانے سے کنایہ ہے۔

کلمۂ ’’توفی ‘‘ موت اور نیند کے قرینے کے بغیر ہرگز ہرگز نہ موت دینے کے لئے ہے نہ نیند کے لئے ہے۔ بلکہ صرف اور صرف اپنے اصل معنیٰ ’’بتمامہ قبضے میں لینا‘‘ ہے۔

۹- ’’تـوفی ‘‘ کو عین ’’إمـاتـه ‘‘ (موت دینا) قرار دینا۔ یا عین ’’إنـامـه ‘‘ سلانا قرار دینا پھر نیند کو موت بنانا۔ یہ لغت سے کھلا اِنحراف اور قرآنی استعمال میں خلط ہے، جو قادیانی تحریف ہے۔

توفی اور قادیانی تحریف وتشویش اور اس کا اِزالہ

مرزا غلام احمد قادیانی کا زعم یہ ہے کہ ’’تـوفیٰ إماته ‘‘ موت دینے کا مرادف ہے۔ لہٰذا آیت قرآنی: ’’اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا‘‘ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو ان کی موت کے وقت مارتا ہے اور نیند کے وقت بھی۔ چونکہ نیند بھی موت ہی کی ایک قسم ہے تو اس پر بھی توفی کا اطلاق کیا گیا ہے۔

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ’’متـــوفیك ‘‘ کا صیغہ استعمال کیا ہے تو اس کے معنیٰ ’’مـمیـت ‘‘ کے ہیں اور ’’رفع‘‘ سے مراد ان کی عزّت کے ساتھ موت ہے، اور ’’تطہیر‘‘ سے مراد ان کی دشمنوں کی تہمتوں سے تطہیر ہے، نیز حضرت ابن عباس نے بھی اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کے دن یہ قول ’’فلما توفیتنی ‘‘ کا مطلب بھی یہی ہے کہ ’’جب آپ نے مجھے موت دی تو تو ہی قوم کا نگران تھا‘‘۔ ایسے ہی نبی کریم نے فرمایا کہ میں وہی کہوں گا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: فـلما تـوفیتـنـی ...تو جیسے حضور کی توفی موت دینے کے معنی میں ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

''تـوفـی '' بھی انہیں موت دینے ہی کی خبر ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تـوفـی یعنی ان کی موت واقع ہوگئی ہے۔اور جب ان کی موت واقع ہوگئی ہے تو اب وہ دوبارہ کیسے آئیں گے؟

(ازالہ اوہام، حصہ دوم، طبع قدیم ص:۸۹۰ تا ۸۹۴، طبع جدید ص:۴۸۵ تا ۴۸۸، ملحق روحانی خزائن ج:۳ ص:۵۸۵ تا ۵۸۸، ایضاً روحانی خزائن ج:۳ ص:۵۰۱ تا ۵۰۴۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ مرزائی موقف ہے جس کے اندر وہ صراحت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا بھی انکار کرتے ہیں اور ان کے نزول کے بھی منکر ہیں۔

قادیانی مغالطات اور ان کا اِزالہ

مرزا غلام احمد کا ''متوفی'' کا ترجمہ ''وفات دینے والا''۔اور ''رفع'' کا ترجمہ ''عزّت سے اُٹھانے'' بمعنی موت دینا، اور ''تطہیر'' سے مراد ''دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنا'' لغت اور شرعی نقل کے سراسر مخالف ہے۔

(ازالہ اوہام، حصہ دوم، طبع قدیم ص:۵۹۸ تا ۶۰۰ طبع جدید ص:۴۲۳، روحانی خزائن ج:۳ ص:۴۲۳، ۴۲۴۔)

ہم اس مرزائی شبہ کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ:

کیونکہ ''توفی''، ''رفع'' اور ''تطہیر'' عربی میں ان معانی کے لئے وضع نہیں ہوئے، جو مرزا غلام احمد قادیانی نے کئے ہیں۔

''توفی'' کے معنی ''پورا پورا قبضے میں لے لینا'' ہے۔

''رفع'' کا معنی ''نیچے سے اوپر لے جانا'' ہے۔

اور ''تطہیر'' کا معنی ''کفار کے گندے ہاتھوں سے تطہیر'' ہے، جیسے کہ اہلِ تفسیر نے کہا ہے۔

اس کے معنی نہ إماته (موت دینا) ہے، اور نہ إنامة (سلانا) ہے۔

نہ ان تینوں میں کوئی ترادف ہے کہ یہ ایک ہی معنی کے لئے لغت میں وضع ہوئے

ہوں۔

رہا ''رفع''، و''تطہیر'' میں قادیانی تاویل، تو اس پر مفصل بحث ہم اپنے محاضرہ ''قادیانی تأویل در''توفی''، ''رفع''، و''تطہیر'' میں لکھ چکے ہیں۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''رفع'' کو عزّت کی موت پر حمل کرنا لغت یا شرعی مراجع میں کسی نے نہیں لکھا، یہ صرف مرزا غلام احمد قادیانی کا ان قرآنی الفاظ میں غیر لغوی اور غیر شرعی تصرف ہے، جس کی کوئی سند نہیں، نیز اگر ''توفی'' بھی موت دینا ہے، پھر ''رفع'' بھی موت دینا ہے، تو یہ تکرار قرآنی بلاغت کے خلاف ہے، ہاں! ''توفی'' کے ساتھ ''رفع'' اور ''تطہیر'' نے توفی یعنی قبضے میں لے لینے کی نوع کا تعین کر دیا، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' ان کے آسمان پر ان کے دشمنوں کی دسترس سے دُور لے جانا ہے، یہی اُمتِ مسلمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی سے مراد ہے۔

امام رازیؒ جو قادیانیت کے ہاں مجدد ہیں، فرماتے ہیں:

(دیکھئے: عسل مصفیٰ ص: ۱۶۴، چھٹی صدی کے مجدد اصحاب، طبع ۱۹۱۳ء، ہند۔)

"قوله تعالىٰ: ﴿إني متوفيک﴾ يدل على حصول التوفي، وهو جنس تحته أنواع، بعضها بالنوم، وبعضها بالإصعاد إلى السماء، فلما قال بعده "ورافعک إليّ" كان هذا تعييناً للنوع"

(التفسير الكبير ج:۸ ص:۶۶۸ طبع دار احياء التراث العربي، بيروت۔)

ترجمہ: ارشادِ ربانی: ''میں تمہیں پورے طور پر قبضے میں لینے والا ہوں، یہ توفی کے حصول پر دلالت کرتا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی واقع ہوئی، اور ''توفی'' ایک جنس ہے جنس ہے، جس کے تحت کئی انواع ہیں، بعض نیند سے

ہیں، اور بعض آسمان پر اُٹھانے سے، اور جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ میں تمہیں اُٹھانے والا ہوں، تو ''توفی'' کی اس نوع کی تعیین ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی ''میں مزید تأملات اور شواہد، جو توفی کا مفہوم متعین کرتے ہیں

قرآنِ حکیم میں آیتِ توفی (اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ) کا ذرہ تامل اور کچھ غور سے جائزہ لیا جائے تو تمام شواہد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس ''توفی'' سے حق تعالیٰ شانہ کی غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی ہے۔

آیئے ہم ان تمام حالات کا تصور کرتے ہیں جو اس آیت میں مذکورہ قصہ کے گرد گھومتے ہیں۔

✡ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دشمنوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کے دشمن ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔

✡ اللہ تعالیٰ کا خبر توفی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی اور اطمینان کے لئے ہے۔

✡ اللہ تعالیٰ کا اس توفی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاصہ ٹھہرانا اور اسے ان پر اپنی خصوصی نعمت کے طور پر جتلانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس نعمت کا اعتراف کرنا۔

ان تمام شواہد پر غور کرنے سے ہر شخص کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اگر ان کی ''توفی'' سے ان کی موت مقصود ہو تو یہ خاصہ ہے نہ اللہ کی نعمت ثابت ہوتی ہے

حضرت عیسیٰ کی موت ان کے دشمنوں کا ارادہ تھا، اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کس طرح یہ توفی نعمت خاصہ بن سکتی ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی تسلی کا مطلب یہ ہے کہ میں ہی تمہیں موت دوں گا (یہ

نہیں ایسا کر سکتے)

پھر یہ حق اور حقیقت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد فرمائی نہ کہ ان کے دشمنوں کا کام آسان کر دیا۔ اور اسی بات کو قرآن فخر سے اللہ کی تدبیر کو رفعت کے طور پر بیان کرتا ہے کہ اللہ کی تدبیر دشمنوں کی مکر پر غالب آگئی ہے۔ اور انہیں دشمنوں سے بحفاظت محفوظ فرما کر ان کا رفع فرمایا، اور انہیں آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ یہی آیت ''توفی'' اور ''رفع'' کا مدلول ہے۔ یہی احادیث نبویہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اسی پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کو اپنے اصل مفہوم سے کسی دوسرے معنی کی طرف لیجانے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، بلکہ اس کا اصل معنی پر رکھنا ہی لغت اور قرآن وسنت کے بیان کا تقاضا ہے اور یہی اُمتِ مسلمہ کا سلف سے خلف تک عقیدہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی عمومی'' شریعت کی نظر میں

شریعت اسلامیہ میں ثابت شدہ حقائق جن کی خبر حق تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ یہ ایسے اُمور ہیں کہ محض اہل لغت اور شریعت سے ناواقف لوگ ان سے متعارف نہ تھے اور نہ ہی ہو سکتے ہیں۔ شرعی مفاہیم کا ادراک شرعی مراجع اور مواقع سے ہی ہوتا ہے۔ پھر انہیں ایسا ہی ماننا ایمان ہے جیسا کہ اللہ اور ان کے رسول ان کے بارے میں بتائیں۔ ان شرعی امور میں سے کتاب کا نازل ہونا، وحی کا اُترنا، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، سب کے سب شرعی مفاہیم ومطالب ہیں جو شارع نے خود متعین فرمائے ہیں۔ انہی میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی بھی ہے۔

یہ تاریخ انسانی کا ایسا واقعہ ہے جس کی کوئی دوسری مثال نہیں۔ اور اس کا شرعی مفہوم

باری تعالیٰ جناب رسول اللہ نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ اور صحابہ کرام نے ایسے اور دیگر شرعی مفاہیم کو شارع سے سمجھا اور آگے منتقل فرمایا۔ حضرات صحابہ کرام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی سے ہرگز ان کی موت مراد نہیں لیتے تھے، بلکہ سب کا یہی عقیدہ تھا کہ وہ اپنے جسد اور اور رُوح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں چلے گئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کا رفع فرمایا ہے۔

اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام شدتِ غم سے نڈھال تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کے انتقال کے بعد آپ کو دیکھا تو شدتِ غم سے باہر آکر زور زور سے پکارنے لگے کہ آپ کا انتقال نہیں ہوا، آپ پر موت واقع نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اُوپر آسمان پر اُٹھالیا ہے اور آپ کا رفع فرمایا ہے۔

یہ موقف صحابہ کرام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عقیدے کی دلیل ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے نہیں بلکہ ان کی ''توفی'' بصورت حیات ان کے جسم ورُوح کا آسمان کی طرف جانے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

''مختصر الأجوبة الجليلة'' میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک نصرانی عالم شیخ زادہ مسلمان ہوگیا۔ ایک عیسائی عالم ان سے کہنے لگا کہ قرآن کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عجیب تناقض ہے۔ اس نے ان کی توفی کا اثبات کیا ہے اور ان کی موت اور قتل کی نفی کی ہے۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ توفی عیسیٰ علیہ السلام کا قرآنی اور شرعی مفہوم ان کی موت نہیں ہے تو وہ عالم مسلمان ہوگیا۔

''تـــوفـــی''بطورِ کنایہ،مکرر خصوصی تحقیق بغرض تسہیل برائے علمائے کرام وعمومی عوام

ہم اس موضوع پر مفصل اور پر مغز بحث اس لئے کرر ہے ہیں تا کہ آئندہ کوئی شخص اسمیں اِلحاد یا تحریف کرنے کی جسارت نہ کرسکے۔اور یہ مسئلہ علمائے کرام کے لئے سمجھانا اور عوام کے لئے سمجھنا آسان ہو جائے اور وہ کسی بھی قادیانی کے دجل کا شکار نہ ہوں۔اس ضمن میں مزید روشنی ڈالتے ہوئے لغت اور قرآن کے اُسلوب کا مزید بیان کرتے ہیں۔

علم بلاغہ علم لغت کی ایک قسم ہے، جولغت کی موشگافیوں میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

یہاں ہم ''کسی بھی معنی کے بیان'' کی دوقسموں کا ذکر کریں گے:اور وہ صریح اور کنایہ۔ ان کا ذِکر یقیناً مسئلہ توفی کے سمجھنے میں معین ثابت ہوگا۔

صریح

یہ صراحت سے ہے،صریح اس لفظ کو کہتے ہیں جس کی مراد ظاہر ہو۔یادر ہے کہ ہر لفظ کی اپنے وضعی معنی پر دلالت ظاہر ہوتی ہے۔

جیسے:	طویل القمیص	لمبی قمیض والا
	ناعم الکفین	نرم ہاتھوں والا
	کثیر الرماد	بہت راکھ والا

یہ الفاظ اپنے ان مذکورہ معانی میں صریح ہیں اوران کے یہ معانی ومطالب ظاہر ہیں جبکہ انہی الفاظ کے کنائی یالازمی معانی وہ ہونگے جنکا ذکر ہم کنایہ کے ذیل میں کرتے ہیں جو ظاہر نہیں چھپے ہوتے ہیں

کنایہ

یہ کنی یکنی سے ہے، جس کا معنی پوشیدہ یا چھپا ہوا ہونا ہے۔

کنایہ وہ لفظ ہے ہے جس سے اس کا لازمی معنی مراد ہو مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ لفظ کو اسکے ظاہری معنی سے کنائی یا لازمی معنی کی طرف پھیرنے کے لئے کوئی قرینہ ہو

جیسے: ''طویل القمیص'' سے لمبا قد مراد لینا، یہ کنائی معنی ہے، کیونکہ جس کی قمیص لمبی ہوگی، لازماً وہ طویل القامت ہوگا، مگر اس کے لئے قرینہ ہونا ضروری ہے۔

''کثیر الرماد'' سے سخی آدمی مراد لینا، یہ کنائی معنی ہے، کیونکہ جہاں راکھ ہوگی وہاں سخاوت لازماً ہوگی، مگر اس کے لئے قرینہ ضروری ہے۔

''ناعم الکفین'' سے نکما آدمی مراد لینا، یہ کنائی معنی ہے، کیونکہ جس کی ہتھیلیاں نرم ہوں گی تو لازماً وہ نکما ہوگا، مگر اس کے لئے قرینہ ضروری ہے۔

معنی لفظ اور لازم معنی میں فرق

معنیٔ لفظ تو لفظ کا وضعی مدلول ہوتا ہے، اور لفظ خود بخود اس پر دلالت کرتا ہے۔ مگر لازم معنی یہ متکلم کی مراد و مقصود ہوتا ہے جو قرائن و شواہد سے متعین ہوتا ہے خود اس لفظ سے نہیں

قرینہ

وہ اَمر ہے جو اس بات کا شاہد اور دلیل بنے لفظ کو اپنے معنی سے دیگر معنی کی طرف لے جائے۔ یہ کبھی لفظی ہوتا ہے کبھی حالی جیسے قد و قامت کے بیان کے موقع پر کسی کو ''طویل القمیص '' کہنے سے اس کی طویل قامت مراد ہو۔ اور کرم اور بخل کے ذکر کے ساتھ کسی کو ''کثیر الرماد '' کہا جائے تو اس سے مراد اس کی سخاوت مراد ہے۔ یا محنت، مشقت اور سستی کے تذکرہ میں کسی کو ''ناعم الکفین '' کہا جائے تو اس سے مراد اس کی طبعی سستی اور کاہلی اور نکما پن مراد ہو۔

تو یہ تمام معانی ان الفاظ کے صریح معانی نہیں بلکہ کنائی استعمالات ہیں۔ جو موقع محل اور قرینہ کی وجہ سے اس لفظ کو لازم ہوتے ہیں۔

مندرجہ ذیل نکات خوب یاد رکھیں!

✡ ذی رُوح کی توفی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجل سے پہلے ہرگز موت نہیں ہوگی مگر قبضہ میں لینا ضروری ہے کہ وہ لفظ کا لغوی معنی ہے۔

✡ اسی طرح ذِی رُوح کی توفیٔ روح کے قبضے میں لینے کے بعد اسے چھوڑ دینے کے وقت بھی اسے موت دینا نہیں، مگر قبضے میں لینا ضرور ہے، ہاں! اگر وقت نوم ہو تو اسے نوم لازمی ہے۔

✡ ذِی رُوح کے اپنی عمر پوری کر لینے کے بعد اس کی ''توفی'' اسے موت دینے سے کنایہ ہے، مگر موت دینا ''توفی'' کا معنی نہیں، ہاں! موت دینا بھی قبضے میں لینا ہے، لہٰذا اس حال میں ''توفی'' مارنے سے کنایہ ہے، ''توفی'' کا معنی مارنا نہیں ہے۔ جیسے کہ ''توفی'' سلانا نہیں، مگر! سلانا بھی قبضے میں لینا ہے، لہٰذا ''توفی'' بحالت نوم ہو تو یہ سلانے سے کنایہ ہے، ''توفی'' کا معنی سلانا نہیں۔

✡ غیر ذِی رُوح کی ''توفی'' اسے بتمامہ قبضے میں لینا ہے، وہاں تو نیند کا تصور ہوتا ہے نہ موت کا، مگر ''توفی'' قبضہ میں لینا موجود ہے۔

✡ توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام، میں تو وہاں موت کا قرینہ ہے، نہ نیند کا بلکہ بتمامہ روح و جسد کو اپنے قبضے میں لے لینا ہے۔ ساتھ ہی ان کے ''رفع'' کا ذکر ہے، کہیں موت کا ذکر ہے نہ تصور۔ لہٰذا ''توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام'' ان کا بتمامہ قبضہ، اور ''رفع'' ہے، نہ مارنا ہے، نہ سلانا۔

✡ واضح ہو چکا کہ توفی، نہ تو عین موت ہے اور نہ عین نوم ہے بلکہ بتمامہ قبضے میں لینا

ہے، جو موت کے ساتھ بھی جمع ہوسکتا ہے اور نیند کے ساتھ بھی، اور ان دونوں کے بغیر بھی متحقق ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''تــوفــی'' کہ وہ انہیں جسد و رُوح سمیت بحالت حیات قبضے میں لے لینا اور ان کا رفع کرنا ہے، تو جب ان کا رفع ہو چکا ہے، تو ان کا نزول بھی ہوگا، پھر ان کی عمر کے ایام پورے ہو جانے کی بعد ان کی توفی، توفیِ موت ہوگی۔ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تــوفـی قرآن وسنت کے بیان میں، فہم رسول اور فہم صحابہ، فہم سلف اور اِجماعِ اُمت کے موافق ہے۔ توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر موت اور نیند کے ان کی خصوصیت ہے اور یہی ان کا خاصہ ہے۔

''لفظ توفی'' اور اس کا کنائی مدلول موت دینا، پھر بطورِ کنایہ استعمال ہونے والے دیگر کلمات کا بیان

لفظ توفی کا معنی تو قبضے میں لینا ہے، مگر جب کوئی زندگی کے شب و روز پورے کرے تو اس وقت اللہ کا کسی کی رُوح قبضے میں لینے کو موت لازم ہوتی ہے، اس طرح جب صریح اور کنایہ کا مفہوم واضح ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ:

توفی ''قبضے میں لینے'' میں صریح ہے اور موت یا نیند کے معنی میں کنایہ ہے۔

یاد رہے کہ عربی زبان اور قرآنی استعمال میں صرف لفظ ''وفاۃ'' یا ''توفی'' ہی ایسے کلمات نہیں جو لغت میں موت سے کنایہ ہو سکتے ہیں بلکہ رحلت، انتقال اور وصال کے الفاظ بھی موت سے کنایہ ہوتے ہیں، مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کا موقع محل اور قرینہ ہو۔

جیسے کہ رحلت کا معنی کوچ کرنا ہے، مگر دُنیا سے چلے جانے والے کے وقت رحلت کہنا یہ موت سے کنایہ ہے۔

جیسے کہ انتقال کا معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے، مگر دُنیا سے آخرت کی طرف

منتقل ہوتے وقت اس کا استعمال کنایہ ہے۔

اسی طرح وصال کا معنی ملنا ہے، مگر بندے کے اپنے ربّ کے پاس پہنچ جاتے وقت اس کا استعمال کنایہ ہے۔

جہالت یا تشویش

یہ کتنی بڑی جہالت ہوگی کہ کوئی شخص کنائی معنی کو جو کسی خارجی اَمر یعنی قرینہ کی وجہ سے اس لفظ سے مراد لیا گیا ہے، اسے معنی لفظ قرار دے کر یہ کہے کہ:

''رحلت'' کا معنی موت ہے۔

''انتقال'' کا معنی موت ہے۔

''وصال'' کا معنی موت ہے۔

''وفات'' کا معنی موت ہے۔

حالانکہ ہر لفظ کا اپنا مستقل معنی ہوتا ہے، اسی طرح توفی کا اپنا مستقل معنی ہے۔ وہ ہے ''بتمامہ قبضے میں لے لینا'' مگر جب اسے موت کا قرینہ لگ جائے تو اس سے موت مراد لی جاتی ہے۔

یا نیند کا قرینہ آجائے تو اس سے نیند مراد لی جاتی ہے۔ اب یہ موت اور نیند اس کے اصلی معنی ہرگز نہیں بلکہ لزومی اور کنائی معنی ہیں۔

قادیانیت نے توفی عیسیٰ علیہ السلام کو لغت، قرآن وسنت، اِجماعِ اُمت ہر اعتبار سے ہٹ کر ان کی موت کا معنی مراد لے کر اور لفظ وفات اور لفظ توفی کی مخصوص شواہد کی وجہ سے موت پر دلالت کو ناجائز طور پر توفی کو عین موت قرار دیکر

اوّلاً:- اپنا عقیدہ خراب کر دیا۔

ثانیاً:-مسلمانوں کے اجماعی عقیدے میں تشویش ڈالنے کی کوشش کی۔

ثالثاً:-لغت کے اُسلوبِ بیان سے اِنحراف کیا۔

رابعاً:-قرآن کے اُسلوبِ بیان اور اِستعمال میں تحریف کا اِرتکاب کیا،لغت کے محاورات سے اِنحراف کیا۔

اس امر کی وضاحت کے لئے قرآنِ حکیم میں مندرجہ ذیل مواقع پر ''وفـــی'' کے مشتقات توفی وغیرہ کی قرائن کی وجہ سے ''لازمی معنی'' پر دلالت کا بیان مندرجہ ذیل چارٹ میں پیش خدمت ہے۔

ان آیاتِ قرآنیہ کا بیان ہے جن میں ''توفی'' قرینہ کی وجہ سے اپنے کنائی معنی ''موت دینے'' یا ''نیند دینے'' پر دلالت کرتا ہے،(موت یا نیند ''توفی'' کا اصل معنی نہیں مگر اپنے اپنے مواقع پر کنائی مدلول ہے:

مشتق از وفی،توفی	مثال	معنی	قرینہ
یتوفون	وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ (البقرۃ:۲۳۴)	تم میں سے جو قبض کئے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، ان کی بیویاں دوسرے نکاح کے لئے چار مہینے اور دس دن رات انتظار کریں۔	عورتیں بیوہ چھوڑنا اور عدت حالت بیوگی اور وصیت توفی سے لزوماً موت مراد لینے کے قرینے میں۔

یَتَوفّٰی جیسے کہ یتوفاهن	حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ(النساء:۱۵)	حتیٰ کہ موت انہیں قبض کرلے۔ غور کریں کہ توفی فعل ہے اور موت فاعل، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں مغایر ہیں۔	اس آیت سے لے کر ''قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ'' تک تمام میں توفی سے لزوماً موت مراد لینے کے لئے ملائکہ موت اور بشارت جنت سنانا صاف قرینہ ہیں۔
توفاهم	اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ (النساء:۹۷)	جن کو فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔	ایضاً
توفته	حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (الانعام:۶۱)	حتیٰ کہ تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کو قبض کرلیتے ہیں۔	ایضاً نوٹ: اگر توفی کا معنی موت ہوتو فرشتے موت دینے والے نہیں بلکہ قبض کرنے والے ہیں۔
یتوفونهم	حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ (الاعراف:۳۷)	حتیٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے آجاتے ہیں تو ان کو قبض کرلیتے ہیں۔	ایضاً
یتوفی	وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (الانفال:۵۰)	کاش! تو دیکھے جب فرشتے کفار کو قبض کرتے ہیں تو وہ ان کے چہروں پر اور پشتوں پر مارتے ہیں۔	ایضاً

توفتهم	فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ (محمد)	سو کس طرح ہوگا جب فرشتے ان کو ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہوئے قبض کریں گے۔	ایضاً
تتوفهم	اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (النحل:۲۸)	جن کو فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔	ایضاً
تتوفاهم	اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ (النحل:۳۲)	جن کو قبض کرتے ہیں فرشتے خوشحالی میں۔	ایضاً
يتوفاكم	قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (السجدة:۱۱)	اے پیغمبران! ان سے کہو: تم کو قبضہ کرلے گا ملک الموت جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔	ایضاً نوٹ: موت دینے والا اللہ ہے ملک الموت قبضہ کرنے والا ہے۔
نتوفينك	وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس:۴۶)	اور اگر ہم تمہیں اپنے وعدے کے ایک حصے کی باتیں دکھادیں یا تجھ کو قبضہ کرلیں۔	توفی بمقابلہ نرینك موت کے لئے قرینہ ہے۔ اسی طرح سورۂ زخرف میں نتوفينك کے بجائے نذهبن بك فنا سے کنایہ ہے۔

یتوفی	یَاَیُّھَاالنَّاسُ....فَاِنَّاخَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ....وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی... إلخ (الحج:۵)	اے لوگو!....(اگر دوبارہ اُٹھنے کے بارے میں تم شک میں ہوتو سوچو) ہم نے پہلے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے...... اور بعض تم میں سے پہلے قبض کئے جاتے ہیں...الخ۔	حالت اُولیٰ سے آخر اجل مقررہ تک کاذِکر توفی سے مراد موت کے قرائن ہیں۔
توفنا	رَبَّنَافَاغْفِرْلَنَاذُنُوْبَنَاوَکَفِّرْعَنَّاسَیِّاٰتِنَاوَتَوَفَّنَامَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ (آلِ عمران)	اے ہمارے رَبّ! ہمارے گناہ معاف کردیجئے اور ہماری برائیاں دُور کردیجئے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ قبض کرنا۔	دُعا لحوق الصالحین موت کا قرینہ ہے۔
توفنا	رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ (الاعراف)	اے ہمارے رَبّ! ہم پر فضل فرمایئے اور ہمیں مسلمانی حالت میں قبض کرنا۔	ایضاً
توفنی	اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَاوَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًاوَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ (یوسف)	تو ہی میرا مددگار ہے دُنیا اور آخرت میں، اور مجھے مسلمانی کی حالت میں قبض کرنا اور صالحین کے ساتھ ملانا۔	ایضاً
یتوفاکم	وَھُوَالَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی (الانعام:۶۰)	اور وہی ہے جو تمہیں رات کو قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم دن کو کرتے ہو، پھر تم کو دن کے وقت اُٹھا کھڑا کرتا ہے تا کہ زندگی کی مدت پوری کی جائے۔	لیل پھر اُٹھنا توفی سے مراد نوم ہونے کے قرائن ہیں (یعنی اس توفی کو نوم لازم ہے)۔

یتوفی	اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا (الزمر:۴۲)	اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت، اور جو ابھی نہیں مریں ان کو نیند میں قبض کرتا ہے، سو جس کی موت کا فیصلہ کردیا اس کو تو روکے رکھتا ہے اور دوسرے کو (نیند والے کو) مدتِ مقرّر تک بھیجتا رہتا ہے۔	ایک شق میں حین الموت اور امساک ارواح۔ دوسری شق میں حین المنام اور ارسال ارواح۔ پہلی میں توفی برائے موت قرینہ اور دوسری میں توفی برائے نیند ''المنام'' قرینہ ہے۔

مذکورہ قرآنی آیات کا ماحصل

''توفی'' کے مذکورہ قرآنی استعمال سے ''توفی'' کا موت نہ ہونا مندرجہ ذیل وجوہ سے واضح ہوجاتا ہے:

۱- جہاں ''توفی'' فعل ہے اور، موت کا وقت اس کا ظرف ہے۔ وہ ''توفی'' اور ''موت'' کے عین نہ ہونے کی دلیل ہے۔ کہ ظرف اور مظروف عین نہیں، مغایر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ: ''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا'' (الزمر:۴۲) ''اللہ تعالیٰ ارواح کی موت کے وقت توفی کرتا ہے'' کیونکہ فعل اور ظرف عین نہیں مغایر ہوتے ہیں۔

۲- جہاں ''توفی'' فعل ہے اور موت اس کا فاعل آیا ہے، وہ بھی ''توفی'' اور موت کے عین نہ ہونے اور ہر دو کے مغایر ہونے کی دلیل ہے۔ جیسے کہ: ''توفته الموت''۔ ''موت نے اس کی توفی'' کیونکہ فعل اور فاعل عین نہیں بلکہ مغایر ہوتے ہیں۔

قرآنِ کریم کی جملہ آیات ''توفی''مندرجہ ذیل چیزوں کو ثابت کررہی ہیں:

۱- توفی، قبضے میں لے لینا ہے۔

''توفی'' ایسا فعل ہے جو ذِی رُوح پر واقع ہوتا ہے، اور غیر ذِی رُوح پر بھی، اور ہر جگہ اس میں ''بتمامہ قبضے میں لینا''، ''پورا پورا لے لینا''، ''اِکمال'' اور ''اِتمام'' ضرور پایا جائے گا۔

۲-متوفَی، یعنی مقبوض، جس پر فعل توفی واقع ہوا ہے۔

یہ ذِی رُوح بھی ہوتا ہے، اور غیر ذِی رُوح بھی تو اسمیں موت کا تصور بھی نہیں ہوتا۔

۳-متوفِی، قابض ''توفی'' کا فاعل ہے، اور وہ کبھی رَبّ تعالیٰ ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ: سونے والے کی رُوح کو قبض کرتا ہے اور پھر چھوڑ دیتا ہے۔

وہ مرنے والے کی رُوح کو قبض کرتا ہے اور پھر روک لیتا ہے۔

نہ سونے اور نہ مرنے والے کو بتمامہ روح وجسد سمیت قبضے میں لے لیتا ہے۔ (جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رفع کے وقت)۔

''متوفِی'' کبھی فرشتہ ہوتا ہے، جیسے: اموات کی ارواح کو قبض کرنے والے فرشتے (بحکم ربانی متوفی ہوتے ہیں)۔

کبھی یہ بشر ہوتا ہے، جیسے اجور کو اللہ تعالیٰ سے قبض کرنے والے۔ (عمل صالح کرنے والے مؤمنین ہوں گے)۔

لفظ توفی کی تقدیم اور حکمت اختیار

اب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں لفظِ ''توفی'' اور اسے ''رفع'' اور ''تطہیر'' سے پہلے قرآن کریم میں ذکر کرنے کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حق تعالیٰ شانہ کے جن چار انعامات کا تذکرہ ہے اس میں سب پہلے توفی کا ذِکر

ہے،اس کے بعد دوسری چیزوں کا ذکر ہے،ان کی ترتیب اس طرح ہے:

اوّلاً:- مُتَوَفِّيْكَ فرمایا

ثانیاً:- رَافِعُكَ فرمایا

ثالثاً:- مُطَهِّرُكَ فرمایا

حکمت تقدیمِ ''توفی''

ان انعامات خاصہ میں سب سے پہلے ''مُتَوَفِّيْكَ'' فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ.....''

الف:- مسلم مفسرین ومحدثین اس کی حکمت پر یوں بحث فرماتے ہیں کہ:

باری تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''مُتَوَفِّيْكَ'' فرمانا بہ مقام بشارت ہے۔ یہ لفظ طمانیت اور تسلی کا باعث بنے اور بعد میں آنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی قدرت کا مظہر ثابت ہو۔

ب:- صاحب کشاف (جو قادیانیت کے ہاں مجددین کی فہرست میں شامل ہیں)۔وہ فرماتے ہیں:

''اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ'' یعنی میں تیری اجل کو پورا کرنے والا ہوں اس کی تفسیر یہ ہے کہ میں اس وقت تجھے کفار سے بچانے والا ہوں وہ تجھے مار نہ سکیں گے اور تجھے اس اجل تک جو تیرے لئے لکھ چکا ہوں، میں باقی رکھوں گا اور تجھے طبعی موت دوں گا۔ان اعداء کے ہاتھوں قتل نہ ہونے دوں گا،اور میں تجھے اپنے آسمان کی طرف اُٹھاؤں گا جو میرے فرشتوں کا مقر ہے۔

ج:- امام رازی (وہ بھی قادیانیت کے نزدیک مجددین کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں) فرماتے ہیں کہ:

''اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ'' یعنی: ''میں تیری عمر پوری کروں گا پھر تجھے وفات دوں گا، ان کے لئے نہیں چھوڑوں گا کہ وہ تجھے حاصل کریں، بلکہ میں تجھے اپنے آسمان کی طرف اُٹھاؤں گا جو ملائکہ کا ٹھکانا ہے۔'' ''توفی'' کا پورا کرنا کہ وفات دینے والا عمر پوری دے دے، اور وفات پانے والا عمر پوری کر لے۔

یہ اکابر مفسرین کی تصریحات اس بات کی دلیل ہے کہ اس ''توفی'' کے لئے جو موت سے کنایہ ہوتی ہے، اس کے لئے اِتمامِ عمر شرط ہے، اس کے بغیر لفظِ ''توفی'' کا معنیٰ ''إماته'' موت دینا نہیں ہوتا، نہ وہ اس کے لئے وضع ہوا ہے، نہ اس کے لئے کنایہ ہوگا، نہ اس کے لئے مجازاً استعمال ہوتا ہے۔

د:- مشہور محدث سیّد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "توفی" نہ موت کے لئے حقیقت ہے نہ مجاز وہ موت سے کنایہ ہوتی ہے مگر شروط کا وجود ضروری ہے

''کشاف کی عبارت میں "توفی" کے مفہوم کے اجزا یہ ہیں: پہلا: کفار سے بچانا۔ دُوسرا: اجل تک تاخیر (جو اِتمامِ عمر کے لئے شرط ہے)۔ تیسرا: آخر میں موت کی طرف اشارہ کرنا۔ گویا لفظ توفی میں تمام ضروری اُمور کا ذِکر کر دیا گیا۔

اور یوں توفی کا ذِکر اپنی طبعی جگہ پر طبعی ترتیب سے ہے، کسی تقدیم وتاخیر کی ضرورت نہیں۔

اس مذکورہ اِعتبار سے تو رَبّ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''توفی'' ان کی اوّل عمر سے شروع ہوکر ان کے نزول کے بعد آخر عمر تک کے لئے ہے۔

صاحبِ کشاف مزید کہتے ہیں:

ہ:- اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسیٰ کو ''مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ'' کے خطاب کا مطلب یہ ہے کہ

تجھے موت تواپنے وقت پر نزول کے بعد دوں گا، مگر اب میں تجھے اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔

اس تفسیر میں کلام اللہ کے حسنِ بیان کی طرف اشارہ ہے۔

لفظ ''توفی'' کے اختیار میں حسن جامعیت اور عظیم بلاغت

اس مقام پر لفظ توفی اختیار کرنے کی حکمت کے باب میں علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں کلام اللہ کی بلاغت، حسن اختیار اور الفاظ کی حسن ترتیب کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس مقام پر ایسے لفظ کو اختیار کرنا ہی انتہائی موقع ومحل کے مناسب ہے جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس معنی پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کفار کے نرغے سے نکال لیا اور اپنے قبضے میں لے لیا، پھر اپنے کنائی معنی میں ان کے انجامِ آخر کی طرف اشارہ ہو کہ ان کی اجل پوری ہونے کے بعد آخر میں وہ موت تک پہنچیں گے۔

اس غرض کے لئے تو صرف لفظ ''توفی'' ہی ہوسکتا ہے، لہٰذا اسے اختیار کیا گیا، پھر اسے ذکر میں بھی مقدم رکھا گیا تا کہ آغاز وانتہا ہر دو امر کی طرف اشارہ ہو سکے۔

یہ ہے بلاغت کلام اللہ اور اس کی حسن ترتیب جس کا مظہر صرف لفظ توفی ہی کے ہوسکتا ہے۔

امام رازی لفظ ''توفی'' کے اختیار کے بارے میں فرماتے ہیں:

''توفی''، کسی چیز کو بتمامہ لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف روح کو اُٹھایا تھا اور جسم کو نہیں، اس لئے انہوں نے ارشاد فرمایا: ''اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ'' تا کہ اس امر پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتمامہ مع جسم وروح زندہ آسمان پر اُٹھالیا۔''

نزولِ عیسیٰ میں حکمتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو نزول کے شرف سے مشرف کرنے کی غرض کے بارے میں اہلِ علم نے مندرجہ ذیل حکمتیں لکھی ہیں:

✡ یہود کا رَدّ مقصود ہے، جنہوں نے ان کے بارے میں قتل وصلب کی بے بنیاد باتیں مشہور کردی تھیں، حالانکہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے تھے۔

✡ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ان کی اجل کا پیش خیمہ ہوگا کہ مٹی سے پیدا ہونے والے کو آخر مٹی ہی میں دفن ہونا ہے۔

✡ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب حضرت خاتم النّبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے دُعا فرمائی کہ حق تعالیٰ شانہ انہیں بھی ان میں سے کردیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا قبول فرمالی، اور انہیں زندہ باقی رکھا، یہاں تک انہیں آخر میں نازل کیا جائے گا اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی اُمتی بن کر نازل ہوں گے۔

✡ دینِ اسلام کی ان کے ہاتھ سے تجدید ہوگی، ان کا نزول اور دجال کا خروج ایک ہی زمانہ میں ہوگا۔

✡ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو مسیح حق ہیں، ان کے ہاتھوں دجال جو مسیح ضلال ہے اس کا قتل اور خاتمہ ہوگا۔

✡ دُنیا میں جب مسیح حق پہلے آئے تھے تو یہود نے ان کی پیروی نہ کی، بلکہ انہیں قتل کرنے اور انہیں سولی پر چڑھانے کی کوشش کی اور یہی یہود دجال کے ظہور پر اس کے پیروکار بنیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوا کہ ایک وقت تک مسیح حق کو آسمان پر رکھیں پھر ان کا نزول ہو، مسیح دجال بھی ظاہر ہو جو یہود کا اِمام ہوگا تو مسیح حق کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو، اور اس

طرح حق کا اس دُنیا پر غلبہ ہو اور کذب و باطل سرنگوں ہو۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت مسلمان انہیں پہچان لیں گے، ان کا عقیدہ ان کے بارے میں وہی ہے جو حق ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں ان کی والدہ ماجدہ طاہرہ عُفیفہ ہیں۔ یہود جنہوں نے ان پر اور ان کی ماں پر ناحق بہتان باندھے وہ بھی ان کی حقانیت سے متعارف ہوں گے۔ نصاریٰ جو ان کی اُمت ہونے کی مدعی ہیں اور ان کی الوہیت کے قائل ہیں وہ بھی جان لیں گے کہ حق وہی ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ اور حضرت خاتم النّبیین نے دی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی کی دعوت دیں گے۔ تو وہ نصاریٰ بھی حق سے متعارف ہوکر اس میں داخل ہوجائیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے قبل تمام اہلِ کتاب ان پر ایمان لائیں گے'' پورا ہو جائے گا کیونکہ اعتقاد حق ہی ایمانِ صحیح کہلاتا ہے۔

توفی کے بارے میں خودساختہ بے اصل مرزائی ضابطہ

مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ ''توفی'' اگر باب ''تفعل'' سے ہو اور فاعل اللہ ہو اور مفعول ذِی رُوح نیند اور رات کا قرینہ نہ ہو۔ تو مراد موت ہوتی ہے اور اسے نحو و لغت کی طرف منسوب کیا ہے۔(۱) یہ ضابطہ ان کا اپنا خود ساختہ ہے جس کا نحو و لغت سے کوئی تعلق نہیں نہ ہی کسی فن میں یہ ضابطہ موجود ہے۔ اس کے برخلاف یہ ضابطہ ہر جگہ موجود ہے کہ لفظ کو اپنے اصل معنیٰ سے منتقل کرنے کا اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو وہ خود بخود اپنے معنیٰ پر دلالت کرے گا، جیسے ''توفی'' کی دلالت موت اور نوم پر تو قرینہ سے ہوگی، مگر پورے طور پر متوفّٰی کو قبضے میں لینے کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ضابطہ ہر فن کی کتاب میں موجود ہے، مگر مرزا صاحب کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ وہ دوسروں کو پریشان کرنے اور راہِ راست سے دُور کرنے کے لئے خود ساختہ

ضابطے پیش کرتے ہیں اور انہیں لاگو کرنے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں۔ پھر ان کا یہ بھی طریقۂ واردات ہے کہ وہ اپنی مطلب برآوری کے لئے لغت، شرع، منطق، اُصول کسی کی بھی پروا کئے بغیر ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔

(۱) عسل مصفیٰ ص: ۲۴۴، ۲۴۵، ہشتم: لفظ توفی کے معنیٰ لغتِ عرب سے۔

آپ دیکھ لیں کہ مرزا صاحب نے مُتَوَفِّیْكَ میں جو تاویلیں کی ہیں وہ بے ضابطہ ہیں جو خلافِ شرع، خلافِ لغت اور خلافِ اُصول ہیں۔ لفظ ''مُتَوَفِّیْكَ'' میں جو وسوسہ مرزا صاحب کو صدیوں بعد پیدا ہوا، صدیوں پہلے امام رازی رحمہ اللہ نے اس کی تردید اپنی تفسیر میں فرمادی اور انہوں نے صاحب ضابطہ کے قول کو بے ضابطہ قرار دے دیا، والحمد لله علی ذلك ۔

خلاصۂ کلام

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قرآن، حدیث اور لغتِ عرب میں ''حیات'' کا مقابل ''موت'' ہے ''توفی'' یا ''وفات'' نہیں۔ ''حی'' کا مقابل ''میّت'' ہے، ''متوفّٰی'' نہیں۔ ''محیی'' کا مقابل ''ممیت'' ہے، ''متوفی'' نہیں۔ ''احیاء'' کا مقابل ''اماته'' ہے، ''توفی'' یا ''ایفاء'' نہیں۔

رہا لفظِ ''تــوفــی'' تو وہ اپنے دیگر نظائر یا مشتقات کی طرح ''اکمال'' اور ''اتمام'' اور پورے طور پر اخذ و تناول اور بتمامہ قبضہ کر لینے کے لئے ہی ہے۔ چاہے وہ عہد کو پورا کرنا ہو، یا قیمت کو پورا حاصل کرنا ہو، یا اسے پورے طور پر ادا کرنا ہو۔ اگر نفس کو قبضے میں لینا پھر قبضے کے بعد اسے روکنا ہو تو اس سے صاحبِ نفس کی موت لازم ہوگی، اور اگر اسے قبضے میں لے کر چھوڑ دینا ہو تو اس سے صاحبِ نفس کی نیند ہو۔ یہ توفی کے لغوی اور قرآنی مدلولات ہیں۔

ضابطہ حق جو شریعت اور خبر شارع کے مطابق ہے، وہ یہ ہے کہ اگر تـوفـی کسی مسمّٰی کی

علیٰ وجہ الخصوصیت والامتیاز ہو جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کہ ان کی توفی ان کی امتیازی شان ہے اور ان پر اللہ کا خصوصی انعام ہے جو ان کی ان کے دشمنوں سے خلاصی کے بیان کے طور پر مذکور ہے تو وہ صرف اور صرف برائے نجات وحیات، ان کا قبضۂ رُوح وجسد ہوگا۔ کیونکہ اس توفی میں کوئی دیگر انسان بھی ان کے ساتھ شریک ہو تو یہ خصوصیت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کا اعزاز نہ ہوگا۔ لہٰذا مرزائی ضابطہ کا انسانی تاریخ میں کوئی مرجع ومورد یا مصداق نہیں، یہ ایسا ضابطہ ہے جس کی کوئی نظیر ہے، ہی نہیں کیونکہ توفی عیسی میں اگر قرینہ نینداور رات نہیں تو اس میں قرینہ موت بھی نہیں، لھذا مرزا صاحب کا ضابطہ بھانج ہے ، وہ مرزائی نبوّت کی طرح بالکل فالتو اور غیر ضروری ضابطہ ہے۔

یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ لفظ ''توفی''،''موت دینے'' پر، یا ''متوفی''،''ممیت'' (موت دینے والا) پر نہ حقیقتاً دلالت کرتے ہیں نہ مجازاً۔ اگر توفی عیسیٰ جس کا مُتَوَفِّيْكَ میں ذکر ہے وہ صرف قبض رُوح ہے، یعنی برائے موت ہے تو یہ ان کی عمر کے پورا ہونے کی قید کے بغیر نہیں ہوسکتی، کیونکہ بغیر قرینہ کے لفظِ ''توفی''موت دینے پر دلالت نہیں کرتا، نہ ہی لغت سے، نہ ہی قرآنِ حکیم کے اُسلوب سے کسی جگہ یہ ثابت ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے، نہ غیرِ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے، جیسے کہ ہم نے قرآنی آیات کے چارٹ میں واضح کر دیا ہے۔

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ! تو اس میں تو قرائن وشواہد ایسے ہیں کہ ان کی اس وقت موت مراد لے ہی نہیں سکتے، ہاں ان کی ''توفی''ان کی حیات کی دلیل ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان کے درپے تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں بچانے اور انہیں زندہ رکھنے اور انہیں اُٹھانے کا فیصلہ فرما چکے تھے۔ ہاں! جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر پوری ہوگی، ان کی اجل آئے گی تو اس وقت ان کی رُوح قبض کرنے والا اللہ تعالیٰ وہی ''مُتَوَفِّيْكَ'' ان کی ''توفی

اِماتۃ‘‘ یعنی موت دینے والی’’ توفی ‘‘ کا اظہار فرمائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہی قدیمی سنت ہے، جس میں کوئی تبدیلی نہیں، کہ: ’’ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا‘‘ اللہ تعالیٰ بشری ارواح کو موت کے وقت پر ہی موت دیتے ہیں اور ان کی توفیٔ موت فرماتے ہیں، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاحال نہیں فرمائی، کہ ان کی موت کے وقت ان کے آسمان سے نزول سے پہلے یہ نہیں ہوگی، ہاں! وہ ان کی اجل کے وقت پر ایسا ضرور کرے گا۔

اسی لئے علمائے کرام نے یہ کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قبضے کی خبر’’ مُتَوَفِّیْكَ‘‘ کہہ کر دینا چاہتے ہیں تو اس میں تقدیم وتاخیر ہے، جیسا کہ بعض اہلِ علم نے نقل کیا ہے، مگر انہوں نے بھی ’’ مُتَوَفِّیْكَ‘‘ کو اس موت کی خبر نہیں کہا جو کہ بقول قادیانی عیسیٰ علیہ السلام پر آچکی ہے، کیونکہ وہ تو تسلی کا باعث نہیں ہوسکتی تھی، ہاں! تاخیر والی توفیٔ موت تسلی کا باعث ہوسکتی ہے، اور وہ یوں ہے کہ: اے عیسیٰ! تجھے مارنے والا میں ہوں تیرے دشمن نہیں ہوسکتے، اور یقیناً اجل آنے پر تمہیں میں خود مارنے والا ہوں۔ مگر اس وقت میں تمہیں اُٹھانے والا ہوں۔

علماء نے آیت کی اس تفسیر میں ہی تقدیم وتاخیر کا قول کیا ہے، تو اس تقدیم وتاخیر سے اللہ تعالیٰ کے انعام کا بیان بھی ہوگیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی بھی ہوگئی، اور موت کا بھی وقت پر بیان ہوگیا مگر تقدیم اس لئے ہوئی کہ وہ (یعنی توفیٔ موت) اگرچہ واقع ہونے میں مؤخر ہے اور اسے ایک طویل مدت کے بعد وقوع پذیر ہونا ہے، مگر اس کی خبر اوّلاً دینا اس اعتبار سے بہتر ہوا کہ اس آن میں یہودی آپ کی جان کے درپے تھے، اس حالت میں اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتانا تھا کہ یہ عمل یعنی تمہارا’’ اِماتۃ‘‘ تمہارے یہ دشمن نہیں کرسکتے، اسے خود اللہ تعالیٰ ہی سرانجام دیں گے، لہٰذا’’ مُتَوَفِّیْكَ‘‘ شروع میں فرمادیا، اور یوں اس کی تقدیم بہترین باعثِ تسلی ثابت ہے۔

قادیانی طریقۂ واردات کا توڑ خود قادیانی زبان سے

لفظ "تـوفـی" جو دیگر الفاظ کی طرح قادیانیت کے شرعی، لغوی اور بلاغی ضوابط سے اِنحراف کا ایک عظیم مظہر ہے، کیونکہ قرآن مجید میں قرائن کی وجہ سے جن جن آیات میں توفی سے اس کا کنائی معنی موت دینا مراد ہے، اس کی ایک طویل فہرست مرزا صاحب نے (توفی مسیح ناصری کے نام سے) تیار کرکے یہ ثابت کرنے کی ناکام سعی کی کہ'' توفی '' کا معنی ہی مارنا ہے، پھر وہ نام نہاد ضابطہ وضع کر دیا کہ اگر باب'' تـفـعـل '' سے تـوفـی ہو اور اس کا'' فاعل'' اللہ تعالیٰ ہو، اور مفعول ذِی رُوح ہو، اور لیل اور نوم کا قرینہ بھی نہ ہو تو وہ تـــوفـــی موت کے معنی پر دلالت کرے گا۔

(عسل مصفیٰ ص: ۲۴۴، ۲۴۵ ہشتم: لفظ توفی کے معنیٰ لغتِ عرب سے۔)

ہم کہتے ہیں کہ اگر'' تـــوفـــی '' اپنے فاعل و مفعول کی وجہ سے یا لیل و نیند کے بغیر موت دینے پر دلالت کرتی ہوتی تو توفی کے موت پر دلالت کے لئے قرائن موت کی ضرورت نہ رہتی جبکہ ہم نے آیاتِ قرآنیہ میں واضح طور پر قیود وشرائط کا مشاہدہ کرلیا تو یہی آیات اپنے قرائن کی موجودگی میں خود مرزا قادیانی کے طریقۂ واردات کا توڑ ہیں، جنہیں مرزا صاحب نے اپنی تائید کے لئے جمع کیا تھا۔

نیز ان آیات میں قادیانی مراجع بھی ہماری رائے کے مؤید ہیں، کیونکہ'' تـوفـی '' کے بارے میں جو رائے ہم نے پیش کی ہے وہ حق ہے، قادیانیت کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ کیجئے!

حوالہ نمبر ۱:-

"متـوفیک ورافعک إليّ على التقديم والتاخير، وقد يكون

الوفاة قبضا ليس بموت۔"

(مجمع البحار ج:۲ ص:۴۵۴ منقول از عسل مصفی ج:۱ ص:۵۷۱)

حوالہ نمبر ۲:-

"فلما توفيتنی ...الخ التوفی أخذ الشیء وافيا والموت نوع منه۔"

(تفسیر صافی بحوالہ عسل مصفی ج:۱ ص:۲۶۳)

حوالہ نمبر ۳:-

"يستعمل التوفی فی أخذ الشیء أي كاملا والموت نوع منه۔" (حاشیہ صاوی علی جلالین ج:۱ ص:۳۱۵، عسل مصفی ج:۱ ص:۲۶۳)

ہماری غرض صرف "توفی" میں قادیانی تناقض کو بیان کرنا تھا کہ مرزا صاحب اسے فاعل ومفعول اور لیل ونیند نہ ہونے کی وجہ سے موت پر حمل کرتے ہیں اور اسی کے اُمتی اسے اس کے اصل معنی پر حمل کرتے رہے ہیں۔

"توفی" کے بارے میں جن اُمور کی رعایت ضروری ہے:

۱- لفظ کا اصل معنی وہی ہوتا ہے جو اس کی وضع کے اعتبار سے ہو اور جس پر لفظ خود بخود بغیر کسی قرینہ کے دلالت کرے، جس میں کسی قید وشرط یا قرینہ کی ضرورت نہ رہے۔

۲- "توفی" کا لازمی یا کنائی معنی وہ ہوتا ہے جو قرینہ کی وجہ سے ہو۔ (نہ کہ فاعل اور مفعول کسی قرینہ کے نہ ہونے کی وجہ سے)

۳- کنائی یا لازمی معنی موقع ومحل اور شواہد وقرائن کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ اور موافق قرینہ ہوتا ہے فاعل اور مفعول کی وجہ سے نہیں

توفیٔ عیسیٰ میں جن اُمور کی رعایت ضروری ہے:

۱-قرآنِ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کو بطور انعام ذِکر کیا ہے، جو محض انہیں کا خاصہ ہے۔

۲-اس کی تعبیرِ قرآنی یوں ہے: ''یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ'' (آل عمران:۵۵) یہ صرف انہی کے ساتھ پیش آیا۔

۳-جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کی توفی کو نقل کیا گیا تو تعبیر یہ ہے: ''فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ'' (المائدۃ:۱۱۷) تو یہ صیغۂ ماضی میں توفی عیسیٰ علیہ السلام کا ان کی اپنی زبان سے بیان ہے۔

۴-قرآنِ حکیم میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مستقبل میں آنے والی موت کا بیان ہے وہاں پر تعبیر قرآنی یوں ہے: ''وَیَوْمَ اَمُوْتُ'' (مریم:۳۳) اور جس دن میری موت واقع ہوگی۔

ہر عقلمند انسان وہ قادیانی ہو یا غیر قادیانی اگر قرآنِ کریم کو اللہ کا کلام سمجھتا ہے اور وہ عربی زبان سے تھوڑا بہت واقف ہے تو اس پر بخوبی یہ واضح ہوجائے گا کہ: ''وَیَوْمَ اَمُوْتُ'' کے بعد: ''وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا﴿۳۳﴾'' آیا ہے۔ اور اس سے پہلے: ''وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ'' ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ مجھ پر سلامتی ہو جس دن میں مروں اور جس دن میں دوبارہ زندہ ہوکر اُٹھایا جاؤں۔ قرآن نے ان کی موت کے مستقبل میں واقع ہونے کی تو خبر دِی ہے، مگر ماضی میں واقع ہونا نہیں بتایا۔ اس لئے مستقبل کی موت کی شرط تا حال پوری نہیں ہوئی لھذا وہ تا حال زندہ ہیں ان کی موت واقع نہیں ہوئی

۵-جہاں پر: ''تَوَفَّیْتَنِیْ'' آیا ہے تو وہ قوم میں نہ ہونے کو بیان کرنے کے لئے ہے،

(ان کی موت کو بیان کرنے کے لئے نہیں)، اس لئے ''تَوَفَّيْتَنِيْ'' کے مقابلے میں: ''مَادُمْتُ فِيْهِمْ ج'' (المائدۃ:۱۱۷) کولایا گیا ہے، ''تَوَفَّيْتَنِيْ'' حیات کے مقابلے میں نہیں آیا ہے۔

۶- جہاں ''مُتَوَفِّيْكَ'' کہا گیا ہے، وہ خصوصی انعامات کے ذیل میں آرہا ہے، مرنا ان کی خصوصیت نہیں توفی ہے جس کا اپنا مفہوم شرعی ہے۔

توفیٔ عیسیٰ کے بارے میں مندرجہ ذیل اُمور بالکل واضح ہوگئے ہیں:

۱-توفی عیسیٰ کو مکرِ یہود کے مقابلے میں خیر الماکرین کا مظہر ہونا چاہئے۔

۲-وہ سباق وسیاق کے بھی موافق ہو۔

۳- یہود سے خلاصی اور جسد و رُوح کو قبضے میں لے کر ایسی جگہ پر لے جانا ہو جہاں تک ان کی کے دشمنوں کی پہنچ نہ ہو۔

۴-توفی کی وہ قسم ہو جو نعمت شمار ہوسکے۔

۵- جو عیسیٰ کی خصوصیت بن سکے۔

۶-توفی کی ایسی قسم نہ ہو جو نہ نعمت ہوسکے اور نہ خصوصیتِ عیسیٰ بن سکے۔

ان تمام اُمور کی رعایت جس توفی میں ہو اس کی صرف دو ہی صورتیں ہیں، اور وہی دو قول اہلِ اسلام کے ہیں:

۱- جمہور کا قول ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں۔ ۲-بعض حضرات کا قول ہے جس میں تقدیم و تاخیر لازم آتی ہے۔مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی صورت:- اس آن میں بتمامہ جسد و رُوح سمیت قبضہ اور ان کا اللہ کی تحویل میں چلے جانا توفی عیسیٰ ہے۔

دُوسری صورت:- اس موت کی طرف اشارہ ہونا جو یہود کی ناکامی کی دلیل ہے کہ عیسیٰ

علیہ السلام کی اجل آنے پر خود اللہ تعالیٰ ہی ان کی توفی فرمائیں گے، اور اس آن میں ''توفی'' باعث تسلی ہے۔

پہلی رائے جمہور مفسرین کی ہے، اور دوسری رائے بعض کا قول ہے، اور دونوں قول حق ہیں۔ دونو حیات عیسی علیہ السلام کے مثبت ہیں۔

یہ بھی یادر ہے کہ دونوں رائے والوں کا اس امر میں اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تا حال آسمان پر ہیں اور زندہ ہیں، یہی ارشاد باری تعالیٰ ''مُتَوَفِّيْكَ'' اور ''رَافِعُكَ'' کی تفسیر ہے اور اہل حق کا قول ہے جو قرآن وسنت سے مؤید ہے۔

قولِ باطل

توفی کی تیسری قادیانی صورت ہے کہ اس وقت تو نہیں مگر ۸۷ سال بعد ان کی موت ہو۔ یقیناً یہ قول کئی اعتبار سے باطل ہے کہ نہ تو یہ توفی نعمت خاصہ ہوسکتی ہے، نہ ہی سباق وسیاق کے ساتھ یہ مدلول توفی بنتا ہے، ہاں! یہ توفی کا قادیانی مفہوم ہے اور یہ ایسا مرزائی عقیدہ ہے جو لغت، شرع، نصوصِ قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمت کے خلاف ہے، لہٰذا یہ قول باطل اور واجبِ رَدّ ہے۔

مسئلۂ توفی پر مرزا صاحب کے چیلنج کی حیثیت اور قادیانی ضابطہ کی حقیقت

قرآنی اسلوب یہ ہے کہ لفظ ''توفی'' کے ساتھ جب قرینۂ نوم ہوگا تو یہ نیند پر دلالت کرے گا اور جب قرینۂ موت ہوگا تو موت پر دلالت کرے گا اور جب موت اور نوم دونوں کا قرینہ نہ ہوگا تو اپنے اصل معنی یعنی کسی چیز کو بتمامہ اور پورا پورا لے لینے پر حتماً دلالت کرے گا۔ یہی ہر صریح کا حکم ہے کہ وہ قرینہ سے کنائی پر اور بلا قرینہ اپنے اصل معنی پر وجوباً دلالت کرے

''نـوم '' کے قرینہ کے ساتھ اس سے موت ثابت کرنا یا کسی دیگر معنی پر اسے محمول کرنا اور موت کے قرینہ کے ساتھ اس سے موت کی نفی کرنا، یہ لغت اور اسلوبِ قرآن کے خلاف ہے۔ مرزا صاحب کا زوردار چیلنج اسی زُمرے میں آتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ: ''اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ'' میں جن علماء نے ''مـمـيـت '' کا معنی کیا ہے، انہوں نے اجل اور اتمامِ عمر کی قید لگا کر ہی ایسا کیا ہے، مگر نقل میں خیانت کرتے ہوئے قادیانیت نے اس طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ جمہور علماء نے بغیر قرینہ کے ''مُتَوَفِّیْكَ'' کو اصل معنی پر محمول کیا ہے، اور وہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے بتمامہ رُوح وجسد سمیت لے لینے کے معنی کرتے ہیں۔

خصوصی علمی مباحث اور انسانیت کے ساتھ فکری دہشت گردی

عوام کے سامنے صریح وکنایہ ان علمی مباحث کو بیان کرنا جو ان کے علمی معیار اور فکری استعداد سے بڑھ کر ہوں، ہمارے نزدیک یہ انسانیت کے ساتھ فکری دہشت گردی ہے، جس کا ارتکاب قادیانیت نے کیا ہے۔ لہٰذا اس موقع پر مناسب ہوگا کہ ہم اپنے عوام کے سامنے دو چیزوں کو واضح کر دیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ بھی اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ یاد رکھیں یا کم از کم اتنا ضرور یاد رکھیں کہ علمی مباحث کو عوام میں لاکر قادیانیوں نے کس قدر دھوکا دہی کی ہے۔ جسے ہم دو فقروں میں بیان کرتے ہیں:

اوّلاً:-قرآنِ حکیم، سنتِ نبوی یا لغتِ عرب میں الفاظ کی وہ خصوصی علمی مباحث (جیسے کہ: حقیقت ومجاز، صریح وکنایہ، مشترک ومترادف) جو محض علمائے کرام کے حلقات ودُروس سے ہی تعلق رکھتی ہیں اور علمی حلقات کا موضوعِ سخن بنتی ہیں، قادیانیت نے ان کے ذریعے کس طرح عوام کو دھوکا دیا ہے؟ اس کی وضاحت تو تفصیل سے ہم نے کر دی۔

ثانیاً:- قرآنِ کریم کی تفسیر میں قدم رکھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں، اس کے کچھ آداب وشروط ہیں، ان کا بیان ہم نے اپنے مقالہ ''دِین'' میں تفصیل سے کر دیا ہے۔

''توفی'' (موت سے کنایہ لانے کی حکمت)

اِتمامِ عمر کے موقع پر توفی سے موت کو بطور کنایہ بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اوّلاً دعویٰ کو دلیل کے ساتھ بیان کیا جائے کہ فلاں کی موت اس لئے ہوئی کہ وہ اپنے اَیامِ حیات پورے کر چکا ہے۔ نیز اس کلمے میں ادب بھی ہے، جیسے دُنیا سے کوچ کرنا، یا دُنیا سے منتقل ہو جانا، یا بندہ کا وصال ہو جانا اِتمامِ عمر پر یہ سب موت سے کنایہ ہیں۔ رحلت، انتقال یا وصال کو موت سے کنایہ کے طور پر استعمال کرنا اُردو اور عربی ہر دو زبانوں میں بھی معروف ہے۔ بلکہ دیگر مسلم امت کی زبانوں میں بھی اب کسی بڑے شخص کے بارے میں یوں نہیں کہا جاتا کہ اس کی موت ہوگئی وہ مر گیا، بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں کی رحلت ہوگئی ہے، ان کا وصال ہوگیا ہے، ان کا انتقال ہوگیا ہے۔

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ لفظِ رحلت، لفظِ انتقال، یا لفظِ وصال میں سے ہر ایک کا معنی موت ہی ہے، ہاں! یہ الفاظ موت سے کنایہ ضرور ہوں گے جب اس کا قرینہ ہو، اور غرضِ متکلم ادب واحترام سے کسی کی موت کا بیان کرنا ہو۔ نہ یہ مطلب ہے کہ یہ الفاظ موت سے مرادف ہوگئے، کیونکہ ترادف ایک معنی کے لئے ایک سے زائد لفظوں کا آنا ہوتا ہے، اور وہ یہاں نہیں، اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ توفی کا کلمہ نئی وضع سے نئے معنی کے لئے موضوع ہوگیا ہے، اور منقول ہی اپنا معنی چھوڑ کر نئی وضع سے دوسرے کے لئے موضوع بن جاتا ہے، بلکہ ان الفاظ کے معانی جب یہ موت کے لئے استعمال ہوتے ہیں تب بھی وہی ہوتے ہیں جو لغت میں مقرر ہیں، ہاں! کنایہ استعمال میں یہ اصل معنی سے لازم معنی کی طرف پھر جاتے ہیں اور پھیرنے والا قرینہ

ہوتا ہے۔

یہ اَمر بخوبی یاد رہے کہ کنایہ میں لفظ کا معنی تبدیل نہیں ہوتا، لفظ کی مراد متکلم کی غرض وغایت کے لئے لازم معنی ہو جاتی ہے، جس کے لئے قرینے کا ہونا ضروری ہے۔ کنایہ میں معنیٔ لفظ اور مقصود لفظ عین نہیں ہوتے بلکہ منطوق یا بولا گیا لفظ ساتر ہوتا ہے اور مقصود یعنی مرادِ متکلم مستور۔ اگر لفظِ مذکور جو ساتر ہے وہی معنیٔ مقصود کا مرادف ہو، جیسے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تـوفی کو موت کا مرادف قرار دے دیا، تو پھر ساتر اور مستور کا فرق مٹ گیا اور کنایہ کا تقدس ہی ختم ہو گیا، پھر کنایہ وہی لفظ بن سکتا ہے جس میں معنی مقصود کو چھپانے کی صلاحیت بھی ہو اور غرضِ متکلم بھی پوری ہو سکے، جس طرح کہ لفظِ ''تـوفـی'' کو جب قرینۂ موت میں موت کے لئے استعمال کیا جائے، یا قرینۂ نوم کے وقت نیند کے لئے استعمال کیا جائے تو موت یا نیند تـوفی کا اصل معنی نہیں، لازم معنی ہوں گے، یعنی ایک معنی مقصود کو دوسرے لفظ میں چھپا کر رکھا جائے، اسے کنایہ کہتے ہیں، اور عربی میں کہتے ہیں: ''کـنـیـت هـکـذا'' میں نے اس لفظ کو فلاں معنی کے لئے بطورِ کنایہ استعمال کیا ہے۔

خلاصۂ مبحثِ توفی

متکلم اگر قادر الکلام ہو تو وہ اپنی غرض معنیٔ مقصود کو قوت سے بیان کرنے کی خاطر فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ معیار کے اُسلوب میں ادا کرنے کے لئے صریح کے بجائے کنایہ کو اِختیار کرتا ہے، کیونکہ کنایہ قوتِ بیان میں صریح سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

عربی میں کہتے ہیں: ''الکنایة أبلغ من الصریح'' کسی معنی کو کنائی طور پر بیان

کرنا صریح طور پر بیان کرنے سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

عربی میں

عربی زبان میں جب ایک عربی کسی کی سخاوت کو، یا اس کے کرم کو بیان کرنے کے لئے: ''ھو کریم'' ''وہ بہت کرم والا ہے، کے بجائے یہ کہتا ہے کہ:''ھو کثیر الرماد'' ''وہ بہت راکھ والا ہے۔تو گویا وہ اس کی سخاوت اور کرم کی دلیل بھی بیان کرر ہا ہے۔تو کنایہ میں ایک بات دلیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہے، لہٰذا وہ صریح سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اُردو میں بھی کیا یہ ہوتا ہے

اُردو زبان میں جب کوئی شخص کسی حاکم کے عدل وانصاف کو بیان کرنے کے لئے یہ کہے کہ:''وہ عادل ومنصف ہے''اور دُوسرا یہ کہے کہ:''اس کے دروازے رات دن ہر ایک کے لئے کھلے ہیں''معنی تو دونوں کا ایک ہی ہے مگر بات دوسرے کی زیادہ زوردار ہوگی، کیونکہ اس میں اس کے عدل وانصاف کو کنائی طور پر بیان کیا ہے کہ ایک حکم کے ساتھ اس کی دلیل بھی بتادی۔

اُردو ہی میں کسی عظیم شخص کے اس دُنیا سے کوچ یا اس دُنیا سے انتقال کے وقت صراحت سے یہ نہیں کہتے کہ وہ مرگیا ہے، بلکہ اس کی عظمت کی خاطر کنایہ کے طور پر یوں کہتے ہیں:''فلاں صاحب رحلت فرماگئے''،''ان کا انتقال ہوگیا'' کیونکہ یہ بھی کوچ کرنے اور منتقل ہونے ہی کی ایک نوع ہے۔

تو اس موقع پر رحلت یا انتقال موت سے کنایہ ہے، کیونکہ اس رحلت اور اس انتقال کو موت لازم ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ رحلت یا انتقال کا معنی موت ہوگیا۔ ہاں! اس موقع پر رحلت یا انتقال کو موت سے کنایہ بنایا گیا ہے، جس کا قرینہ وہ موقع ومحل ہے جس میں وہ استعمال

ہوئے۔

قرآن میں توفی

جس طرح کسی کے ''کرم'' اور کسی کی موت کے بیان کے لئے اُردو زبان میں کنائی الفاظ ہیں، جن کے اپنے معانی ہیں، اسی طرح قرآنِ حکیم میں توفی کا لفظ جس کا معنی پورا پورا لینا، بتمام قبضے میں لے لینا، علٰی وجہ الکمال اخذ کرنے کے ہیں۔ مگر اس لفظ کے کنائی استعمال بھی ہیں۔

مگر ہر ایک موقع پر اِتمام، اِکمال، اور پورا پوار لینا ضرور ملحوظ رہے گا۔ ہم اس جگہ صرف ان مواقع کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں لفظ توفی کا فاعل اللہ، مفعول ذِی رُوح، اور معنی مقصود ہر موقع پر الگ الگ ہے، تاکہ توفی کا معنی واضح اور مرزائی ضابطہ یکسر باطل ہو جائے۔ اب تین مندرجہ ذیل متوفی کے استعمال ملاحظہ فرمائیں:

۱- اللہ تعالٰی عمومی نفوسِ بشریہ کی توفی فرماتے ہیں، اور ایسا پورا پورا لیتے ہیں جس کو نوم لازم ہے، اور یہ توفی حین المنام یعنی نوم اور نیند کے وقت ہوتی ہے، جو تمام نفوسِ بشریہ کو عام ہے، یہ کسی کی خصوصیت نہیں۔ نہ کسی کا اس سے استثناء

۲- اللہ تعالٰی اجل پر جب عمومِ نفس بشریہ کی توفی فرماتے ہیں، تو انہیں ایسا پورا پورا لیتے ہیں جس کو موت لازم ہے، اور یہ توفی حین الموت یعنی ان کی موت کے وقت ہوتی ہے، یہ بھی کسی کی خصوصیت نہیں۔ نہ اس سے کسی کا استثناء ہے

۳- اللہ تعالٰی بنی آدم میں سے ایک خاص شخصیت کی بطور خصوصی اِنعام توفی فرماتے ہیں، اس وقت جب اس کے دُشمن اس کے قتل وصلب کے درپے ہیں، اور اسے ایسا پورا پورا لیتے ہیں کہ اس کے جسم ورُوح جنہیں جدا کرنے کے لئے یہودی مکر کر رہے تھے، کو پورے طور پر اپنے

قبضے میں لے لیتے ہیں، پھر اسے اپنی طرف اُٹھا لیتے ہیں، یہ توفی عیسیٰ علیہ السلام ہے۔

یہ قرآنی بیان ہے، یہی توفی اللہ کی تدبیر کے یہودی مکر پر غلبے کا مظہر ہے، تو یقیناً جس کی توفی ہو رہی ہے اسے بتمام یعنی اس کے جسم ورُوح سمیت اللہ کا اپنے قبضے میں لینا اور اس کا رفع کرنا، یہی اللہ کی تدبیر کا غالب ہونا ہے۔

قرآنِ حکیم کی دیگر آیات اور احادیثِ نبویہ جو تواتر معنوی کے درجہ میں ہیں اس باب میں وارد ہیں پھر اُمت کا اجماعی عقیدہ یہی ہے، اس کے خلاف کوئی ضابطہ بنانا سب سے بڑی بے ضابطگی ہے، کیونکہ اس توفی کا نعمتِ خاصہ برائے عیسیٰ علیہ السلام ہونا، پھر اس کی دیگر کوئی مثال نہ ہونا اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ یہ امر خرقِ عادت ہے، اسے سامنے رکھ کر کوئی ضابطہ بنانا سب سے بڑی سفاہت ہے۔

دعوتِ مخلصانہ!

ہم قادیانی حضرات کو نہایت اخلاص اور دردمندانہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ توفی کے مسئلے میں مکمل علمی تحقیق کریں، اس کا لغوی مفہوم، اور اس کا قرآنِ حکیم میں استعمال، اس موضوع پر اَحادیثِ صحیحہ سبھی میں غور کرلیں۔ نیز صحابہ کرام کا اس موضوع پر عقیدہ، اور تسلسل سے اُمتِ مسلمہ کا اس باب میں اِعتقاد، ان سب کے تناظر میں توفیٔ عیسیٰ کے متعلق اپنا عقیدہ دُرست کریں۔ ان تمام مراجعِ لغویہ اور دینیہ کو چھوڑ کر صرف مرزا غلام احمد کی رائے کو اہمیت نہ دیں، کہ وہ بھی ضرور اپنی عقل وفہم کو اِستعمال کرکے خلوصِ دِل سے اس شرعی مسئلے کو سمجھیں اور دیگر مسائل میں بھی اُمتِ مسلمہ کا حصہ بن کر فہمِ قرآن اور فہمِ سنت اور سعادتِ دارین کی نعمت کے مستحق ٹھہریں۔

وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز

نمبر ⑲ از سلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

آیتِ توفی
اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اِنعاماتِ ربانی کی تفسیر

آیتِ توفی کا سیاق وسباق

قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ؑ﴿۵۴﴾''

(آل عمران)

اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے تدبیر فرمائی اور اللہ بہترین تدبیر فرمانے والے ہیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے پانچ انعامات کا ذِکر بطورِ احسان فرماتے ہیں، اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ اس وقت ہوتا ہے جب حضرت عیسی علیہ السلام دشمنوں کے نرغے میں ہیں

''اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾''

(آل عمران)

''یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تم کو پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں، اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں، اور جو تمہارے ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو

تمہارے منکر ہیں روزِ قیامت تک، پھر قیامت کے روز سب کی واپسی میری طرف ہوگی تو میں ان تمام اُمور میں فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف رکھتے تھے۔''

اعدائے عیسیٰ علیہ السلام کی سازش اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں نے یہ منصوبہ بندی کی کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو اپنی تدبیر سے ناکام کرتے ہوئے حضرت عیسی علیہ السلام کی حفاظت فرمائی۔ اور یہ حفاظت اس انداز میں فرمائی کہ کسی بشر کا ذہن اس تدبیر کو سوچ بھی نہیں سکتا۔ اور وہ تدبیر تھی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی اور ان کا رفع اور تطہیر۔ یہی وہ بہترین تدبیر تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔''

حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجاس سے نکال کر اطہار میں پہنچادیا، جہاں کفر کی بو تک نہیں، اور نہ ہی ان سے عداوت کا تصور ہے، کوئی ان کے جسم اطہر کو گزند نہیں پہنچا سکتا، پھر حسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اَتباع کو ہمیشہ یہود پر غالب رکھا، قربِ قیامت کے وقت جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کے اَتباع کی کثرت یہود میں سے ہوگی، وہ اپنی حکومت اور سلطنت قائم کریں گے، اپنی قوت اور طاقت کا مظاہرہ کریں گے، تو ان کے خاتمے کے لئے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول فرمائیں گے، جو ان کی شان وشوکت اور طاقت وقوت کو توڑ دیں گے، اور دجال کو قتل کریں گے، ظلم کا خاتمہ اور انصاف کا بول بالا کریں گے، توحید کی اِقامت کریں گے، اور کفر وشرک کا خاتمہ ہوگا، وہ خود حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، غیر مسلموں پر سے جزیہ اٹھادیں

گے، ان کے متعلق یہود نے جو غلط خبریں پھیلائیں تھیں ان کا رَدّ کریں گے، یہود کے دعویٔ قتل وصلب اور نصاریٰ کا انہیں ابن اللہ اور تین میں سے تیسرا ماننے کی نفی فرمائیں گے، تمام عقائدِ باطلہ کا خاتمہ فرمائیں گے، اس طرح تمام اُمتوں پر ان کی توفی اور رفع ونزول کا قضیہ واضح ہوجائے گا کہ وہ جسم اور رُوح کے ساتھ اُٹھائے گئے تھے اور وہ حالتِ حیات میں تھے، سب پر یہ اُمور عیاں ہوں گے۔

ان کے ہاتھ سے اسلام کو غلبہ ملے گا یہاں تک کہ تمام اہلِ کتاب ان کے بارے میں اور دیگر اُمور میں حق کو اِختیار کریں گے، اس باب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ’’وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ج‘‘ (النساء:۱۵۹) تمام اہلِ کتاب ان کی موت سے پہلے پہلے ان پر اِیمان لائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پانچ وعدوں کا قرآن کی اس آیت میں ذکر ہے:

۱-ان کی توفی۔

۲-ان کا رفع۔

۳-کفار سے ان کی تطہیر۔

۴-ان کے متبعین کی ان کے مخالفین پر تاقیامت فوقیت۔

۵-ان کے بارے میں اُمتوں کے باہم اختلافات کے ربانی فیصلے۔

پہلا وعدہ

اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلا وعدہ ان کے کلام مبارک میں ’’مُتَوَفِّيْكَ‘‘ کا ہے۔ ’’توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام‘‘ پر ہم نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے، اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں سے نکال کر اپنی عصمت اور حفاظت میں پورے طور پر لے لیا۔

یہی جملہ مفسرین، صحابہ کرام اور تابعین کرام سے منقول ہے، یہی اُمتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدۂ توفی، (پورے طور پر اپنے قبضے میں لینا) ہے، نہ کہ انہیں موت دینا ہے، کیونکہ توفی کے ذریعے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی اور بشارت دی جارہی ہے جو کہ انہیں موت دینے کی صورت میں کسی طور پر قرینِ قیاس نہیں بنتی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان لوگوں کے درمیان سے جسم اور رُوح کے ساتھ اس طرح اُٹھایا جس طرح نعمت کو ناقدروں کے درمیان سے اُٹھایا جاتا ہے، اور ان کا رفع اس جگہ فرمایا جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا، چہ جائیکہ وہ وہاں تک پہنچ کر ان کے خلاف کوئی سازش کرسکیں۔

توفی کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے نعمت ہونے کے متعلق درج ذیل اُمور کا تحقق ہونا ضروری ہے:

۱-''توفی'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلی، اطمینان اور ان کے لئے باعث بشارت ہو۔

۲-اعدائے اسلام کی اس میں ذلت اور رسوائی ہو۔

۳-توفی سے اللہ تعالیٰ کی تدبیر دشمنوں کی سازش پر غالب ہو۔

۴-توفی قدرتِ ربانی کا مظہر ہو۔

۵-توفی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت بنے۔

جب ان تمام اُمور کا تحقق ہو، وہی توفی کے دُرست معنی ہوں گے، بصورت دیگر وہ کوئی صورت ہو، توفی کا مفہوم متحقق نہ ہوگا۔

مشہور محدث سیّد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اپنے عربی منظوم کلام میں فرماتے ہیں کہ:

وجـــوه لـــم تـــكـــن أهلًا لـــخيـــر
فيـــأخـــذ مـــنـــه عيســـىٰ إليـــه
ويـــرفـــعـــه ولا يبـقيـــه فيهـم
كـــأخـــذ الشـــيء لـم يشكـــر عـليـــه
وحيـــزًا كـمـــا يـحـاز الشـيء حـفـظـا
وآواه إلـــى مـــأوى لـــديـــه

وہ چہرے جو خیر کے اہل نہ تھے، اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان سے اپنی طرف لے لیتے ہیں، وہ انہیں اُٹھا لیتے ہیں اور ان کے درمیان نہیں چھوڑتے، جیسے کہ کسی ناشکرے سے نعمت چھینی جاتی ہے، انہیں حفاظت کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا اور انہیں اپنے ہاں بلند ٹھکانا عطا فرمایا۔

وجوہِ ترجیح برائے مذکورہ مفہومِ توفی

اولاً معمولی تأمل کیا جائے تو یہی معنی اللہ تعالیٰ کے کلام: ''وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ'' کے مناسب ہے، کیونکہ یہود کی سازش اور مکر کی انتہائی حد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل اور ان کی موت تھا، اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کو باقی رکھنا تھا۔ اور جب مخلوق کا مکر اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر آمنے سامنے آجاتے ہیں تو اللہ کی تدبیر ہی غالب آتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ'' (یوسف:۲۱) اللہ تعالیٰ ہی اپنے فیصلوں میں غالب

آتے ہیں۔

ثانیاً:-قرآنِ کریم میں جس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے دشمنوں کی سازش اور ان کے مکر کا ذِکر کیا، اور اس کے مقابلے میں اپنی تدبیر کو بیان کیا، تو اللہ تعالیٰ ہی کی تدبیر دشمنوں پر غالب رہی، اور انبیاء کے دشمن انہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔

اس طرزِ بیان کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کے وقت مدینہ کا قصد کیا تو مشرکینِ مکہ نے آپ کے قتل کی سازش کی، اور اس کے لئے پوری منصوبہ بندی اس طرح کی کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک جوان کو اس کام میں شریک کیا جائے، تاکہ آپ کا قبیلہ مجبوراً خون بہا پر راضی ہوکر صلح پر آمادہ ہوجائے، مگر اللہ کی تدبیر آپ کی حفاظت کرنا تھی، چنانچہ ہجرت کی رات وہ تمام لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے آپ کے گھر پر جمع ہوگئے آپ انہی کے درمیان سے سورۂ یٰسٓ کی آیت: ''وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹'' کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے سروں پر مٹی ڈالتے اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور آپ جب ان کے درمیان سے نکل رہے تھے تو ابوجہل ان جوانوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ: محمد کا یہ خیال ہے کہ اگر تم اس پر ایمان نہیں لاؤ گے تو جہنم میں جاؤ گے، اور اگر اِیمان لاؤ گے تو جنت میں جاؤ گے۔ آپ نے وہاں سے گزرتے ہوئے اس کی اس بات کا جواب بھی یہ فرماتے ہوئے کہ: ''ہاں میں یہی کہتا ہوں!'' اس انداز سے نبی کریم کا اپنے دشمنوں کے درمیان سے نکلنا یقیناً اللہ تعالیٰ کی تدبیر تھی جو کہ اللہ کے دشمنوں کی سازش پر غالب رہی اور دشمن آپ کا بال بھی بیکا، نہ کرسکے، اور آپ کے بحفاظت نکل جانے کے بعد لکیریں پیٹتے رہے۔ قرآن اس مقام پر یہ کہتا ہے:

''وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ط وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ﴿۳۰﴾''

(الانفال:۳۰)

''جب کفار نے آپ کے خلاف یہ منصوبہ بندی کی کہ آپ کو جکڑیں یا قتل کریں یا آپ کو نکالیں، اور اللہ نے ان کے مقابلے میں تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ ہی بہترین تدبیر فرماتے ہیں۔''

یقیناً اللہ تعالیٰ کی بہترین تدبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو خائب وخاسر کرنا، ان کے عزائم کو خاک میں ملانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحفاظت ان کے درمیان میں سے نکالنا ہی ہے۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور پر پہنچے تو وہاں بھی آپ کا تعاقب کیا گیا، مگر وہاں بھی اللہ کی تدبیر غالب رہی اور مکڑی نے جالا بن لیا، کبوتر نے انڈے دے دیئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر کی ایک اور مثال حضرت صالح علیہ السلام کے قصے میں ملاحظہ فرمایئے! ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَمَکَرُوْا مَکْرًا وَّمَکَرْنَا مَکْرًا وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ مَکْرِھِمْ لا اَنَّا دَمَّرْنٰھُمْ وَقَوْمَھُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۱﴾'' (النمل)

''اعدائے نبوّت نے حضرت صالح علیہ السلام کے خلاف مکر کیا، اور ہم نے ایسی تدبیر کی کہ انہیں خبر بھی نہ ہوئی، سوتم دیکھ لو! کہ ان کی سازش کا کیا انجام ہوا؟ ہم نے ان کو اوران کی پوری قوم کو برباد کردیا۔''

سنت اللہ یہ رہی ہے کہ جب بھی اس کے انبیاء کے خلاف ان کے دشمنوں نے سازش کی اور انہیں تکلیف پہنچانے کی منصوبہ بندی کی تو اللہ نے اپنی تدبیر سے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا اور اپنے انبیاء کی حفاظت فرمائی۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کی طرف آتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کی ''توفی'' اللہ تعالیٰ کی بہترین تدبیر تھی، اس توفی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے دشمنوں کے نرغے میں سے نکال کر بحفاظت جسد و رُوح کے ساتھ اپنی طرف ایسے مقام پر اُٹھالیا جہاں ان کے دشمنوں کی پہنچ ناممکن تھی۔

دُوسرا وعدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا دُوسرا وعدہ ''وَرَافِعُكَ اِلَیَّ'' ہے، یعنی میں تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔

یہ ''رفع'' لغت، قرآن، حدیث اور اِجماعِ اُمت کے اعتبار سے جسدی ہے، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی: ''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ؕ'' (النساء:۱۵۸) سے ہوتی ہے کہ ان کے دشمن ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، نہ انہیں قتل کر سکے اور نہ انہیں سولی پر چڑھا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو ''مقتول'' ہونے اور ''مصلوب'' ہونے سے بچا کر ''مرفوع'' فرمادیا۔ یہ قرآن کی نصِ قطعی سے ثابت ہے، پھر اس آیت کا سیاق وسباق بھی اسی معنی کو واضح کرتا ہے کہ وفدِ نجران کی آمد پر یہ آیت نازل ہوئی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ جسدی کے قائل تھے، اگر ان کا رفعِ جسدی کا عقیدہ باطل ہوتا تو قرآن اس کی تائید ہرگز نہ کرتا، بلکہ لازماً اس کی تغلیط کرتا۔ جیسا کہ قرآن نے نصاریٰ کے دیگر عقائدِ باطلہ کا رَدّ کیا ہے، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

میں ابن اللہ ہونے اوران کے تین میں سے تیسرے کا عقیدہ شامل ہے۔

قادیانیت اس مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے ان کے رفع درجات مراد لیتی ہے،[1] اوراس کی یہ تاویل بلا دلیل اور بلاقرینہ ہے، کیونکہ اس سے نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے اور نہ تو فی نعمت خصوصی کہ اس پر احسان جتلایا جائے۔

(۱) ازالہ اوہام، حصہ دوم ص: ۴۲۳، روحانی خزائن ج: ۳ ص: ۴۲۳۔

رفع درجات تو عام مؤمنین صالحین کے لئے بھی ہے، یہ تاویل عمومی قرآنی اُسلوبِ بیان اور دیگر نصوصِ قرآن اور نصوصِ سنت اور اجماع اُمتِ مسلمہ کے سراسر خلاف ہے، لہٰذا باطل ہے۔

تیسرا وعدہ

اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تیسرا وعدہ: ''وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' (آل عمران:۵۵) ہے۔ یعنی آپ کو ان لوگوں سے خلاصی اور چھٹکارا دینے والا ہوں جو آپ کے منکر ہیں۔ یعنی ان کے نجس ہاتھ تم تک پہنچ بھی نہ سکیں گے، قتل اور سولی پر چڑھانا تو دُور کی بات ہے۔

یہ وعدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسدی کی تائید کرتا ہے، اس کی مزید تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے: ''وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ'' (المائدۃ:۱۱۰) اور جب ہم نے بنی اسرائیل کو تم سے روک دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دشمنوں کے نجس ہاتھوں سے تطہیر اور جسدِ پیغمبری کو ان کے ہاتھ سے محفوظ رکھنا، یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ان کا رفع جسدی ہوا۔

اگر رفع سے رفعِ درجات ہوتا تو ان انجاس سے تطہیر اوران کے ہاتھوں کا ان کے جسم کو چھونے سے روک دینے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ کا اس مقام پر اپنی دوصفتوں

''عزیز اور حکیم'' کو ذِکر کرنا بھی اس معنی کو تقویت دیتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قوتِ قاہرہ اور حکمتِ بالغہ سے ان کا جسمانی رفع فرما کر اس کا مظاہرہ فرمایا کہ غالب اور حکمت والے نے ایسا کیا ہے جو عاجز انسان نہیں کرسکتا ہے۔ عاجز انسان دشمنوں کے نرغے سے اگر نکل سکتا ہے تو آسمان تک نہیں پہنچ سکتا، نہ عاجز انسان ایک بشر کو ملائکہ کے وسط میں زندہ رکھ سکتا ہے، ہاں! البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو یہ سب اس کی قدرت میں ہے، وہی عزیز ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ وہ حکیم بھی ہے، یہ اس کی حکمت کا مظہر ہے۔

چوتھا وعدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا چوتھا وعدہ: ''وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ'' (آل عمران:۵۵) ہے، یعنی قیامت تک میں تیرے پیروکاروں کو تیرے دشمنوں پر فوقیت دیتا رہوں گا۔

ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس مقام میں فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کی یہود پر نصرت فرمائی، کیونکہ نصاریٰ ان کے مقابلے میں حق کے زیادہ قریب ہیں، اگرچہ دونوں کافر ہیں۔

یہ حکمتِ ربانی ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک نصاریٰ یہود پر غالب رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ اس طرح پورا ہوتا رہا۔

پانچواں وعدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا پانچواں وعدہ: ''فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ'' اختلافات کے اندر فیصلہ ہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اہلِ حق اور باطل کے درمیان آخری فیصلے آخرت میں ہی ہوں گے، مگر یہود اور نصاریٰ کے درمیان مختلف فیہ مسائل کے فیصلے قیامت سے قبل حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہو جائیں گے، اور گمراہ لوگ ان فیصلوں کو قبول بھی کریں گے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے، صلیب کو توڑیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے تو نصاریٰ کے باطل عقائد میں سے ان کی اِبنیت واُلوہیت اور تثلیث کی خود بخود تردید ہو جائے گی۔ اسی طرح ان کی دوبارہ آمد پر یہود اپنے عقیدۂ قتل وصلب سے توبہ کرلیں گے، اور سب یہی اقرار کریں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھالئے گئے تھے، اور وہی اس دُنیا میں دوبارہ نازل ہوئے ہیں۔ اور جو کچھ قرآن، اور نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں کہا وہ حق ہے، سبھی یہ کہیں گے کہ اسی بات کا تو ہم سے اللہ اور رسول نے وعدہ کیا تھا اور بے شک اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں، جس سے اہل ایمان کے ایمان کو مزید تقویت ملے گی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

''وَمَازَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾'' (الاحزاب)

اسے انہیں انمان وتسلیم ہی میں بڑھادیا

اسی طرح حق تعالیٰ ان تمام اختلافات میں فیصلہ ظاہر کریں گے جو یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں میں تھا۔

مخلصانہ دعوت!

آخر میں ہماری قادیانیت کو مخلصانہ دعوت ہے کہ وہ آیت توفی میں غور کریں۔ اہلِ تفسیر نے اس آیت کی جو تفسیر فرمائی ہے اس کا جائزہ لیں، ان میں سے بعض وہ مفسرین بھی ہیں جنہیں قادیانیت مجددین میں شمار کرتی ہے، ممکن ہے کہ حق تعالیٰ شانہ معمولی تامل سے راہِ ہدایت کو ان پر واضح فرمادیں۔

خلاصۂ مبحث

۱-آیت توفی کی تفسیر جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے پانچ وعدوں پر مشتمل ہے، وہ یہ ہیں:

۱- توفیٔ عیسیٰ علیہ السلام۔

۲- رفعِ عیسیٰ علیہ السلام۔

۳- تطہیرِ عیسیٰ علیہ السلام۔

۴- قیامت تک ان کے ماننے والوں کی ان کے دشمنوں پر فوقیت اور غلبہ۔

۵- اختلافات میں فیصلہ۔

توفی کا وہی معنی حق ہے جس میں یہ اُمور متحقق ہوں:

۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلی ہو۔

۲- منکرین عیسیٰ کے لئے ذِلت اور رُسوائی ہو۔

۳- اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا دُشمنوں کی سازش پر غلبہ ہو۔

۴- جو قدرتِ ربانی کا مظہر ہو۔

۵- توفی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ثابت ہو، دیگر کوئی بشر اُن کا شریک نہ ہو۔

نمبر ⑳ ازسلسلۂ ''دِین بھلائی ہے''

''رفعِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام''
قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمت کی روشنی میں

تمہید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے مراد ان کا اپنی رُوح اور جسد کے ساتھ آسمان پر اُٹھایا جانا ہے۔ رفعِ عیسیٰ علیہ السلام ان مسائل میں سے ہے، جس میں قادیانیت نے ایسی تأویل کی ہے جو لغت میں اس لفظ کے معنی، اور شرع میں اس کے مفہوم و مدلول، اور اُمتِ مسلمہ کے ہاں مُسلَّمہ اور مجمع علیہ عقیدے کے خلاف ہے۔

عقل و منطق کا تقاضا ہے کہ ذی عقل و شعور کسی بھی علمی بات میں تعصب اور جہالت سے ہٹ کر علم و معرفت اور تحقیق کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔ یہی اس کے ذی شعور ہونے کی دلیل اور راہِ ہدایت کو اختیار کرنے اور راہِ سعادت پر گامزن ہونے کا کھلا راستہ ہے۔

یاد رہے کہ:

جملہ اہلِ ایمان، پھر اقرار کے درجے میں یہ اَمر قادیانیت کے ہاں بھی مُسلَّم ہے کہ قرآنِ حکیم کلامِ حق تعالیٰ شانہ ہے، وہ واقعات و حقائق کے بیان میں خالص صدق اور سچائی پر مبنی ہے، جس میں نازل کرنے والے نے سوائے حق کے کچھ داخل نہیں فرمایا۔ نیز جس عظیم ہستی پر وہ نازل ہوا اس نے اسے اسی طرح سمجھا جیسے نازل کرنے والے نے فرمایا۔ پھر مہبطِ وحی جناب خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جو معانی و مفاہیم اور مدلولات مقرر فرمائے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہیں دُرست سمجھا، اور پوری دیانت داری سے آگے اُمت کو پہنچایا۔ قرآن کے الفاظ بھی محفوظ ہیں اور شارع علیہ السلام کی تفسیر و شرح بھی محفوظ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ؕ'' (النساء:۱۰۵)

''ہم نے آپ پر کتاب کو حق (سچائی) کے ساتھ نازل کیا تا کہ آپ لوگوں میں ویسے فیصلے کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سجھائیں۔''

گویا قرآن حکیم اُمتوں کے مابین مختلف اُمور میں حق و سچ کے فیصلوں میں بطور حَکَم کے ہے، اللہ تعالیٰ کے رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے مابین حق اور سچ کا علم بیان کرنے والے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

''وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ۙ'' (النحل:۶۴)

''ہم نے آپ پر یہ کتاب اس لئے نازل کی کہ آپ خوب کھول کر بیان کردیں جن میں وہ لوگ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔''

گویا کہ اُمتوں کے مختلف اُمور میں حق و سچ وہی ہے جسے قرآن اور صاحبِ قرآن بیان کریں، وہ اُمور عقائد کے ہوں، یا دیگر تاریخی حقائق ومُسلَّمات ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں مختلف فیہ اُمور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کے بارے میں اُمتوں نے جو اِختلاف کئے وہ معروف ہیں، وہ قرآنِ حکیم میں بھی مذکور ہیں اور دیگر کتب میں بھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود نے یہ مشہور کررکھا تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ صلیب قتل

کر دیا۔ ۲-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ صدیقہ حضرت مریم علیہا السلام پر انہوں نے بہتان تراشی کی۔ ۳-انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ مقدس کو مطعون و مجروح کیا۔

قرآنِ حکیم کی متعدد سورتوں، سورۂ بقرہ، مائدہ، مریم اور دیگر کئی مواقع پر ان اُمور کا ذکر موجود ہے۔

نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جن عقائد کی اشاعت کی تھی، قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق وہ یوں ہیں:

۱- وہ اللہ ہیں۔

۲- وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔

۳- وہ تین میں سے تیسرے ہیں۔

۴- انہیں سولی دیا گیا۔

۵- وہ دوسروں کے لئے کفارہ بن گئے۔

۶- انہیں آسمان کی طرف جسدِ عنصری کے ساتھ اُٹھایا گیا ہے۔

۷- وہ قیامت سے قبل دُنیا میں آئیں گے۔

قرآنِ حکیم اور مختلف اُمتوں کے مسائل

قرآنِ حکیم جو حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری آسمانی کتاب کے طور پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی، وہ حقائق کے بیان میں اتھارٹی اور سند ہے، جس میں تحریف وتبدیل ناممکن ہے۔ یہ کتابِ عزیز مختلف اُمم میں مختلف فیہ مسائل میں فیصل بن کر نازل ہوئی، اس کا طرزِ بیان یوں ہے کہ اس نے:

بعض مختلف فیہ عقائد کا رَدّ کیا۔

بعض مختلف فیہ عقائد پر سکوت اِختیار کیا۔

بعض کا خود صراحت سے بیان کیا۔

ضابطۂ اِیمانی

قرآنِ حکیم جن عقائد کا رَدّ اور نفی کر دے تو ان کا بطلان واضح ہے۔ اور اگر قرآنِ حکیم سابق و مشہود حقائق پر سکوت اِختیار کر لے تو یقیناً یہ ان کے حق و سچ ہونے کے لئے کافی ہے، کیونکہ باطل عقیدہ اور ناحق اور منکر اَمر پر اِنکار نہ کرنا سنت اللہ کے خلاف ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ رہی کہ باطل اور منکر عقیدہ اور عمل پر نکیر فرماتے۔ شارع کا کسی اَمر پر سکوت کرنا، اس کے منکر نہ ہونے کی دلیل ہے۔ یا قرآن کا کسی اَمر کی نفی کرنا، یا کسی عقیدے کا اِبطال فرمانا، اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن کا کسی عقیدے کو بیان کرنا، پھر اس کے بیان کے بعد اس کے بارے میں شک وشبہ میں رہنا، یا دیگر لوگوں میں اس کے بارے میں تشکیک پھیلانا، یہ اہلِ ایمان کی سیرت نہیں، یہ تو عین اہلِ کفر کا ہی شیوہ رہا ہے۔

قرآنی اُسلوب اور ماحصل

قرآنِ حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مندرجہ ذیل اُمور کا صراحت سے رَدّ فرمایا:

✡ ان کے بارے اُلوہیت کے عقیدے کا یوں رَدّ فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ''

(المائدۃ:۱۷)

''یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہیں۔''

✡ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ابن اللہ ہونے کا یوں رَدّ فرمایا، ارشادِ باری

تعالیٰ ہے:

''وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ'' (التوبۃ:۳۰)

''یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ ان کا محض زبانی قول ہے۔''

✡ عقیدۂ تثلیث (تین میں سے ایک ہونے کی) نفی یوں فرمائی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ''

(المائدۃ:۷۳)

''بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہیں۔''

✡ عقیدۂ کفارہ کی نفی اس طرح فرمائی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى'' (الانعام:۱۶۴)

''کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اُٹھانے والا نہ ہوگا۔''

''كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝۳۸''(المدثر)

''ہر انسان اپنے کئے کا جواب دہ ہوگا۔''

اب اگر قرآنِ حکیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''رفع'' کے بارے میں سکوت بھی اختیار فرماتا تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کی صحت کی دلیل تھی، مگر قرآنِ حکیم نے نہ صرف سکوت اختیار نہ فرمایا بلکہ پوری صراحت سے ان کے رفع کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا، تا کہ اس کے انکار

کی گنجائش باقی رہے، نہ کوئی اس میں تاویل کرسکے۔ یادرہے کہ اب رفع عیسیٰ کا انکار کسی معمولی یا فرعی مسئلہ کا انکار نہیں ٹھہرے گا، بلکہ یہ انکار رفع، انکار قرآن، انکار قطعیات اور انکار مُسلَّمات میں سے شمار ہوگا، اور رفع کے منکر اور اس میں تاویل کرنے والے کو دائرۂ اسلام سے خارج کردے گا۔

نیز مہبط وحی جناب نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو مؤکد طور پر اس اُسلوب سے بیان فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کو سنتِ مطہرہ کے بیان میں معنوی تواتر حاصل ہے، جس کی تصریح علمائے اسلام نے فرمائی ہے۔

سیّد محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ کا عربی زبان میں ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' نامی رسالہ مطبوع ہے۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام اور ادلہ کا بیان

اوّلاً:- قرآنِ کریم نے جن آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُٹھائے جانے کا ذِکر فرمایا ہے، ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

سورۂ آل عمران آیت نمبر ۵۵ میں ہے:

''وَرَافِعُكَ اِلَیَّ'' (میں تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں)

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے توفی کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے دیگر اِنعامات کا ذِکر فرمایا، جن میں سے ان کا رفع بھی ہے۔ اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے دشمنوں سے بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر کا مظہر ہے۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۸۷ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک ہے:

''وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ ...... بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾''

''ان کے دشمن نہ انہیں قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا سکے...... بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اُٹھالیا........''

ان دونوں آیتوں میں حق تعالیٰ شانہ نے ان کے جسم عنصری سمیت انہیں اپنی طرف اُٹھانے کا ذِکر اپنی قدرت کے اظہار کے ساتھ فرمایا ہے۔

شانِ نزول

جملہ اہل تفسیر اور آثار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ '' آیات رفع'' کا نزول اس وقت ہوا جب نجران سے نصاریٰ کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم اور رُوح کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے جانے اور قربِ قیامت کے وقت ان کے نزول کے قائل تھے، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

وہ قادیانیت کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کو رفع درجات سے تاویل کرنے والے نہ تھے۔ تو ایسی اُمت کے سامنے قرآنِ حکیم نے اپنی اُمتِ مسلمہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ عقیدہ پیش فرمایا جس کے وہ بھی قائل تھے۔

معاذ اللہ...! یہ ممکن ہی نہیں کہ وفدِ نجران تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسدِ عنصری کے ساتھ رفع کے قائل ہوں، اور قرآن جس کا متکلم ذاتِ باری تعالیٰ ہے، اور جس پر نازل ہوا وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی رفع سے مراد وفدِ نجران سے برعکس رفعِ رُوحانی ہو، کیونکہ ایسا کرنا اس وفد کے ساتھ اوّلاً دھوکا ہوتا، کہ وہ رفع سے جسمانی اور مسلمان رفعِ روحانی مراد لے کر خلط کرتے۔

ثانیاً:- اگر ان کا رفعِ جسمانی کا عقیدہ غلط ہوتا اور یہ اَمر خلافِ واقع ہوتا تو نصاریٰ کے

اس وفد پر حق کو مخفی رکھنا، یہ اُسلوب سنتِ ربانی اور سنتِ نبوی کے سراسر خلاف سمجھا جاتا۔

ثالثاً:- یہ جملہ اُمتِ مسلمہ کے ساتھ بھی دھوکا ہوتا کہ حق تو رفع روحانی ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ اور رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم جان چکے، مگر دیگر پر اس کو مخفی رکھا تا کہ تا قیامت انسانیت لبس وخلط میں رہے اور ان پر حق واضح نہ ہوسکے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور وظیفۂ رِسالت کے خلاف اَمر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت تو یہ ہے کہ وہ باطل عقائد پر سکوت نہیں فرماتے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود ونصاریٰ کے غلط عقائد، جھوٹے پروپیگنڈہ، ان کے قتل ہونے، سولی پر چڑھائے جانے، ان کی اُلوہیت، اِبنیت اور تثلیث سب کی کھلے طور پر تردید فرمائی، حق تعالیٰ شانہ یہود کی خوشنودی کی خاطر ان کی اشاعت قتل وصلب پر اور نصاریٰ کی خوشی کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت، ابنیت اور تثلیث پر نہ صرف خاموش نہ رہے بلکہ کھلے طور پر ان کی ان اُمور میں تردید فرمائی۔

اسی سنت کے مطابق انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسدی کے بارے کھل کر بیان فرمایا اس کی تائید فرمائی اور نصاریٰ کے اس وفد نجران کے عقیدۂ رفع ونزول اور اسلام کے عقیدہ رفع ونزول کی موافقت بیان فرمائی۔

''رفع'' لغت میں

لغت کے اندر ''رفع'' کا معنی اُٹھانا ہے، اس کی ضد ''خفض' اور ''وضع'' ہے، یعنی پست کرنا اور گرانا۔ پھر رفع جس پر واقع ہو وہ ''مرفوع'' ہوتا ہے، وہ نیچے سے اُوپر اُٹھایا جاتا ہے، اور اس کی ضد ''مخفوض'' ہے جسے اُوپر سے نیچے لایا جاتا ہے۔

اب ''رفع'' کہہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ اُٹھایا جائے اور انہیں دشمنوں کے نرغے

میں ہی چھوڑ دیا جائے، اور ان کے بارے میں رَبّ تعالیٰ کا یہی فیصلہ ہو کہ تم دشمنوں میں ہی رہو اور ہم تمہارے درجات بلند کر رہے ہیں۔ یہ لغت کے ساتھ ایسی زیادتی ہے جو بلا دلیل ہے، لفظ کو اس کے وضعی معنی سے ہٹانے کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو یہاں پر ناپید ہے۔

مزید شواہد کیا کہتے ہیں؟

اگر ہم قرآنِ کریم کی آیاتِ رفع کے اندر قرآن کے اُسلوبِ بیان میں غور کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ:

قرآنِ حکیم رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کو رفع حقیقی ہی سمجھتا ہے، اور اس رفع کو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت گردانتا ہے، اور قرآن اسے اللہ تعالیٰ کا ان پر انعامِ خاص شمار کرتا ہے۔

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ یہود پر اپنے غضب کے اسباب آیت: ''فَبِمَا نَقْضِهِمْ'' (النساء:۱۵۵) میں بیان فرماتے ہیں، وہ اسباب یہ ہیں:

۱-عہد توڑنا۔ ۲-اللہ کی آیات کا انکار کرنا۔ ۳-انبیاء کو قتل کرنا۔ ۴-حضرت مریم پر بہتان باندھنا۔ ۵-ان کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کیا۔ ۶-ان کا یہ قول کہ ہمارے قلوب بند ہیں (یعنی حق کو سننا یا قبول نہیں کرنا چاہتے)۔

ان اسباب کے بیان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ.....'' (النساء:۱۵۵)

پھر انہی اسباب کے ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

''وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ''

(النساء:۱۵۷)

''نیز یہود پر غضبِ ربانی ہونے کے اسباب میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ ہم نے مسیح بن مریم کو قتل کیا......''

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہود سے ناراضگی کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ یہود یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا، جبکہ بقول قرآن حقیقتِ حال اس کے برخلاف ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ:

''وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ۙ۱۵۷'' ''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ'' (النساء)

انہوں نے نہ انہیں قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کی مشابہت دے دی گئی اور جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا یقیناً وہ شک میں ہیں انہیں اس کا علم نہیں سوائے گمان کے اور انہوں نے یقیناً انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اپنی طرف ان کا رفع فرمایا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ہاتھوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور صلب کی نفی فرمائی، کیونکہ قتل اور صلب ہر دو جسم پر ہی واقع ہوتے ہیں، رُوح پر نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم مبارک کو اُوپر اُٹھالیا تو ان پر قتل اور صلب کیسے واقع ہو سکتے تھے؟ یہود بھی ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح کے قتل اور ان کی رُوح کے صلب کے قائل نہ تھے، وہ تو ان کے جسم کے قتل اور صلب کے قائل تھے اور اسی امر کی اللہ تعالیٰ نے نفی فرمائی ہے۔ اب شریعت، عقل، منطق اور لغت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم ورُوح سمیت رفع ہوا کیونکہ نص قرآنی: ''وَمَاقَتَلُوْهُ'' اور ''وَمَاصَلَبُوْهُ'' اور ''اخْتَلَفُوْا فِيْهِ'' اور

''رَفَعَهُ'' ان سب کے اندر ضمیر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی طرف اشارہ ہے نہ کہ ان کی روح کی طرف۔

اللہ تعالیٰ کا کلام اس خلاف عقل ونقل امر سے قطعی طور پر منزہ ہے کہ کوئی قوم یہ دعویٰ کرے کہ ہم نے فلاں شخص کو قتل کیا اور اس کو سولی پر چڑھایا، پھر اللہ تعالیٰ ان کی تردید میں یہ فرمائیں کہ ہم نے ان کی منصوبہ بندی کو ناکام کیا اور وہ اس طرح کہ اس شخص کے جسم کو ہم نے دشمنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور اس کا روحانی رفع کیا۔ پھر یہ کہے کہ ہم نے اس کی نصرت کی اور اس کے دشمنوں کی چالوں کو ناکام بنادیا۔

معاذ اللہ! یہ مفہوم لغت، عقل اور منطق سلیم کے سراسر خلاف ہے، پھر شریعت کی اَخبارِ صحیحہ کے بھی خلاف ہے، قرآنِ حکیم کے اُسلوبِ بیان کے بھی خلاف ہے، اس کی نصوصِ صریحہ کا انکار ہے کہ رفع کو رُوحانی رفع کہہ کر قرآن میں تحریف کی جائے۔ یہ امر بھی اجماع سے خروج، لغت اور قرآن کے شانِ نزول کی پاسداری نہ کرنے کی علامت ہے۔

قادیانی اُسلوب

رفعِ عیسیٰ کے بارے میں قادیانی اُسلوب یقیناً عقل، نقل، لغت، شرع، اسالیب بیان، اسالیبِ قرآن، سنتِ ربانی، فرمانِ نبوی، سبھی حقائق کے برخلاف ہے، پھر اوّلاً: تو مرزا غلام احمد قادیانی نے'' آئینہ کمالات'' میں عربی نص میں یوں اقرار کیا کہ:

"یا حسرة علیهم ألا یعلمون أن المسیح ینزل من السماء بجمیع علومه ولا یأخذ شیئًا من الأرض ما لهم لا یشعرون۔"

''ہائے افسوس! کیا لوگ نہیں جانتے کہ مسیح آسمان سے تمام علوم کے ساتھ اُترے گا اور وہ زمین سے کچھ نہ لے گا۔ انہیں کیا ہوا کہ وہ نہیں جانتے

ہیں؟''

(آئینہ کمالات اسلام مندرجہ درروحانی خزائن ج:۵ ص:۴۰۹)

اب واضح ہے کہ نزول کے لئے پہلے رفع کا ہونا ضروری ہے، عجیب بات ہے کہ مرزا صاحب کو دیگر پر تو افسوس ہے کہ وہ حضرت مسیح کے نزول کو اور اس سے پہلے رفع سے کیوں غافل ہیں؟ مگر اپنے تناقض کی خود انہیں خبر نہیں کہ وہ اپنی پہلی بات کے برعکس پھر نیا اعلان یوں کرتے ہیں:

"فأخبرنی ربی ان النزول روحانی لا جسمانی۔"

''پس میرے رَبّ نے مجھے بتایا کہ حضرت عیسیٰ کا نزول روحانی ہے نہ کہ جسمانی۔''

(آئینہ کمالات مندرجہ درروحانی خزائن ج:۵ ص:۵۵۳)

کسی کے رُوحانی نزول سے اس کا رُوحانی رفع ثابت نہیں ہوتا ہے، نہ جسمانی رفع کی نفی ہوتی ہے۔ دراصل قادیانیت کے لئے مشکل یہ ہے کہ اصلی مسیح اگر زندہ ہوں، ان کا رفع ہوا ہو، پھر ان کا نزول ہو، اس سے تو نقلی مسیح کی مسیحیت کو خطرہ لاحق ہوتا ہے، لہٰذا انہوں نے انکارِ رَفع اور اس میں تاویل کا راستہ اختیار کیا۔

قادیانی تاویل

قادیانیت کے ہاں حضرت عیسیٰ کے رفع سے رفع جسمانی مراد نہیں، رفع درجات اور رفع روحانی مراد ہے، کیونکہ یہودیوں کے نزدیک صلیب پر مرنا لعنت کی موت شمار ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے جواب میں فرمایا کہ وہ ان کو ذلیل نہیں کرسکے، بلکہ ہم نے تو ان کے درجات کو بلند کردیا۔

نیز قادیانیت کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان ہوتے ہوئے آسمان پر کیسے

جا سکتے ہیں؟ جبکہ آسمان وزمین کے بیچ کئی ناری کرّے ہیں جن سے گزرنے کے بعد انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اسی وجہ سے جب مشرکینِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ آسمان پر جائیں تو ہم ایمان لائیں گے تو آپ نے جواب دیا کہ ''میں تو بشر اور رسول ہوں'' (یعنی یہ کام انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ آسمان پر جائے)۔

(ازالہ اوہام ص:۷۴، روحانی خزائن ج:۳ ص:۱۲۶۔)

گویا قادیانیت کے ہاں رفع روحانی اس لئے بھی ہے کہ جسمانی رفع مستحیل ہے۔

قادیانیت کے اسی اُسلوب کو ہم نے خلافِ عقل ومنطق، خلافِ لغت وشرع، خلافِ اُسلوبِ قرآن، خلافِ سنتِ رحمٰن، خلافِ سنتِ خیرالانام کا عنوان دیا ہے۔

اس باب میں حق اور حقیقت کا ادراک بھی صرف قرآنی اُسلوب میں تامل کرنے میں ہی منحصر ہے۔ ہماری دعوت ہے اور دُعا بھی کہ قادیانی اگر اس اُسلوبِ قرآنی میں تامل کرلیں تو شاید سبیل ہدایت پالیں، ورنہ اہلِ ایمان تو قرآنی اُسلوب کو مان کر اپنے عقیدے کو پختہ کریں گے۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام کا قرآنی طرزِ بیان

قرآنِ حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یعنی زمین سے اُٹھائے جانے پر جن اَحکام کو بیان کیا ہے، وہ یہ ہیں:

''وَمَاقَتَلُوْهُ'' نفیٔ قتل کا بیان۔

''وَمَاصَلَبُوْهُ'' نفیٔ صلب کا بیان۔

پھر ارشاد فرمایا کہ

''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ'' ان کے رفع کی خبر کا اعلان۔

یہی قرآنی اُسلوبِ بیان ہے جس میں حضرت مسیح کے قتل اور صلب کی مکمل نفی کرتے ہوئے خود اپنی طرف ان کے رفع کا اثبات لفظ ''بل'' کے ساتھ فرمایا۔اور اہلِ علم کے ہاں معروف ہے کہ لفظ ''بل'' کے اطراف متضاد اَحکام ہوتے ہیں، جو باہم منافی ہوتے ہیں، متحد نہیں ہوتے ہیں۔جیسے کہ:

''وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا'' (البقرۃ:۱۱۶)

''مشرک کہتے ہیں کہ اللّٰہ نے فرزند اِختیار کیا۔''

''بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''(البقرۃ:۱۱۶)

''بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔''

یہ اس کے فرزند اِختیار کرنے کی ضد ہے۔

پھر:

''اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ'' (المؤمنون:۷۰)

''وہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے''۔

پھر فرمایا:

''بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ'' (المؤمنون:۷۰)

''بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا۔''

تو کسی کو جنون ہونا اور اس کا حق لانا دونوں اضداد ہیں۔

اس طرح بہت سی دیگر آیات میں ''بل'' کے بعد کے حکم کا اثبات ہے اور پہلے کی نفی ہے۔

نیز دونوں میں منافات کا بیان ہوتا ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے:

''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط'' (النساء:۱۵۸)

آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل وصلب اور یہود کے دیگر زعم کے رَدّ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے رفع کا اثبات ''بل'' کے ذریعے فرمایا ہے۔

گویا جس طرح اللہ کی ذات سے ''ولدیت کا ابطال'' اور ''اس کے لئے آسمان وزمین کی ہر چیز کی ملکیت'' کا اثبات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ''جنون کا اِبطال'' اور ''حق لانے کا اثبات'' ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مقتولیت ومصلوبیت کا اِبطال اور ان کی مرفوعیت کا اثبات مطلوب ہے۔

پھر جیسے اللہ تعالیٰ کے لئے ''ولدیت'' اور '' آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک'' ہونا دونوں منافی اَحکام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجنونیت اور حق لانے والا ہونا، ہر دو میں تضاد ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مقتولیت ومصلوبیت اور مابعدِ ''بل'' ان کی مرفوعیت دونوں متضاد ہیں، کہ حضرت عیسیٰ کی شخصیت (جسم وروح) پر نہ قتل ہوا، نہ صلب بلکہ اس کا رفع ہوا ہے۔

اور جس طرح حق اللہ تعالیٰ کا مالک ہونا اور ولد کا اختیار نہ کرنا ہے
اور حق، رسول اللہ کا شریعت لانا اور مجنون نہ ہونا ہے۔
اسی طرح حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقتول اور مصلوب نہ ہونا اور مرفوع ہونا ہے۔

کیا وہ مرفوع الشان نہ تھے؟

پھر قادیانیت کا بحوالہ تورات یہ زعم کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل بذریعہ صلب ان سے ذلت کی موت کی نفی کے لئے ''بل'' لاکر اس ذلت کی موت کی نفی کی گئی ہے اور ان کے رفع

درجات کا اعلان کیا گیا ہے۔قادیانیت کا یہ قول بذات خود ایک محرف قول ہے۔

دوسری طرف آج بھی توراۃ میں موجود ہے کہ کسی مجرم کا بطور سزا صلیب پر چڑھایا جانا وضیع (گھٹیا) ہونا ہوتا ہے نہ کہ ہر ایک کا بذریعہ صلیب قتل ہونا ذلت کی موت ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجرم نہیں ہیں، وہ نبی ہیں اور نبی ہر حال میں رفیع الشان ہوتے ہیں، وہ وضیع الشان نہیں ہوتے ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے انبیاء ہوں یا دیگر انسان، جملہ کتبِ سماویہ، قرآنِ حکیم، توراۃ اور انجیل جملہ کتب نے اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو رفیع الشان بتایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

.......وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ''

(التوبۃ:۱۱۱)

''اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے ان کے نفس اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے...... یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے تورات میں بھی ہے اور انجیل اور قرآن میں بھی......''

حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع اگر رُوحانی ہو کر ان کی شان کا یہاں بیان کرنا مقصود ہوتا تو ان کے قتل ہونے یا سولی پر چڑھنے اور ان کے روحانی رفع میں تو کوئی تضاد تھا ہی نہیں۔

کیونکہ نبی مقتول بھی مرفوع الشان ہوتا ہے۔

شہید مقتول بھی مرفوع الشان ہوتا ہے۔

جیسے یہود کے بارے میں آتا ہے کہ:

''وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ'' (آل عمران:۱۱۲)

''وہ انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔''

تو کیا مقتول نبی...معاذ اللہ...وضیع الشان تھے؟ بلکہ انہیں ایسا کہنے والا تو خود وضیع اور گھٹیا ہے۔

لہٰذا چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے یا مصلوب ہونے کے منافی صرف اور صرف ان کا رُوح و جسد سمیت مرفوع ہونا ہی ہوسکتا ہے، لہٰذا حضرت عیسیٰ کا رفع جسدی ہی حق ہے، صرف اسی کی ان کی مقتولیت و مصلوبیت سے منافاۃ ہے۔

مرزائی تحریف مردود کیوں؟

انسانی زبانوں میں سے ہر زبان میں ہر لفظ اپنے وضعی معنی کے لئے بولا جاتا ہے، رفع کے عمل میں مرفوع شیٔ یا شخص کو خود بنفسہٖ بلند کیا جاتا ہے، یہ نہیں کہ اس کے کسی جزء یا اس کی کسی صفت کا رفع کیا جائے اور وہ شیٔ یا شخص خود غیر مرفوع رہے۔

ہاں! اگر ایسا ہو کہ اس کے کسی جزء یا صفت کا رفع ہونا ہو اور اس کی ذات مرفوع نہ ہو تو اس کے لئے قرینہ کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ وہ قرینہ لفظی ہو یا غیر لفظی۔ رہا مرفوع کا رفع حقیقی مستحیل ہونا یا مشکل ہونا۔ یہ بھی قرائن میں سے ہے، مگر جب رفع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہو تو رفع نہ مستحیل ہے، نہ مشکل۔

اب مرزائی تحریف کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع میں ان کی ذات کا رفع نہیں، ان کے درجات کا رفع ہوا۔

یہ اس لئے مردود ہے کہ:

اوّلاً:- ''رفع''، میں مرفوع شخص یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے ان کے کسی جزء یا صفت کے رفع کا قرینہ ہے ہی نہیں، کیونکہ جب بھی قرآنِ کریم میں رفع سے درجات کا رفع

مراد لیا گیا تو اس میں قرینہ موجود ہے۔ جیسے کہ:

سورۂ بقرہ میں ہے: ''وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ'' (البقرۃ:۲۵۳)۔

اسی طرح: ''نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ'' (الانعام:۸۳)۔

''وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ'' (الانعام:۱۶۵)۔

''وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾'' (مریم)۔

ان تمام آیات میں درجات اور مکان کا بالصراحت ذکر موجود ہے اور جہاں پر قرینہ بلکہ شواہد بھی مؤید ہوں کہ رفع عیسیٰ میں ان کی ذات کا رفع ہوا جیسے کہ ارشاد ربانی ہے: ''وَرَافِعُكَ'' تو اس میں مخاطب ہی مرفوع شخصیت ہے۔ پھر یہ رفع ان کی توفی کے بعد ذکر ہوا جو اس بات کی دلیل بھی ہے کہ انہیں پورا پورا بتمامہ روح وجسد سمیت لے کر مرفوع کیا گیا۔

یہی حکمت ہے ''مُتَوَفِّيْكَ'' کے بعد ''وَرَافِعُكَ'' کو لانے کی کہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ حضرت عیسیٰ کا بتمامہ رفع نہیں ہوا۔

رفع حقیقی کی مثالیں

قرآنِ حکیم میں: ''اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ'' (فاطر:۱۰) میں صعود کلمات واعمال اس طرح ہوتا ہے کہ ملائکہ کراماً کاتبین اعمالِ عباد کو ذاتِ باری تعالیٰ کے سامنے لے جا کر پیش کرتے ہیں۔

مرزائی استدلال

اوّلاً:- کسی جسم کا رفع اگر حقیقی طور پر متعذر و مستحیل ہو جیسے کہ قادیانیت کا زعم ہے کہ آسمان تک پہنچنے میں اس کے درمیان کرات ناریہ حائل ہیں، یا ثقیل جسم کا اُوپر جانا مستحیل ہوتا ہے تو یہ استحالہ جسم ثقیل کے خود جانے میں ہوگا مگر رفع عیسیٰ علیہ السلام میں تو رفع کا فاعل قادر مطلق

ہے جوعزیز وحکیم ہے، جس کے لئے رفع نہ صاحب معراج کے لئے مستحیل ہے، نہ صاحب توفی کے لئے مستحیل اور مشکل ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع یقیناً ان کی ذات کا رفع ہے جو قادرِ مطلق کی قدرت سے ہوا۔ غور کریں کہ آج کتنی ثقیل اشیاء اُوپر

جارہی ہیں؟ یہ کس کی تائید ہے؟ حق کی یا قادیانی تحریف کی؟

ثانیاً: -عوام یہ سمجھیں کہ رفع عیسیٰ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین کے رفع کی طرح ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے: ''وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ'' (یوسف:۱۰۰) انہوں نے اپنے والدین کوعرش پر مرفوع کیا۔ اس میں رفع کے مفعول فیہ پر علی داخل ہے، اور ان کا رفع علی العرش رفع جسمانی کے طور پر ہے۔ اسی طرح ''رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ'' میں رفع کے مفعول فیہ پر ''الی'' داخل ہے تو رفع بالجسد ہی مراد ہے۔

ثالثاً: -عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم جیسی ہے، جو کئی اُمور میں ہے، جزئیات خود سمجھ لیں کہ کتنے اُمور میں دونوں مشابہ ہیں۔

رابعاً: - رفع اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات کا نہیں ہے، بلکہ ان کے درجات کا ہے تو ''بل'' سے ماقبل ''مقتولیت یا مصلوبیت'' اور رفع (روحانی) کے مابین پھر کیا منافاۃ ہوئی؟ جبکہ مقتولیت ومصلوبیت کی نفی ذات مسیح علیہ السلام سے کی جارہی ہے کیونکہ مقصود ان کے جسمانی رفع کا اثبات ہے۔

ہٹ دھرمی

جس طرح توفی میں مرزا صاحب ہٹ دھرمی سے لفظ کو اس کے اصل معنی سے بغیر دلیل شرعی، لغوی اور عقلی کے دیگر معنی کی طرف لے جاتے ہیں، اسی طرح رفع میں بھی محض ہٹ دھرمی سے بغیر کسی دلیل شرعی، لغوی اور عقلی وہی عمل دُہراتے ہیں، اور رفع جسمی کو بغیر قرینہ کے ''رفع

درجات‘‘ پر حمل کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں۔

اصل مستحیل امر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پورا پورا لینے کا وعدہ پورا کرنے کے بعد رفع کے وقت ان سے معذرت کرلیں کہ مجھ عزیز وحکیم کے لئے چونکہ تمہارے جسم وروح کا رفع مستحیل ہے لہٰذا میں صرف تمہارے درجات کا رفع کررہا ہوں۔

یہ امر ہر اعتبار سے نہ صرف مستحیل بلکہ متعذر اور محال ہے بلکہ خلافِ شرع، خلافِ عقل ونقل اور خلافِ قدرت قادر مطلق ہے۔

دعوت ناصحانہ!

رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اہلِ اسلام کے اجماعی عقیدے اور اَربابِ تفسیر ونقل کی آرا وعقیدے کو سمجھنے کے لئے تفسیر کبیر، معالم، جلالین، سواطع، تفسیر رحمانی، جامع البیان، ابن کثیر، مدارک، بیضاوی، خازن، کشاف وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ان میں سے اکثر مفسرین مرزا صاحب کے نزدیک مجددین کی فہرست میں شامل ہیں۔ان سب حضرات نے ’’وَرَافِعُكَ اِلَیَّ‘‘ میں بلا خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء جسد اور رُوح کے ساتھ لکھا ہے، لہٰذا ان میں تامل ان شاء اللہ رفع عیسیٰ کے بارے میں راہِ ہدایت پانے میں معین ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ رفع عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیق میں ہماری یہ سطور عمومی قارئین کے لئے مفید اور اَبنائے قادیانیت میں سے طالبانِ رُشد وہدایت کے لئے حق کے افصاح وبیان میں کافی وشافی ثابت ہوں۔آمین!

خلاصۂ مبحث

✡ رفع عیسیٰ علیہ السلام بھی ان مسائل میں سے ہے جن میں قادیانیت نے انحراف کیا ہے۔

✡ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کے کچھ غلط پروپیگنڈہ تھے اور نصاریٰ کے کچھ غلط عقائد، قرآن کریم ان دونوں کے درمیان فیصل حق کے طور پر نازل ہوا۔

✡ قرآنِ حکیم نے اُلوہیتِ عیسیٰ علیہ السلام، اِبنیت، تثلیث، ان کے قتل وصلب وغیرہ کی نفی فرمائی، اور ان کے رفع کی تائید فرمائی۔

✡ آیت رفع عیسیٰ علیہ السلام کا شانِ نزول اس کے مفہوم کو متعین کرتا ہے۔

✡ رفع عیسیٰ علیہ السلام کی قادیانی تاویل یقیناً لغت، شرع، عقل اور منطق کے خلاف ہے۔

✡ دعوت ناصحانہ!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ